خطوطِ مشاہیر

عبدالماجد دریابادی

خطوط مشاہیر

(حصہ اوّل)

مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا اکبر الہ آبادی

مولانا شبلی نعمانی

مرتبہ

مولانا عبد الماجد دریابادی

قیمت

پانچ روپیہ

ناشر

نسیم بک ڈپو — لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلیفون ← آفس :- ۲۴۵۵۹

گھر :- ۲۵۳۲۴

فہرست

چار دیباچوں اور سیکڑوں حاشیوں
کے اضافہ کے ساتھ ادبی لطافتوں
اور علمی، مذہبی، سیاسی معلومات
کا مجموعہ

دیباچہ

خط کی عربی جمع "خطوط" کو مکتوبات کے معنی میں استعمال کرنا اور ایک دوسرے عربی لفظ کی طرف اضافت کرنا قاعدہ سے صحیح نہیں۔ لیکن اردو محاورۂ عام نے اسے جائز کر دیا ہے اور یہ سند جواز کافی ہے۔

ان خطوں کا بیشتر حصہ پہلے بھی کسی نہ کسی مجموعہ میں نکل چکا ہے۔ بعض خط اس مجموعہ میں بالکل پہلی بار شائع ہو رہے ہیں اور بہت سے خط ایسے ہیں جن میں اب اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد کانٹ چھانٹ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ حذف شدہ حصہ اپنی اصلی صورت میں دیا جا رہا ہے۔ خطوں پر میرے حاشیے تعداد میں بھی بہت زیادہ بڑھا دئے گئے ہیں اور پرانے حاشیے تقریباً بالکل بدل دئے گئے۔ دیباچہ ایک کے بجائے چار اب ہو گئے ہیں۔ غرض یہ مجموعہ فی الجملہ بالکل نیا ہو کر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ رہا ہے۔

خط کی حالت تصنیف و تالیف سے بالکل الگ ہوتی ہے۔ کتابیں تو لکھی ہی اس غرض سے جاتی ہیں کہ عام ہوں اور پبلک تک پہنچیں۔ ہر اشارہ کنایہ و تلمیح کی تشریح ان میں از خود موجود رہتی ہے ورنہ انھیں سمجھے کون؟ خط کی صورت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہاں مکتوب الیہ یا ق کلام موضوع مراسلت سے پوری

طرح واقف رہتا ہے۔ وہ ہر رمز، ہر کنایہ ہر ضمیر کو بے تکلف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن دوسروں کے لئے وہی عبارتیں چیستاں بن جاتی ہیں اور ذہن کے سامنے ایک عجیب الجھن پیدا کر دیتی ہیں۔ غالب کے خطوط حسنِ ادب و انشا کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان تک بیسیوں پچاسوں قصہ طلب تلمیحیں ہیں۔ جو لطف ان خطوں کے پانے والوں کو ان اشاروں کے سمجھنے والوں کو آیا ہوگا۔ اس کا آدھا بھی آج ہم آپ نہیں اٹھا سکتے۔ ہر مخصوص ماحول اپنے ساتھ کیفیات بھی مخصوص رکھتا ہے۔ ادھر ماحول بدلا اُدھر وہ کیفیات بھی رخصت ہو گئیں۔

میں نے اپنی والی کوشش کی ہے کہ اپنے حاشیوں اور خصوصی دیباچوں کی مدد سے ماحول کی اس اجنبیت کو کم کر دوں اور "ماضی" کے خشک پس منظر میں کسی حد تک "حال" کی جیتی جاگتی روح ڈال دوں۔ اس سے زیادہ ایک بے بضاعت ہیچمدان کے بس میں اور ہے کیا؟

مولانا شبلیؒ، حضرت اکبر الٰہ آبادی، مولانا محمد علیؒ اپنے وقت کے مشاہیر میں ہوئے ہیں۔ مولانا شبلی (متوفی ۱۹۱۴ء) اپنے زمانہ کے ایک ممتاز ادیب مورخ، شاعر، سیرت نگار متکلم اور خطیب شیوا بیان۔ وہ پڑھے لکھوں کے حلقہ میں پوری شہرت رکھتے تھے۔ میر اکبر حسین الٰہ آبادی (متوفی ۱۹۲۱ء) شاعر و ظریف کی حیثیت سے ملک بھر میں چھائے ہوئے تھے۔ مولانا محمد علی (متوفی ۱۹۳۱ء) ایک زبردست قومی لیڈر، اہلِ قلم اور پرجوش خطیب کی حیثیت سے عوام و خواص سب نے جانا میرے تعلقات ان سب حضرات سے مخلصانہ ہونے کے ساتھ ہی محض خوردانہ اور نیازمندانہ تھے۔ معاصرانہ اور مساویانہ نہ تھے، نہ ہو سکتے تھے۔ مولانا شبلی کے زمانہ میں تو میری کالج کی طالب علمی بس ختم ہی ہوئی تھی۔ حضرت اکبر میرے والد مرحوم کے ملنے والے اور سن میں ان سے کچھ بڑے ہی تھے مولانا محمد علی البتہ سن میں صرف چودہ سال بڑے تھے اور بے تکلف ہو ہو کر مجھے گستاخ بھی بنا تے

رہے۔ لیکن اسے کیا کیجیے کہ ان کی اخلاقی عظمت اور دماغی بلندی دونوں نے "ایاز" کو کبھی "قدر خود بشناس" کی حد سے باہر نہ قدم رکھنے دیا۔

خطوط کے مطالعہ سے قبل ان سب امور کا لحاظ رکھ لینا ضروری ہے۔ مشاہیر (زندہ اور مرحومین) کے عنایت ناموں کا پورا ایک انبار ابھی باقی ہے۔ عجب کیا کہ آئندہ ان سے آپ کو مزید زحمت دی جاتی رہے۔

دریاباد۔ بارہ بنکی
نومبر ۱۹۴۴ء

عبد الماجد

دیباچہ طبع ثانی

طبع ثانی کی نوبت ۲۵ سال بعد سنہ ۱۹۶۹ء میں آرہی ہے۔ اپنی عبارتیں نظر ثانی کے وقت جا بجا بدل رہی ہیں۔ حاشیوں کی تعداد تو بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ خطوط کی ترتیب میں غلطیاں رہ گئی تھیں، ان کی بھی اب اصلاح کر دی گئی ہے۔

دسمبر سنہ ۶۹ء

دریاباد۔ بارہ بنکی

عبدالماجد

خطوطِ شبلی
یا
شبلی نامہ

دیباچہ

مولانا شبلی (۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء) کے کل خطوط مجھے اپنے نام کے (دستی رقعوں کو ملا کر) ۸۴ کی تعداد میں محفوظ ملے۔ توضیحی حاشیوں کے اضافہ کے ساتھ نذرِ ناظرین ہیں۔

بجز پہلے خط کے یہ سارے خط مولانا کی زندگی کے آخری دور کے ایک بہت مختصر زمانہ کے ہیں۔ یعنی نومبر ۱۹۱۲ء سے لے کر جولائی ۱۹۱۴ء تک کل نو مہینہ کی مدت کے۔ مولانا اس زمانہ میں سیرت النبی کی تالیف میں مشغول بلکہ منہمک تھے۔ اور ندوہ کے اندرونی اختلافات سے ملول و مایوس ہو کر اس سے گویا ہٹتے جا رہے تھے۔ خطوط میں ان دونوں چیزوں کے اثرات قدرتاً نمایاں ہیں۔

یہ بھی خوب ذہن میں رہے کہ میرا سن اس وقت کل ۲۱-۲۲ سال کا تھا۔ "نیا نیا کالج سے گریجویٹ ہو کر نکلا تھا۔ لکھنؤ سے علی گڑھ آ کر ایم۔ اے میں فلسفہ لیا اس میں ناکام رہا۔" "مولانا" بلکہ "مولوی" ہونا الگ رہا۔ اس وقت ان مقامات کے قریب ہو کر بھی نہیں گذرا تھا۔ زبانوں پر "مسٹر" کے لقب سے مشہور تھا اور عام

شہرت ایک ملحد فلسفی کی رکھتا تھا۔ مولانا کا سن اس وقت ۵۶-۵۷ سال کا تھا اور ملک میں شہرت علاوہ ادیب اور انشا پرداز ہونے کے ایک "روشن خیال عالم" کی رکھتے تھے۔ اپنی جسارتوں اور مولانا کی مسلسل شفقتوں اور عنایتوں پر نظر کرتا ہوں تو حیرت میں رہ جاتا ہوں۔

نو عمری میں اپنے متعلق حسنِ ظن اکثر کو ہوتا ہے۔ میں تو خاص طور پر اس کا مریض تھا۔ مکتوب نمبر ۳۳ (نیز مکتوب نمبر ۶) سے معلوم ہوگا کہ مولانا نے میری اس خود بینی کا علاج کس لطف و لطافت سے کیا ہے۔ مکتوب نمبر ۲۵ سے ظاہر ہوگا کہ میری کس درجہ رعایت انھیں ملحوظ تھی اور مکتوب نمبر ۶ میں تو انھوں نے عزت افزائی کی حد کر دی۔ مجھ سے اپنے خاص معاملات میں مشورہ طلب فرماتے ہیں۔ "مولانا" میں اب بھی کب ہوں؟ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ لیکن سنہ ۱۳ء و سنہ ۱۴ء میں تو کوئی برائے نام بھی مجھے مولانا یا مولوی نہیں کہہ سکتا تھا۔[1] کھلم کھلا کالج سے نکلا ہوا "مسٹر" تھا اور ۲۱ سال کا خام عقل نوجوان۔ مکتوب الیہ کو خوب پہچانے بغیر اگر خطوط پڑھنا شروع کر دیجیے گا تو بڑا کوئی حرج نہیں۔ آپ ہی دھوکے میں رہیے گا۔ مغالطہ میں پڑیے گا۔

دریاباد۔ بارہ بنکی
نومبر سنہ ۴۳ء

عبد الماجد

---

[1] اور اس پر نہ جائیے کہ ڈیلی ٹریڈنگ ایجنسی امرتسر نے سنہ ۱۹۱۰ء میں میرے بعض کتابچوں کے سرورق پر خدا جانے کس دھوکے میں پڑ کر مولانا لکھ دیا تھا۔

خطوطِ شبلیؔ

(۱)

مجتبیٰ!

کالج ابھی تو بند ہے۔ میں عید کی صبح کو چلوں گا۔ نہیں جو کچھ کہئے گا کر دوں گا۔ میاں عبدالباری کے معاملہ میں کس کا قصور[1] ہے۔ پبلک سے کسی کی سفارش کرنا اب وقت بہت آسان ہوتا ہے۔ جب خود اس نے بھی اپنے کو پبلک میں پیش کیا ہو۔ سید سلیمان بلکہ عبدالسلام و عبدالواجد[2] تک کے لئے کسی سے کچھ کہنا نہایت آسان ہے۔ لیکن عبدالباری کی تمام داستان خود کہنی پڑتی ہے۔[3]

---

[1] ۱۹۱۳ء سے مولانا بمبئی گئے ہوئے ہیں مولوی عبدالباری ندوی جواب ۱۹۴۴ء میں ماشاء اللہ حاجی اور مولانا اور صوفی اور فلسفی ہیں۔ اس وقت دارالعلوم ندوہ سے ابھی ابھی فارغ ہو کر نکلے تھے اور ہر طرح ہوشیار، ذہین، سنجیدہ و صاحبِ فکر تھے مگر بیچارہ کا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا میرے بے تکلف دوستوں میں تھے۔ میں نے مولانا کو توجہ دلائی تھی کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم ان کا داخلہ تو وظیفہ دلا کر علیگڈھ اسکول یا کالج کرا دیجئے کہ انگریزی کی بھی کوئی سند ان کے پاس ہو جائے۔

[2] یعنی موجودہ مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی بالقابہ اور مولانا عبدالسلام ندوی (مصنف اسوۂ صحابہ وغیرہ) اور خواجہ عبدالواجد ندوی استاد جامعہ مسلم کالج کانپور

[3] مولوی عبدالباری صاحب اس وقت تک مضمون نگاری کے عادی تھے اور نہ کسی حیثیت سے ملک سے روشناس ہو رہے تھے۔

حمیدؔ کے لئے جب میں نے کالج میں کوشش کی تو پورے دو برس تک کسی کو یقین نہیں آیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو تم ہو حمید نہیں ہیں۔ عبدالباری کو تقریر یا تحریر کسی صورت میں پیش کرنا تھا۔ ان کی ظاہری صورت سے بجز اس کے کہ کسی سکول کا نیم تعلیم یافتہ شخص ہے اور کیا متبادر ہوتا ہے۔ عربی دانی کا کوئی اثر انکے چہرے پر نہیں ہے۔ میں ان کی قدر کرتا ہوں اور ان کو قابلِ ترقی سمجھتا ہوں اور اس کے لئے آمادہ ہوں کہ ان کے وظیفہ میں خود اپنی جیب سے حصہ لوں۔ لیکن میں پبلک تو نہیں بن سکتا۔ پولیٹیکل کروٹ[2] کا مضمون آج لکھنے بیٹھا اور ختم بھی کر دیا لیکن اب تو سب یہی بولی بولنے لگے ہیں اور آزاد[3] تو مجھ سے آگے ہیں[4]۔

شبلیؔ۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۲ء بمبئی۔

(۲)

تسلیم۔ ترجمہ پہنچا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ خوش خط ہیں[1]۔ لیکن میری ضعف بصارت متدعی ہے کہ ذرا جلی لکھیے۔ مارگیولیس کا پایہ جرجی زیدان سے بہت بلند ہے۔ وہ اس مکارہ کا خوشہ چین نہیں۔ اس کی وسعتِ نظر بے انتہا

---

[1] یعنی مولانا حمید الدین فراہی بی اے مصنف تفسیر القرآن (عربی) مولانا کے عزیز قریب تھے اور سن میں چھوٹے۔ شاگرد بھی تھے۔

[2] "مسلمانانِ ہند کی پولیٹیکل کروٹ" مولانا کا ایک اہم سیاسی مضمون تھا۔ اس زمانے کے لحاظ سے ایک حد تک انقلاب انگیز۔ مسلم گزٹ ہفتہ وار (لکھنؤ) کے تین نمبروں میں نکلا تھا۔

[3] اشارہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر الہلال (کلکتہ) کی جانب سے مولانا شبلی اور دوسرے اور بے تکلف احباب کی زبان پر آزاد ہی کے نام سے مشہور تھے۔

[4] بے شک۔ کسی زمانہ میں کچھ تھوڑا ایسا ہوا ہوں گا اب اس وصف کو اپنے نام کے ساتھ دیکھ کر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر رہ جاتا ہوں۔ (نظرِ ثانی)

ہے اگرچہ اسی کے ساتھ سخت بد دیانت اور غلط نتائج نکالنے والا ہے۔ میں نے اس کی کتاب کا پورا ترجمہ کرالیا ہے۔ میور کے ماخذ بالکل ضعیف اور ناقابل استناد ہیں[1]۔

میں نے بمشاہرہ ماہوار مترجم کے لئے اشتہار دیا تھا۔ متعدد گریجویٹ کی درخواستیں آئی ہیں۔ ہاشمی صاحب (خارج کردہ کالج) بھی انھیں میں ہیں[2] گو بی۔ اے نہیں ہیں۔ کسی کو انتخاب کرنا ہوگا۔ اب میری معیت کی ضرورت ہے۔ آپ کی اسکیم اب کیا ہے؟

نولدیکن صاحب[3] کا ترجمہ صرف وفات تک مطلوب ہے۔

حیدرآباد۔ کاچی گوڑہ
۸ر نومبر ۱۹۱۳ء
شبلی

(۳)

میں جدید اجازت بھی بھیج چکا ہوں۔ آپ کے آگرہ جانے سے قبل[4] عبدالسلام

---

[1] یہ تعلق اب سیرت نبوی کے اشاعت سے ہو چکا ہے اور میں نے انگریزی ترجمہ کی پہلی قسط بھیجی ہے۔ ضمناً یہ بھی تذکرہ کردیا ہے کہ انگریزی مستشرقین میں اس وقت مارگولیوس اور میور وہ بہت بلند پایہ سمجھے جاتے ہیں۔ مارگولیس کا ایک ماخذ جرجی زیدان (مصری) ہے۔ مولانا اسی کا جواب دے رہے تھے۔

[2] یعنی سید ہاشمی فرید آبادی جو اب شاہیر یونان و روم کے مترجم اور تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں مدتوں پاکستان رہنے کے بعد چند سال ہوئے وفات پائی۔ (نظر ثانی)

[3] جرمن مستشرق جن کا مقالہ محمد پر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع نہم میں تھا (نظر ثانی)

[4] مجھے سیرت نبوی کے سلسلہ میں ترجمہ کا کام ڈیڑھ دو گھنٹہ روز کردینے کے معاوضہ میں پچاس روپے ماہوار مل رہے ہیں۔ مولانا کے خزانچی ایک ندوی حافظ صاحب تھے جو ہر مہینہ مولانا کے تازہ حکم کے منتظر ادائے رقم کے باب میں رہتے تھے۔ میں اس سال آخر دسمبر میں آگرہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسے میں گیا تھا۔

سے جو آپ کے ہمسایہ ہیں دریافت فرمائیں اور اگر اس میں بھی تردد ہو تو الگ بھی ارسالی ہے۔

اسمتھ کی کتاب کا بھی خط بھیج دیجئے [1]

شبلی ۲؍ جنوری ۱۹۱۳ء

(۴)

تسلیم۔ آپ کا پورا پتہ کیا ہے؟ ولہاوسن کا آرٹیکل جو آں حضرت پر ہے اس کا ترجمہ کیجئے (انسائیکلو پیڈیا۔ اڈیشن ۹-۱۰- جلد ۶)

شبلی

حیدر آباد۔ ۵؍ نومبر ۱۹۱۳ء

(۵)

مجبیّ!

سلام مسنون۔ دوسری قسط بھی ترجمہ کی پہنچی۔ ترجمہ کی خوبی مستغنی عن الوصف ہے آپ مجھے تحریر فرمائیے کہ آپ کس شغل میں ہیں اور آپ کی اسکیم کیا ہے؟ میں نے ۲۰۰ روپیہ مولوی فضل الرحمن صاحب ندوی دارالعلوم کے پاس مخصوص آپ کی مد میں بھیج دئے ہیں۔ یعنی جب مہینہ ہو جائے یا جب آپ کو ضرورت ہو آپ ان سے رقم منگوالیں۔ ایک ہدایت کا پرچہ اس خط میں بھی ملفوف ہے میرے اشتہار پر جن لوگوں نے درخواستیں بھیجیں۔ ان میں سے میں نے ہاشمی کو بلایا ہے۔ ابھی تک وہ نہیں آئے۔ فرض کیجئے وہ نہ آئیں تو کیا چار پانچ مہینہ کے لئے بھی آپ آ سکتے

---

[1] یعنی مولانا عبدالسلام ندوی اعظم گڑھی تاگرد ہونے کے علاوہ مولانا کے ہم وطن بھی ہیں۔

[2] میں نے دابرٹس اسمتھ کی مشہور کتاب RELIGION OF THE SEMITES کی سفارش کی تھی

میں مستقل تعلق نہیں رکھ سکتے۔ اصل یہ ہے کہ پہلی جلد میں اب انگریزی اقتباسات کی جو
جگہیں خالی ہیں۔ ان کے بغیر کام رکا پڑا ہے۔ آپ صرف مترجم نہیں بلکہ مصنف
بھی ہیں۔ اس لیے آپ کے سوا کوئی اور شخص مشکل سے میرے ارادہ اور خواہش
کے موافق کام کر سکے گا۔ بہرحال جو فیصلہ ہو مطلع کیجئے گا۔

ترجمہ میں آنحضرتؐ کے متعلق مفرد کی ضمیر نہ استعمال کیجئے بلکہ جمع کی۔ میں اپنی
مستقل قیام گاہ کا فیصلہ ابھی نہ کر سکا۔ ممکن ہے کہ پیری اور ضعف کی بدہمتی
مجھ کو وطن کی پابندی اور "بہ شہر خود رم و شہر یار خود باشم" پر آمادہ کرے وہاں
مکان بنوا رہا ہے۔ احباب ہیں۔ عزیز ہیں۔ غرض ایثار کے سوا اور سب کچھ
ہے۔ پولیٹیکل معاملات میں جو طوائف الملوکی پیدا ہو گئی ہے سخت قابل نفرت
ہے۔ وزیر حسن اور امیر علی کا کیا مقابلہ ہے؟[1]۔ توم حقیقت میں سرسید مرحوم کے وقت
میں بھی اندھی تھی اور اب بھی ہے۔

شبلی

حیدرآباد دکن۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۱۳ء

(۶)

مجتبیٰ!

سلام مسنون! مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے خیالات اور تجویزات سے

---

[1] مولانا کو سیاسی معاملات میں افراط و تفریط دونوں ناپسند تھیں۔ سید وزیر حسن جو بعد کو اودھ چیف کورٹ کے چیف جج ہو کر سر بھی ہو گئے، اس وقت ایک وکیل اور مسلم لیگ کے سکریٹری تھے۔ مولانا اس وقت کے مسٹر محمد علی ایڈیٹر کامریڈ کے ہمراہ ولایت واقعۂ مسجد کانپور کے سلسلہ میں گئے۔ وہاں رائٹ آنریبل سید امیر علی (صدر لندن مسلم لیگ) سے ان کے ایک جزئی معاملہ میں بڑے سخت اختلاف کی نوبت آ گئی۔

مفصل مجھ کو اطلاع دی۔ مگر آپ نے اس کا لحاظ نہیں کیا کہ قدیم مصنفین اور بانیان فن، ابن سینا۔ طوسی۔ رازی۔ ابن رشد وغیرہ نے سرکاری ملازمتوں کے ساتھ علمی مستقل خدمتیں انجام دی ہیں۔ سرسید کے تمام مشاغل صدر الصدوری کے زمانہ کے ہیں خالص علمی خدمت کے لئے دنیا میں بہت کم موقع ہے یعنی دائرہ نہایت تنگ ہو جاتا ہے یہاں فیلوشپ کا اب تک طریقہ نہیں۔ مشرقی جامعہ کے بعد جو جلد قائم ہوگا (یعنی اس سال) یہ طریقہ جاری ہوگا۔ لیکن معلوم نہیں ہمیں کے لئے یا باہر والوں کے لئے بھی[1]۔ نواب عماد الملک سے میں نے ابھی بذریعہ ایک خط کے پوچھا ہے[2] اتفاق یہ کہ آپ کے خط پہنچنے کے وقت ان کا دستی خط آیا تھا اور میں جواب لکھ رہا تھا عبد الحق[3] صاحب آپ کی کتابیں بھیج دیتے۔ تو میں عماد الملک کو دکھلا سکتا۔ ہاں ذرا ایک امر کامل غور اور مشورہ احباب کے بعد لکھ بھیجئے۔ میں اب واپس آنا چاہتا ہوں اور لکھنؤ خواہ مخواہ قیام کرنا پڑے گا۔ لیکن دار العلوم کے حالات اور ارکان کے تعلقات و خیالات کے لحاظ سے ایسا تو نہ ہو کہ مجھ کو تکلیف ہو۔ یعنی گو میں کسی معاملہ میں دخل نہ دوں گا۔ لیکن حالات بہر حال کانوں میں پڑیں گے۔ اس سے شاید کوفت ہو۔ میں سیرت کی پہلی جلد ۴۔ ۵ مہینہ میں تمام کرنا چاہتا ہوں اور اس زمانہ کو نہایت سکون کے ساتھ بسر کرنا چاہتا ہوں۔

---

[1] مکتوب ۲ میں مولانا نے پوچھا تھا کہ آئندہ کیا کرنا چاہتے ہو بس اس کے جواب میں میں نے ایک طومار لکھ مارا تھا کہ سرکاری ملازمتیں تو میرے مذاق کی چیز نہیں البتہ حیدرآباد کی مجوزہ جامعہ میں اگر کوئی فیلوشپ اس طرح کی ہو کہ باہر رہ کر اس کے لئے کام کرنا جائے تو مضائقہ نہیں۔

[2] نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی صدر انجمن ترقی اردو۔ حیدرآباد کے عمائد خاص میں سے تھے اور عربی و انگریزی دونوں کے زبردست فاضل۔

[3] مولوی (اور اب ڈاکٹر) عبد الحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو میری پہلی تصنیف فلسفۂ جذبات ۱۹۱۳ء میں انھیں کی انجمن کی طرف سے شایع ہو رہی تھی۔

میں نے سید سلیمان کو بلایا ہے۔ غالباً وہ آجائیں۔ اگر آپ صرف ۴۔۵ مہینہ کے لئے صیغۂ انگریزی کی افسری اور مہتممی کا کام انجام دیتے تو پہلی جلد نکل جاتی۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ یورپ کے بے شمار ذخیرہ میں سے کیا کیا چیزیں لینے کے قابل ہیں اور عام مترجم یہ بتا نہیں سکتے۔ یہ کام کون کرے۔

شبلی

حیدرآباد۔ کاچی گوڑہ ۱۷ر نومبر ۱۹۱۳ء

(۷)

جناب من! میں نے مولوی عبدالحق سے آپ کی کتاب سائیکالوجی مانگی تھی کہ عماد الملک بہادر کو دکھلاتا۔ جو بہر حال فائدہ سے خالی نہ تھا۔ انھوں نے لکھا کہ وہ کتاب مذکور واپس بھیج چکے۔ نیز انھوں نے لکھا کہ وہ کتاب چھپ رہی ہے۔ بعد اشاعت عماد الملک کو دکھلائیے۔ میں نے اطلاعاً آپ کو لکھا تھا۔ عنقریب آتا ہوں کوئی مکان ۲۵۔۳۰ روپیہ کا اچھا مل سکے تو نظر میں رکھیے۔

شبلی

۲۷ر نومبر ۱۹۱۳ء

(۸)

مجبی۔ سلام مسنون۔ دائرۃ المعارف کے مضمون کے بعد اب مقدم ضروریات یہ ہے کہ عرب کے متعلق انسائیکلوپیڈیا وغیرہ سے مضمون جو قریباً دس بارہ صفحوں کا ہو یا بشرط ضرورت اس سے زیادہ لکھ دیجئے جس امور ذیل کے متعلق معلومات ہوں۔ عرب کی قدامت۔ عرب میں کون کون حکومتیں قائم ہوئیں۔ حمیری سبائی، نابتی خاندانوں کے مختصر حالات اور ان کے کتبے۔ عمارات قدیم مثلاً غمدان مآرب۔ حصن ناعط۔ تہذیب و تمدن۔

میں جلد تر روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن واقعات میرے اختیار میں نہیں۔

آپ نے میرے ضروری خط کا جواب نہیں لکھا۔

شبلی

۴ر دسمبر ۱۹۱۳ء

(۹)

جناب عبدالماجد صاحب۔

یہ ۲۵ صفحہ سے شروع ہے۔ لیکن میرے پاس اس کے پہلے تو صرف ۱۶ صفحہ تک پہنچا ہے۔ بیچ کے ۸ صفحے کہاں ہیں۔

۲۰ر دسمبر ۱۹۱۳ء شبلی

(۱۰)

جناب ماجد صاحب زاد لطفہٗ یورپین تصانیف کے متعلق سیرت کا ٹکڑا بھیجتا ہوں۔ اس میں دو باتیں مطلوب ہیں (۱) انگریزی نام انگریزی حرفوں میں لکھ دیئے جائیں (جہاں اُردو خط میں ہیں) (۲) مصنفین یورپ کا جو نقشہ دیا ہے۔ اس میں معمولی اور کم حیثیت تصانیف کو قلمزد مثلاً جان ڈیون پورٹ کی کتاب۔ اس نقشہ کے تمام نام انگریزی خط میں لکھ دیجیے۔

۶ر جنوری ۱۹۱۴ء شبلی

(۱۱)

جناب ماجد صاحب دام لطفہٗ

کسی وقت آ کر انگریزی کتابوں کی فہرست بنا دیجیے۔

۵ر جنوری ۱۹۱۴ء شبلی

لہ مولانا اب سفر سے واپس آگئے تھے اور لکھنؤ امین آباد پارک کے ایک بالاخانہ پر مقیم تھے۔ یہاں سے دستی رقعوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور دور تک چلا گیا ہے۔

(۱۲)

جناب ماجد صاحب

کل جو کام بھیجا ہے۔ اس سے آپ فارغ ہو جائیں تو عنوان "عرب و تہذیب و تمدن" کے صفحات کو پورا پڑھ جائیں اور جہاں جہاں انگریزی نام ہیں۔ ان کی تصحیح کر دیں۔ نیز انگریزی خط میں ان کو لکھ دیں۔ شیخ عبدالقادر کے ترجمہ اوراق آپ کو دے دیں گے۔

۶ر جنوری سنہ ۱۹۱۴ء شبلی

(۱۳)

ہاں مارگیولس کا پورا ترجمہ موجود ہے۔ باقی جو ترجمے ہیں۔ ان میں عرب قدیم کا ذکر نہیں۔

شبلی ۷ر جنوری سنہ ۱۹۱۴ء

(۱۴)

جناب ماجد صاحب زاد لطفہٗ۔ یورپ کے خرافات کے متعلق اسلام کا میرے پاس پہلے سے بڑا سرمایہ ترجمہ شدہ موجود ہے۔ اس کے متعلق آپ کچھ نہ لیں۔ فارسٹر کا جغرافیہ تاریخی شاید آپ کے پاس ہے۔ اس میں عرب قدیم کے متعلق معلومات مفیدہ نادرہ انتخاب فرمایئے۔ گلازری کو الہ آباد لائبریری سے دریافت فرمایئے کہ وہاں ہے یا نہیں۔

شبلی

۹ر جنوری سنہ ۱۹۱۴ء

(۱۵)

• اسلام کے وقت روم۔ فارس و ہند کی تمدنی و اخلاقی کیا حالت تھی؟ اس کو

تلاش کر کے لکھئے۔ مورخوں کی تاریخ عالم کا آپ کیا ذکر کرتے ہیں[1]۔ میں نے اکثر سنی ہے۔ اسلام کے متعلق محض عامیانہ معلومات ہیں۔

شبلی ۱۹؍ جنوری ۱۹۱۴ء

(۱۶)

مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔

اب عرب کے متعلق اگر مل سکے تو صرف آثارات یعنی قدیم قلعہ جات وغیرہ پر کچھ لکھیے۔ اور نہ مل سکے تو اب نشان کردہ مقامات کا ترجمہ جن میں آنحضرت کی مدح یا ذم ہے (نعوذ باللہ)

شبلی ۲۴؍ جنوری ۱۹۱۴ء

(۱۷)

مولوی عبدالماجد صاحب

۱۔ شیخ عبدالقادر کے صفحات کا ترجمہ عنایت فرمایئے۔

۲۔ اس وقت جو چیز زیر تحریر ہے وہ روم، ایشیائے کوچک اور فارس کی اخلاقی و تمدنی حالت قبل اسلام ہے۔ سید امیر علی صاحب[2] نے اپنی کتاب میں ایک خاص عنوان کے نیچے اس کو لکھا ہے۔ میں اصل ماخذ سے اقتباسات چاہتا ہوں۔

شبلی ۲۵؍ جنوری ۱۹۱۴ء

(۱۸)

مکرمی۔ اب تو آپ کے احسانات رسائل کے پیرایہ میں) فوق الحد

---

[1] میں نے HISTORIAN'S HISTORY OF THE WORLD کی سفارش کی تھی۔ اس وقت اس کا بڑا شہرہ تھا۔

[2] یعنی جسٹس سید امیر علی مصنف "اسپرٹ آف اسلام" "ہسٹری آف دی سارے سینس (نظر ثانی)

ہوتے جاتے ہیں۔[۱] امیر علی کا ترجمہ مقصود نہ تھا بلکہ ان کے ماخذوں سے لینا مقصود تھا۔ میں ان کا حوالہ نہیں دے سکتا ع

آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے[۲]

۳۱؍ جنوری ۱۹۱۴ء — شبلی

(۱۹)

مکرمی جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے

اس وقت ایک نہایت ضروری مشورہ کی غرض سے آپ کو تکلیف دیتا ہوں۔ — یکم فروری ۱۹۱۴ء — شبلی

---

[۱] مولانا کو رسالہ بہت مرغوب تھی۔ میں نے دو تین بار بھیجی تھی یہ اسی کا ذکر ہے۔

[۲] میں نے امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام باب اول کی تلخیص کر کے بھیجی تھی۔

[۳] تحریر بالا شب کو ملی۔ میں اسی وقت گیا۔ مولانا بہت دیر تک تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے ماحصل یہ تھا کہ گورنمنٹ آج کل مجھ سے بدظن ہے۔ خصوصاً معاملہ کانپور کے متعلق میری نظموں سے۔ حکیم اجمل خاں حاذق الملک مجھے آج مسٹر ہربن جیف سکریٹری کے پاس لے گئے تھے۔ وہ بہت کبیدہ تھے۔ حالانکہ اس سے پیشتر نہایت اخلاق و تپاک سے ملتے تھے تم اس کے نام ایک مفصل چٹھی اس مضمون کی میری طرف سے لکھ دو کہ میں مدت العمر کبھی انگریزی گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان یگانگت بڑھے۔ اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدت دراز سے چلی آتی ہیں۔ دور ہوں۔ چنانچہ اس پر میری تمام تصانیف شاہد ہیں۔ اس سے بڑھ کر ۸ سنہ میں میں نے الندوہ میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ سے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری قریباً فرض ہے اور اسی سال ندوہ کے سالانہ جلسے میں وفاداری کا ایک ریزولیوشن بھی پاس کرایا۔ پھر معاملہ مولوی عبدالکریم میں مجھے محض اس جرم پر کہ (باقی صفحہ ۲۲ پر)

(۲۰)

مجتبیٰ! جس خط کے لئے میں نے کہا ہے۔ وہ آدمی کے ہاتھ نہ بھیجئے گا یہ بھی مناسب موقع پر پڑھا دیجئے گا۔ میں نے اپنے کانشنس کے مطابق معاملہ ۔۔ ۔۔۔ میں پانچ ارکان کو ساتھ لے کر جو کیا۔ باوجود اس کے کہ بعد کو پبلک کے شور و غل کی وجہ سے سب نے اخبارات کے ذریعہ سے اپنی براءت ظاہر کی اور یہ لکھا کہ ہم نے فلاں شخص کی وجہ سے مجبور ہو کر ایسا کیا۔ لیکن میں اپنی رائے پر اپنے فرض کے مطابق قائم رہا۔

شبلی

(۲۱)

مولوی عبد الماجد صاحب

سیرت کا دیباچہ جو ترجمہ کے لئے کیا گیا ہے۔ عنایت کیجئے۔ خوش نویس اس کی کاپی لکھیں گے۔

شبلی ۱۱ر فروری ۱۹۱۴ء

(بقیہ صفحہ ۲۱) میں نے اپنے ضمیر کے مطابق ایک باغیانہ مضمون کی اشاعت بند کی۔ اخبارات میں گالیاں سننا پڑیں۔ رہا واقعہ کانپور کے متعلق نظمیں تو وہ ایک ہنگامی جوش کا نتیجہ تھیں جس میں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ میں بھی شریک تھا

لہ یہ رقعہ نمبر ۲ کا ضمیمہ ہے خلاف معمول بند لفافہ کے اندر رکھ کر آیا۔ جہاں پر نقطے ہیں ان سے مراد واقعہ مولوی عبد الکریم تھی۔ مولانا عبد الکریم ایک پرجوش دیندار عالم دار العلوم ندوہ کے صدر مدرس تھے۔ ان کے قلم سے جہاد اسلامی پر ایک مضمون رسالہ الندوہ میں نکلا جو وقت کے معیار مذاق کے مطابق باغیانہ اور شورش انگیز خیال کیا گیا تھا۔ مولانا شبلی نے اپنے اختیارات سے کام لے کر الندوہ کے اس نمبر کی اشاعت روک دی تھی۔

(۲۲)

مکرمی ماجد صاحب

۱۔ اب آپ کیا کر رہے ہیں ۲۔ انگریزی کتابوں میں دیکھئے۔ حسب ذیل کتابیں ہیں یا نہیں (۱) بنٹ (۲) وسٹیفلڈ (۳) جغرافیہ فارسٹر (دوسری جلد) (۳) مضمون دار المصنفین کا جو انگریزی ترجمہ آپ نے کیا تھا بجیفنہ کی وقتی میں ہے۔ میاں مسعود سے رجسٹرڈ بھجوا دیجئے۔ (۴) سرقہ کے متعلق کیا کارروائی ہوئی ۱؎ داخل دفتر یا زیر تحقیقات (۵) میاں مسعود کا پتہ کیا ہے ۲؎؟ (۶) میاں مسعود سے پوچھئے کہ کمرہ بند ہے تو خوشنویس کیا کرتے ہوں گے اور خود کمرہ کی حفاظت کا کیا بندوبست ہے جبکہ ڈنکے کی چوٹ چوریاں ہوتی ہیں (۷) مفصل جواب لکھئے۔

مولوی ابو الکلام آئے تھے اور کہہ گئے تھے کہ ندوہ دیکھنے جاتا ہوں۔

شبلی

۲۸ فروری ۱۹۱۴ء

باغ الہ آباد۔ کوٹھی مسٹر اسحق وکیل

(۲۳)

تسلیم! کارلائل وغیرہ کو ہاتھ نہ لگائیے وہ عربی میں موجود ہے۔ گبن کی بھی ضرورت نہ تھی۔ سر سید مرحوم کے ہاں اس کا پورا ترجمہ قلمی موجود تھا اور میں نے

۱؎ مولانا اب پھر سفر پر باہر گئے تھے اور اب کے الہ آباد میں اپنے حقیقی چھوٹے بھائی مولوی اسحق کے ہاں مقیم تھے۔ وہ الہ آباد کے نامور وکیل تھے۔ اس درمیان میں مولانا کے کمرہ میں چوری ہوئی اور کچھ چیزیں اٹھ گئیں۔

۲؎ یعنی آج کے مولوی حاجی صوفی مسعود علی ندوی قدوائی بھیاروی منیجر دار المصنفین۔ بڑے عملی اور باتدبیر آدمی اس نوعمری میں بھی تھے۔

بار ہا پڑھا ہے۔ میں نے جن کتابوں کے نام پر نشان کر دیئے ہیں وہ قابل ترجمہ ہوں تو ان کو لیجئے۔ ناریسٹر کا ایک نسخہ تو اب آیا۔ لیکن پہلے نسخہ کی صرف ایک ہی جلد ہے یا دونوں، وہ نسخہ حیدر آباد کا ہے اور تقاضا آیا ہے۔

بھوپال سے اب تک جواب نہیں آیا۔ پھر لکھتا ہوں۔ یہاں میں دونوں وقت کھانا کھاتا ہوں اور بہت صحیح ہوں۔ اس لئے ابھی تو یہیں رہوں گا[1]۔ عبدالسلام کو زیادہ تنخواہ ملتی ہے وہ کیوں رُکیں گے۔ یوں ہی بہتر ہوگا کہ کوئی نیا شخص تیار کیا جائے[2]۔ اگر تاریخی کتابوں سے فراغت ہو چکی تو فلسفہ مذہب کو لیجئے۔ میری الماری میں چند کتابیں ہیں۔

شبلی الہ آباد۔ مجتبیا باغ ۳ مارچ ۱۹۱۴ء

(۲۴)

حسب ذیل مضامین سے وقتاً فوقتاً تحریر فرمائیے۔ لیکن خاص اقتباسات بھی ہوں کہ میں بعینہٖ نقل کر سکوں۔ الحاد و رد الحاد پر دو کتابیں انگریزی میں دفتر سیرت میں ہیں۔ وجود باری کے دلائل۔ مذہب کی تائید و تردید۔ نکاح۔ طلاق۔ وراثت کے اصول (عقلی و تمدنی حیثیت سے) نیز ان چیزوں کی تاریخ، اثبات روح یا تردید۔ میاں عبدالسلام تو کلکتہ جا رہے ہیں۔ اب رسالہ کا کیا حال ہوگا۔

---

[1] مولانا کی صحت اس وقت اچھی خاصی گر چکی تھی۔ لکھنؤ میں صرف ایک وقت کا کھانا رہ گیا تھا۔

[2] اس وقت ہم لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ ہم ہی تینں خالص علمی ایک ماہنامہ المعارف کے نام سے نکالا جائے۔ نگران و سرپرست مولانا ہوں اور ذمہ دار ایڈیٹر مولوی عبدالسلام صاحب ندوی۔ مگر عین اس وقت مولوی صاحب کا بلاوا الہلال کلکتہ کے اسٹاف کے لیے آ گیا۔

ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔[۱]

شبلی الہ آباد: ۵ مارچ ۱۹۱۴ء

(۲۵)

مکرمی! اجزا پہونچے۔ یہ ملحوظ رکھئے کہ آپ کبھی کسی حالت میں دو ڈھائی گھنٹہ روزانہ سے زیادہ کام نہ کیجیے۔ اس قدر کافی ہے اس میں جتنا ہوجائے۔ مضمون کے لئے کتابوں کا دیکھنا یا مہیا کرنا بھی انھیں تین گھنٹوں میں داخل ہو۔ تدہب و الحاد پر دیسی تحقیقات کی ضرورت نہیں جو آپ نے الکلام کے لئے کی تھی۔[۲] ایک دو دو مستند کتابیں کافی ہیں ہاں نکاح، وراثت، تعزیرات، تعدد ازدواج کی تاریخ اور ان کے جدید اصول کے متعلق لکھنے کی بھی ضرورت ہے۔

شبلی ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء

(۲۶)

مضمون اور کتاب دونوں پہنچے۔ آپ کے عدم تقرر کا افسوس ہوا۔[۳] مضامین

---

[۱] حاشیہ ابھی اوپر گذر چکا۔

[۲] میں نے اپنی شدت الحاد کے زمانہ میں شروع ۱۹۱۰ء میں مولانا کی کتاب الکلام پر بڑی مفصل و مبسوط تنقید الناظر لکھنؤ کے متعدد نمبروں میں لکھی تھی

[۳] لکھنؤ کیننگ کالج میں فلسفہ پڑھانے کی جگہ عارضی طور پر خالی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے لئے کوشش کی تھی اور ایک سند نامہ مولانا سے بھی حاصل کیا تھا۔ نقل ملاحظہ ہو:-

"مولوی عبد الماجد صاحب بی اے کو ایک مدت سے جانتا ہوں۔ ان کے علمی اور خصوصاً فلسفیانہ مضامین میں نے کثرت سے پڑھے ہیں۔ مجھ کو یہاں تک معلوم ہے۔ ہندوستان میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو نہایت دقیق فلسفیانہ مسائل کو اس خوبی سے ادا کر سکتا ہو جس طرح کہ عموماً مولوی عبد الماجد صاحب کے مضامین میں پائے جاتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۲۶ پر)

حسب فرصت، وراثت، جرائم، تعزیرات پر بھی لکھئے گا۔

دہلی } شبلی ۱۲ر اپریل ۱۹۱۴ء

(۲۷)

مسٹر محمد علی نے ترجمہ دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظوں کی پابندی نے عبارت کو بالکل بے اثر اور بدمزہ کر دیا ہے۔ مترجم سے کہئے کہ اسی مطلب کو اپنے انداز بیان میں ادا کریں۔ اس لئے آپ کو ان کو ایک دفعہ اور تکلیف دیجئے۔[1]

شبلی دہلی ۱۹ر اپریل ۱۹۱۴ء

(۲۸)

ترجمہ پہنچا۔ اب بھی یہ ترجمہ ہی ہے۔ میں نے بھی سنا۔ لوگ پسند نہیں کرتے۔ اگر ان

(بقیہ صفحہ ۲۵)

میں انگریزی نہیں جانتا۔ لیکن مصر و شام میں یورپ کا فلسفہ جس قدر عربی میں منتقل ہوا ہے۔ سب میرے پیش نظر ہے۔ میں بے تکلف کہہ سکتا ہوں کہ کسی عربی ترجمہ یا مستقل تصنیف میں بھی فلسفیانہ مسائل اس خوبی سے ادا نہیں کئے گئے ہیں۔

مولوی صاحب موصوف بالطبع فلاسفر ہیں۔ ان کا ذوق خالص علمی ذوق ہے۔ وہ ہمہ وقت فلسفہ اور متعلقات فلسفہ کے مطالعہ میں مشغول رہتے ہیں اور یہ بالکل غلطی ہے کہ گو وہ فلسفہ میں ایم۔اے نہیں ہیں۔ لیکن کثیر التعداد ایم اے سے بہتر ہیں۔ اگر وہ فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوں تو میں کالج کی خوش قسمتی سمجھوں گا۔

ان اوصاف کے علاوہ ان کے ذاتی اخلاق و عادات۔ متانت و سنجیدگی اور شرافت نسب کی بہتر سے بہتر شہادت دے سکتا ہوں"۔

شبلی نعمانی ۷ر اپریل ۱۹۱۴ء

[1] سیرت نبوی کے ابتدائی حصہ کا انگریزی ترجمہ میں نے کیننگ کالج کے ایک عیسائی استاد زبان انگریزی سے کرا کے مولانا کی خدمت میں دہلی بھیجا تھا۔ مولانا نے اسے اس وقت کے مسٹر" محمد علی کو دکھا کر یہ رائے حاصل کی۔

[2] انہیں عیسائی مترجم صاحب نے دوبارہ کوشش کی تھی ان کی مادری زبان انگریزی ہی تھی اور کیننگ کالج میں خود میرے استاد انگریزی رہ چکے تھے۔ (نظر ثانی)

صفحات کا کچھ معاوضہ ٹھہرا ہو تو مطلع فرمائیے۔ آپ اپنی رقم (ماہوار) پیارے صاحب (کوٹھی نواب علی حسن خاں) سے منگوا لیجئے۔ ان کو الگ لکھ دیا ہے اور مدت ہوئی کہ لکھ دیا تھا۔ عبد السلام نے آپ کو خبر نہ کی۔

شبلی ۲۷ر اپریل ۱۹۱۴ء

(۲۹)

مولوی کرامت حسین صاحب[۱] کی کتاب پر دو چار سطریں لکھ دوں گا فرصت اور دماغ کہاں۔ سید حفیظ صاحب سے کہہ دیجئے کہ چاہیں تو میرا اسباب نواب علی حسن صاحب کے پاس رکھوا دیں۔ آپ انگریزی کتابوں کو دیکھ کر قرآن مجید کے متعلق قابل سند مصنفین کی رایوں کا ترجمہ کیجئے۔ موافق، یا مخالف۔

شبلی ۲۹ر اپریل ۱۴ء دہلی

(۳۰)

نولدیکی کا ترجمہ میرے پاس موجود تھا تاہم آپ پورا کر دیجئے آپ کا ترجمہ قابل سند ہوگا۔ آپ ۲۰ر تاریخ سے ۶۰ دن پہلے ہمیشہ یاد دہانی کا کوئی اشارہ بھیج دیا کیجئے کہ وقت مقررہ پر رقم پہنچ جایا کرے۔ مجھ کو خیال نہیں رہتا۔ اب کے ۵۰ روپے بھیج دئے گئے ہیں۔

شبلی

دہلی۔ مکان حکیم اجمل خاں صاحب ۱۶ر مئی ۱۴ء

(۳۱)

ماہوار کا بل بھیج دیجئے۔ اور ہمیشہ تاریخ معین سے ۵ دن پہلے بھیجا

---

[۱] جسٹس سید کرامت حسین بیرسٹر ایٹ لا (پنشنر جج الٰہ آباد ہائی کورٹ) ایک فلسفی شخص تھے۔ انکی کتاب علم الاخلاق پر دیباچہ میں مولانا سے لکھوانا چاہتا تھا۔

کیجئے۔

شبلی از بمبئی
اکبر بلڈنگ۔ بھائی کلہ ۲۸ر مئی ۱۴ء

(۳۲)

مجبّی! خط پہنچا۔ سید کرامت حسین کی کتاب مولوی ابو الکلام مجھ سے لے گئے کہ وہ خود ریویو لکھ دیں گے۔ حیدر آباد کی نسبت آپ کا خیال صحیح نہیں۔ مولوی سید حسین صاحب[1] کی نسبت یہ خیال کہ بہ حیثیت پریذیڈنٹ انجمن اُردو آپ کی کتاب پڑھ چکے ہوں گے۔ عجب حسنِ ظن ہے مولوی صاحب موصوف نے مشاہیر مصنفین کی کتابوں کے بھی وہی ایک صفحے پڑھے ہوں گے اس کے علاوہ بڑی چیز زبان شہرت ہے۔ جب تک کوئی شخص عام شہرت پیدا نہ کرے۔ لوگوں کو خود حضور نظام سے سفارش کرنے میں تامل ہوتا ہے اسکے لئے ابھی دیر ہے اور نہ اس کی کوئی مثال موجود ہے۔ میرے لئے جب مولوی صاحب نے سفارش کی تھی تو حضور نظام نے خود جواب میں لکھا تھا کہ مجھ کو خوشی ہوئی کہ ایسے شخص کے لئے آپ نے سفارش کی اور میں ان کی سب تصنیفات اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ بہرحال اس کی امید سر دست نہیں ہو سکتی۔ فلسفہ کے باب میں میری سفارش تحسین ناشناس ہوگی۔ البتہ اگر مولوی عبدالحق انکو خوب یقین دلادیں تو شاید کوئی صورت ہو سکے۔

آپ نے مذہب پر آج ایک ٹکڑا بھیجا۔ لیکن ابھی تو لولڈیکی کا مضمون قرآن باقی ہے۔ وہ پورا کیجئے۔ میں نے اور عنوانات جو پہلے لکھے تھے۔ ان کا بھی خیال رکھئے۔

مولویوں نے میرے کفر کے فتوے چار پانچ لکھ کر بھوپال بھجوائے ہیں اور

---

[1] یعنی نواب عماد الملک۔ ملاحظہ ہو مکتوب ۲۔

اشاعتِ کفر میں سفرائے ندوہ سے کام لیا جارہا ہے۔ آفتاب احمد خاں اور علی گڈھ کی سخت پارٹی اصلاح ندوہ کی مخالف اور حالات موجودہ کی حمایت پر جان نثار دینے کے لئے آمادہ ہے۔ یہ ہے ہمارا خلوص۔ خیر زمانہ گو حقیقت شناس نہیں ہے۔ تاہم سچ ہمیشہ نقاب میں نہیں رہے گا۔

شبلی

اکبر بلڈنگ۔ بھائی کلہ بمبئی۔ ۱۱ جون ۱۹۱۴ء

(۳۳)

جناب من! آپ کی رقم ماہوار دہلی سے پہنچے گی۔ زلدیجی کا مضمون متعلق قرآن آپ نے ناتمام چھوڑ دیا۔ پورا کر کے بھیج دیجئے۔ انگریزی کتابوں میں ایک کتاب قرآن مجید کی تاریخی ترتیب پر ہے۔ اس کا یا اس کے اقتباسات کا ترجمہ ارسال فرمایئے۔

مشکل یہ ہے کہ اب ضرورت پڑتی ہے کہ مترجم کی معیت ہو اور یہاں اس قدر رہنے کا ارادہ ہے کہ ایک جلد بہمہ وجوہ تیار ہو کر نکل جائے۔ گذشتہ مہینوں میں فضول وقت بہت ضائع ہوا۔

ندوہ کو جس قدر سنبھالا جائے۔ بگڑتا جائے گا۔ اگرچہ اس سے اس قدر نفع ہوا کہ یہ لوگ ندوہ کے کاموں میں زیادہ سرگرم ہو گئے اور شاید عمارت وغیرہ میں کچھ کام چل جائے۔ رہا نصاب تعلیم۔ تو اسکے زمانہ خود درست کرلے گا ندوہ دیوبند نہیں بن سکتا اور خود دیوبند کب تک دیوبند رہ سکتا ہے۔

تاریخی نظموں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا ہے۔ الہلال دیکھیے گا۔ یہاں بڑا سکون اور خاموشی ہے۔ دن بھر چپ چاپ گذر جاتا ہے کوئی جھانکتا تک نہیں۔

شبلی
اکبر بلڈنگ، بھائی کلّہ۔ بمبئی۔ ۱۶؍ جون ۱۹۱۴ء

(۳۴)

اصل یہ ہے کہ میں آپ کا مطلب ہی نہیں سمجھا تھا۔ میں اخبار کے لئے ریویو سمجھا تھا۔ رسالہ سامنے تھا[1]، مولوی ابوالکلام نے دیکھا اور مانگ لیا۔ بہرحال اب کلکتہ سے منگوایا ہے۔ بقیہ ترجمہ نولدیکی پہنچا۔

شبلی ۲۰؍ جون ۱۹۱۴ء

(۳۵)

تسلیم۔ آپ ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی فہرست کتب انگریزی میں ایک کتاب ہے۔ جس کا اردو نام آپ نے "قرآن کی تاریخی ترتیب" لکھا ہے یہ کتاب ہمارے کام کی ہوگی۔ اس کا ترجمہ یا اقتباس ارسال فرمائیے۔ باقی نواب علی حسن خاں سے منگوا سکتا۔ تو یہی کارڈ کافی ہوگا۔ البتہ تلاش کرنے کی زحمت آپ کو ہوگی۔ کتابیں الگ صندوق میں ہیں۔ نواب صاحب نکلوا دیں گے۔ سیرت کے ترجمہ انگریزی کا ذمہ مسٹر محمد علی نے لیا[2]۔ براہ راست کرنل علیہ اللہ خاں سے خط و کتابت ہو کر۔

شبلی ۲۳؍ جون ۱۹۱۴ء

(۳۶)

کارڈ پہنچا۔ ہرگز ہرگز اس کا ترجمہ نہ کیجئے۔ ایسی کم رتبہ چیز دل

۱۔ اسی مولوی کرامت حسین صاحب والے رسالہ کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہوں مکتوبات نمبر ۲۹ و ۳۲

۲۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کا ترجمہ مقصود نہیں[1]۔

(۳۷)

لیکی کی ہسٹری کے متعلق آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اس کی دوسری جلد میں عورتوں کی پوزیشن کا ایک مستقل عنوان ہے اور نہایت مفصل ہے۔ اسکا اقتباس بھی درکار ہے۔

شبلی

بمبئی۔ بھائی کلہ۔ اکبر بلڈنگ ۸ر جولائی ۱۴ء

(۳۸)

نہیں ڈاخانہ کی غلطی نہیں ہے۔ رقم ابھی تک نہیں آئی۔ شاید پہلے مہینہ کی طرح لکھنؤ چلی گئی اور وہاں سے واپس ہوگی۔

شبلی

(۳۹)

سردست آپ کوئی ترجمہ یا اقتباس نہ فرمائیں اور اس واقعہ کو بصیغہ راز رکھیں[2]۔

شبلی

۲۹ر جولائی ۱۹۱۴ء (بمبئی)

---

[1] میں نے لکھا کہ (SELES) کی وہ کتاب ادنیٰ قسم کی ہے۔

[2] سیرت نبوی کی بھوپال سے گرانقدر مالی امداد ہورہی تھی۔ اب مولانا کے خلاف علماء کے ایک طبقہ نے یورش کی کہ شبلی تو خود ایک بددین، فاسد العقیدہ شخص ہے اور اپنے اسٹاف میں بھی کھلے ہوئے بیدینوں کو رکھے ہوئے ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرا تعلق سیرت کے اسٹاف سے ختم ہوگیا۔

ضمیمہ خطوطِ شبلیؔ

ذیل کے دو خط میرے نام کے نہیں۔ لیکن میرے ہی مجموعہ میں نکل آئے بطور ضمیمہ انھیں بھی درج کئے دیتا ہوں۔ پہلا خط والد ماجد مرحوم کے نام ہے نومبر ۱۹۰۸ء میں میرے بڑے بھائی صاحب کی شادی ہوئی تھی۔ والد مرحوم نے منہیات شرعی سے محترز رہ کر کچھ رقم بطور نذر حقیر اس خوشی کے موقع پر دینی درسگاہوں کو پیش کی تھی اور اس سلسلہ میں ندوہ کو بھی یاد رکھا تھا۔ ندوہ اس زمانہ میں عبارت تھی مولانا شبلی کی ذات سے۔ بہرحال وہ مکتوب حسب ذیل ہے:۔

۲۸ر شوال ۱۳۲۶ھ۔ دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ

جناب مکرم زاد مجدکم۔ السلام علیکم۔

صاحبزادہ کے عقد نکاح کی جو بہ پابندی شریعت کامیابی کے ساتھ ہوا مبارکباد قبول فرمایئے۔ آپ کی نذر حقیر نہیں۔ بلکہ نہایت خلوص وہمدردی پر دلالت کرتی ہے۔

جلسہ سنگِ بنیاد ۲۸ر نومبر ۱۹۰۸ء میں آپ ضرور تشریف لایئے۔ میں ممنون ہوں گا۔ والسلام

شبلی نعمانی

دوسرا کارڈ میرے "چچازاد" بھائی ڈاکٹر محمد سلیم مرحوم کے نام ہے۔ مئی ۱۹۱۰ء میں ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ انھوں نے بھی ایصال ثواب کی نیت سے کچھ رقم مولانا کی خدمت میں پیش کی تھی حسب ذیل جواب

موصول ہوا:۔

تسلیم!

کارڈ پہنچا۔ آپ کی والدہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ رقم نہ بھیجی ہو تو دفتر میں مولوی عبدالحئی صاحب کے نام بھیجئے۔ میں آجکل کلکتہ میں ہوں۔

شبلی

۲۶؍مئی سنہ ۱۹۱۰ء

خطوطِ اکبر
یا
اکبر نامہ

دیباچہ

حضرت اکبر (سنہ ۱۸۴۶ء تا ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء) اپنے زمانہ کے مشہور ترین شاعر اور بلند پایہ ادیب تھے۔ ساتھ ہی بڑے پختہ ایمان والے عارف باللہ۔ افسوس ہے کہ دنیا نے ان کو اس آخری حیثیت سے بالکل نہ جانا۔ بلکہ شاعری کی مد میں بھی صرف ظرافت ہی کے نقیب کی حیثیت سے پہچانا۔ تاہم جس حد تک اور جس حیثیت سے بھی انھیں جانا پہچانا۔ شہرت ان کے نام کی اور کلام کی جی بھر کر ہوئی۔ آج سے ۲۵-۳۰ سال اُدھر ان کا کلام گھر گھر پھیلا ہوا تھا۔ ہر پڑھے لکھے کی زبان پر ان کے دو چار شعر شوخی اور دل لگی کے رنگ کے ضرور تھے۔

مجھے شرفِ نیاز سنہ ۱۹۱۲ء میں حاصل ہوا۔ مہینہ غالباً مارچ تھا یا شاید اپریل ہو۔ میں بی۔ اے کا امتحان دینے لکھنؤ سے الہ آباد گیا ہوا تھا۔ (لکھنؤ اس وقت یونیورسٹی سے محروم تھا اور ڈگری کے امتحانوں کے لئے الہ آباد جانا ہوتا تھا) وہیں

حضرت اکبر کی خدمت میں پہلی بار حاضری دی۔ مرحوم کا سن ۶۶ سال کا تھا۔ شہرت کا آفتاب عروج کو پہنچا ہوا اور میں اپنی عمر کے بیسویں سال میں۔ سلسلۂ مراسلت ایک سال بعد سنہ ۱۹۱۳ء سے شروع ہوا اور آخر سال تک برابر قائم رہا۔ کچھ خطوط ضائع بھی ہوئے ہوں گے۔ تقریباً دو سو محفوظ رہ گئے۔ مدت مراسلت کوئی آٹھ نو سال رہی۔

ابتدائی مکاتبت کے وقت میں فلسفی قسم کا دہری تھا۔ سنہ ۱۹ء سے خطوط کا رنگ بدلا ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں حضرت کی وفات کے وقت میں بحمد اللہ پورا مسلمان تھا۔ اس اصلاح حال میں ایک خاصی حد تک دخل حضرت اکبر کی شخصیت و تعلیمات کو بھی ہے۔ تبلیغ بڑے مزے سے کرتے رہتے۔ میٹھے، دل نشیں اور موثر انداز میں۔ سننے والے کو پتہ بھی نہ چلتا اور وہ دین کی محبت یا وقعت دل میں بٹھاتے چلے جاتے اس کے دل چسپ نمونے ان صفحات میں کثرت سے اور بار بار ملیں گے۔ اکبر شاعر اور ظریف شاعر سے پہلے کہیں پہلے مومن اور مومن گر تھے۔

اکبر نثر پر توجہ کرتے تو یقیناً ایک نام ور ادیب ہوتے۔ ان کے حسن ادب اور شگفتہ نگاری کے نمونے ان اوراق میں شروع سے آخر تک بکھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ چھوٹے چھوٹے جملے بات بات میں پیدا کرنا طوالت۔ ثقالت سے بچنا پیچیدہ ترکیبوں۔ مغلق لفظوں سے احتیاط۔ بیان کی صفائی، روانی، سلاست یہ سب ان کے نظم کے خاص جوہر ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ باتیں اتھلی نہیں۔ گہری مطالب کی بلندی۔ خیالات کا عمق۔ اکبر نرے ادیب ہی نہیں اچھے خاصے مفکر اور فلسفی بھی تھے۔ مغربی فلسفے پر نظر رکھنے والے

اکبر پڑھتے کم تھے، سوچتے زیادہ تھے۔ دوسروں کے خیالات جذب کم کرتے خود انھیں کے خیالات ابلتے زیادہ رہتے تھے فلسفہ خوان و فلسفہ دان کم تھے۔

دانش آموز، حکمت آفریں زیادہ تھے اور ان کی ذہانت بے پناہ تھی۔ اگلے صفحات میں ان سب کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

معاصرت کا ابتلا بھی عجیب ہوتا ہے۔ بعض معاصرین پر چھبتی ہوئی اور ایک یا دو جگہ دل کو دکھ پہنچانے والی رائے زنی جو ملے گی۔ وہ خاص حالات اور خاص ماحول کا نتیجہ تھی اور اب بالکل قابل معافی ہے۔

محرومی اور بد نصیبی اپنی ہے کہ ایسے شفیق اور محترم بزرگ کا سایۂ عاطفت اتنے دنوں تک نصیب رہا۔ لیکن نہ ان کے ظاہری اور باطنی کمالات سے ہی استفادہ کیا اور نہ اُن کی خدمت ہی کا حق ادا کیا۔ اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہ

دریاباد۔ بارہ بنکی
نومبر ۱۹۴۴ء

عبد الماجد
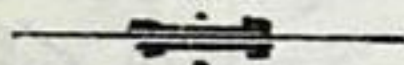
دیباچہ طبع ثانی

اب تقریباً ۲۵ سال بعد جب ان خطوط کی نظرِ ثانی کرنے بیٹھا تو دل و دماغ دونوں کو حضرت اکبر کی محبت و عظمت سے بہت زیادہ متاثر پایا۔ معنویت و ادبیت دونوں کے نمونے چھوٹے چھوٹے ہلکے پھلکے فقروں میں کثرت سے نظر آئے اور اپنے ساتھ ان کی محبت و شفقت کی کوئی انتہا ہی نہ پائی۔ اِتنی محبت کرنے والا، اِتنی عزت بڑھانے والا کوئی دوسرا کیوں ملنے لگا تھا۔ اللہ بے شمار مرتبے نصیب کرے

عبدالماجد
دسمبر ۶۸ء

خطوطِ اکبرؔ

(۱)

از الہ آباد ۲۶ ر اگست ۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عنایت نامہ کا شکر گذار ہوں۔ اگرچہ علالت اور مصائب نے تعلقاتِ دنیا کو بار اور زندگی کو ناگوار کر دیا ہے۔ لیکن جب تک سانس ہے جو اس کے دم سے بالکل رہائی پانا کیونکر ہو سکتا ہے۔ ایک ایسے قابل اور فاضل اور شائق تحقیق ہونہار نوجوان کی طرف جیسے کہ آپ ہیں۔ کیونکر نہ دل کھچے۔ مدتیں گذریں۔ میں نے جسمانی آرام اور تکلیف اور دل خوشی اور رنج کا مفہوم پیش نظر رکھ کر یہ خیال کیا تھا کہ آرام اور رنج کا ساتھ ہو سکتا ہے اور تکلیف اور خوشی کا ساتھ ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی نازک خیالی نہ تھی۔ لیکن اس بنیاد پر ایک سلسلۂ مضمون چل نکلا تھا پورا نہ ہوا اور میں اور کاموں میں اُلجھ گیا۔ اس ضمن میں پین و پلیزر[1] اور چند دیگر الفاظ کے متعلق کچھ نوٹ لئے تھے۔ الہلال میں یہ بحث دیکھ کر

---

[1] (PAIN PLEASURE) اس وقت یعنی ۱۹۱۳ء میں میں فلسفۂ جذبات لکھ رہا تھا نفسیات کی بہت سی اصطلاحیں اُردو میں گویا پہلی بار آ رہی تھیں۔ نوعمری کا زمانہ ایک تو یوں ہی جوش کا ہوتا ہے (میرا سن اس وقت ۲۱ سال کا تھا) پھر پہلی تصنیف۔ جوش ابھرا ابھرا تھا۔ مولانا ابو الکلام صاحب الہلال کی فرمائش پر کتاب کا ایک باب الہلال میں اشاعت کے لئے گیا۔ میں نے ان دو انگریزی لفظوں کے ترجمے حظ و کرب تجویز کئے تھے۔ الہلال نے اس پر نوٹ دیا کہ

میں نے بغیر زیادہ غور کیے ایک خط ایڈیٹر صاحب کو لکھ دیا۔ جس کو انھوں نے چھاپ
دیا ہے۔ جہاں کانکریٹ آیڈیاز[1] نہیں ہیں وہاں ایک زبان کے ایک لفظ کے
مقابلہ میں دوسری زبان میں کوئی لفظ پانا جو بہ لحاظ تمام شیڈس آف مینینگ[2] کے
بالکل مطابق ہو۔ بہت مشکل ہے۔ اس کے وجوہ آپ پر ظاہر ہیں۔ مجھ کو خیال
آتا ہے کہ ہملٹن[3] نے جو بلحاظ صفائی بیان کے بہت ممتاز مانا جاتا ہے (اب تو وہ
داخلِ دفتر ہو گیا ہے) افسوس ظاہر کیا ہے کہ انگریزی میں یونانی الفاظ فلسفہ کا پورا
مفہوم ادا کرنے کو الفاظ نہیں ملتے۔ جب یہ صورت ہے تو غیر ذمہ دار لوگوں
کے مشورے پر عمل کرنے میں آپ کا تامل حق بجانب ہے۔ بعد غور کے میں اپنے
خط کو واپس لیتا ہوں۔ آپ نے کوئی شعر نہیں کہا کہ میں کہہ سکوں کہ فلاں لفظ کے
عوض میں فلاں لفظ ہو۔ تو زیادہ معنی خیز ہو۔ آپ اصطلاحاتِ علمی کی بنیاد قائم
کرتے ہیں۔ اگر ہماری زبان یا مشرقی لٹریچر میں انھوں نے رواج پا لیا۔ (جس کی
بہت کم اُمید ہے) تو ان کی پابندی خواہ مخواہ لازم آئے گی۔ بلحاظ ڈیفینیشن[4] (تعریفات)
کے ذہن مفہوم قائم کرنے میں خطا نہ کرے گا۔ منشی امیر احمد صاحب مرحوم مینائی[5]

(بقیہ صفحہ ۳۸)

ان کے بجائے لذت و الم مناسب ہیں اور اس پر ایک طویل و سرگرم بلکہ تلخ و تند سلسلۂ بحث الہلال ہی میں
چل نکلا الہلال نے اپنی تائید میں ایک مکتوب حضرت اکبر کا شائع کیا تھا۔ اس خط اور اس کے بعد والے
خطوط میں اشارے اسی بحث سے متعلق ہیں۔

[1] (CONCRETE IDEAS) مادی تصورات۔ مادی و محسوس چیزوں کے تصورات۔

[2] (SHADES OF MEANING) معانی کے باریک و نازک فرق۔

[3] سر ولیم ہملٹن۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں برطانیہ کے ایک نامور فلسفی تھے۔

[4] (DEFINATION)

[5] اردو کے مشہور شاعر اور امیر اللغات کے مصنف

نے ایک دفعہ مجھ سے بذریعہ تحریر سوال کیا تھا (۱۹۰۸ء میں) کہ محاورے اور اصطلاح
میں کیا فرق ہے ۔ میں نے عرض کیا کہ محاورے کے جس طرح ترکیب پائی ہے
اسی ترکیب کی پابندی بولنے میں ضروری ہے ۔ لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ خواہ
مخواہ اس محاورے کا استعمال کیا جائے ۔ یہ جائز ہے کہ اس مفہوم کو اور
الفاظ میں ادا کریں ۔ لیکن اصطلاح کی پابندی ضرور ہے جو اس علم یا فن میں
بحث کرے ۔ وہ اپنے مفہوم کو اسی اصطلاح میں ادا کرے ۔ (یہ میں نے مختصر
لکھ دیا ہے ۔ مثالیں ترک کی ہیں) منشی صاحب مرحوم نے بہت پسند کیا اور
منظور فرمایا ۔ بس آپ جو الفاظ (بعد غور) مقرر فرمائیں گے ۔ ہم طالبانِ علم پر
اس کی پابندی لازم ہوگی ۔ بس یہ خیال ضروری ہے کہ حتی الامکان ثقالت و
طوالت سے احتراز کیا جائے اور تعریفات واضح طور پر لکھ دی جائیں ۔ راحت
و الم ۔ لذت و الم ۔ راحت و اذیت ۔ لذت و اذیت ۔ خط و کرب وغیرہ میں
سے جو چاہے لے لیجئے ۔ "میں آپ کے شعر سن کر بہت محظوظ ہوا ۔" "ان سے
ملنے میں مجھ حظ نہ آیا ۔" "حظ نفسانی سے احتراز کرنا چاہیے ۔" اردو فارسی میں
بلاشبہ یہ الفاظ پلیزر کے مفہوم میں مستعمل ہیں ۔ کرب تو عربی میں بھی تکلیف و
مصیبت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۔ قرآن پاک میں میں پڑھتا ہوں : ولقد مننا
علی موسیٰ وھارون ونجیناھما وقومھما من الکرب العظیم البتہ
کرب شاید بین کا بڑھا ہوا درجہ ہے ۔ لیکن جیسا میں عرض کر چکا ۔ تعریفات لکھ کر
جو اصطلاح مقرر کر دیجئے گا ۔ اس کی پابندی ہو جائے گی ۔ کم از کم معنوں میں
اختلاف نہ ہوگا اور یوں تو ہر شخص کا دل ہے اس کی حالت ہے ۔ اس کی زبان
ہے ۔ کوئی عاشق آہ کرنے میں حضرت قیس کے سروں کا پابند نہیں ۔ بہر کیف
آپ کے سامنے نہایت مشکل اور عظیم الشان کام ہے ۔ اور اس وقت اردو

اسی جماعت میں آپ کے مذاق اور آپ کے معلومات نے آپ کو اس کا اہل کیا ہے۔ ہم لوگوں کو حق نہیں ہے کہ بغیر شرکت اور ذمہ داری کے آپ کو ٹوکیں ہاں مشورت مطلوب ہو تو حاضر رہنا چاہیئے۔ یہ تو خیر کچھ الفاظ کا مرتب اور یکجا کرنا ہے۔ اللہ آپ کا علم اور آپ کی عمر زیادہ کرے۔ امید تو یہ رکھنی چاہیئے کہ عالم معانی میں آپ کے ذریعہ سے طبعِ انسانی کو فائدہ ہوگا اور بالآخر آپ کسی بڑے اور مفید نتیجے پر پہنچ کر اس کو اپنی صفائی بیان سے روشن کریں گے۔ میں تو آپ سے ملنے کا بہت مشتاق رہتا ہوں۔ بہت سے امور ہیں۔ جن پر آپ کی توجہ راجع کردں اور اپنی تسکین کے لیئے آپ سے اظہار خیال چاہوں[1]۔ کیا کہوں عجب مصائب میں ہوں اور کوئی ہم نفس و ہم راز و ہم خیال پاس نہیں۔ بااوقات لکھنا مشکل ہوتا ہے۔ معلوم نہیں یہ مطول نیاز نامہ آپ کیوں کر لکھ سکا۔ پھر بھی جس ارادے سے قلم اٹھایا تھا پورا نہ ہوسکا۔ ممکن ہے کہ بعد ماہِ صیام دو چار دن کو لکھنؤ آؤں[2]۔ ہنگامہ اور تکلفات کی جگہ سے دل اجتناب کرتا ہے آپ اگر کبھی الہ آباد تشریف لائیں تو جب تک میں یہاں ہوں بوریا اور نانِ جویں حاضر ہے۔ میاں حفیظ صاحب کہاں ہیں[3] یا اس تو نہیں گئے ہوں گے۔ معلوم ہو تو اطلاع دیجیئے۔ خدا کرے آپ کو کالج کورس

---

[1] اللہ اللہ! ۶۷ سال کی عمر کا فاضل فلسفی و شاعر ۲۱ سال کی عمر کے نوخیز سے خطاب کر رہا ہے۔ حد ہے انکسار و تواضع کی

[2] اس وقت تک میرا قیام مستقل لکھنؤ ہی میں رہا

[3] میرے قدیم رفیق و ہم سبق۔ اب ڈاکٹر حفیظ سید ایم اے پی ایچ ڈی وغیرہ کے القاب سے ملقب الہ آباد یونیورسٹی میں اردو کے استاد ہیں۔ اس وقت غالباً بی اے کر کے ٹیچر ز ٹریننگ کالج میں تعلیم پا رہے تھے۔ وفات ۱۹۶۳ء میں پائی۔ (نظر ثانی)

سے جلد نجات ملے[1]۔ مغربی فلاسفروں کو (بعض مباحث میں) آپ نے ماشاءاللہ خوب اسٹڈی کیا۔ شاید ہی آپ کا کوئی مقابل ہو۔ آپ کو (جتنی فرصت ملے کہ آپکا باطنی فلاسفر اور اقِ لیل ونہار کو) یکجا کر کے ہمارے سامنے ایک اور بحث کی تصنیف یا کم سے کم مغربی فلسفے یا عام فلسفے کا تعارف کرائے۔

(۱)

الہ آباد۔ یکم ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیزِ مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! میں نے ابھی الہلال کو لکھ بھیجا ہے۔ کہ میں اس تحریر کو واپس لیتا ہوں آپ کو بھی اجازت دیتا ہوں کہ ان الفاظ کی بحث میں (جس غرض سے وہ پیش ہے) مجھ کو اپنے خلاف نہ سمجھیے۔ آپ کی کل تحریر سے مجھ کو اتفاق ہے۔ بجز اس کے کہ ہیپنیس[2] کا ترجمہ لذت میں ابھی نہیں سمجھا۔ لیکن تھوڑی سی گفتگو کے بعد سمجھ لینے کو تیار ہوں گا الفاظ کو ہمارے مفہومات کا تابع ہونا چاہیئے۔ مدت سے مجھ کو یہ آئیڈیا تھا۔ لیکن کلکٹو سیکالوجی[3] کا لفظ آپ سے سنا اور بہت خوش ہوا۔ اور آئندہ کے لئے آپ سے بہت امیدیں ہو گئیں۔

آپ فلاسفر ہیں۔ شعر کی قدر زیادہ نہ ہو گی۔ لیکن واقعات موجودہ کے لحاظ سے شاید ان اشعار کو ناپسند نہ کیجیے۔

بھائی صاحب تو ادھر فکرِ ساداتِ میں ہیں
شیخ صاحب کو سنا ہے کہ حوالات میں ہیں[4]

---

[1] میں اس وقت فلسفہ لے کر ایم اے میں پڑھ رہا تھا

[2] یہ لفظ صاف پڑھا نہ جا سکا۔ انداز سے لکھ دیا گیا ہے۔

[2] (HAPPINESS) [3] (COLLECTIVE PSYCHOLOGY) [4] شیخ محمد شفیع

قوم کے حق میں تو اُلجھن کے سوا کچھ بھی نہیں
صرف آنر کے مزے ان کی ملاقات میں ہیں
سر بہ سجدہ ہے کوئی اور کوئی تیغ بکف
بس ہمیں اس رزولیوشن کی خرافات میں ہیں

افسوس ہے کہ مجھ کو حوادث نے بہت ہی دل شکستہ اور بے تعلق کر دیا، ورنہ آپ کا ایک اچھا اسسٹنٹ ہوتا۔ یہ بھی سمجھتا ہوں سہ ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ میں لکھنؤ آؤں گا تو ضرور آپ کو اطلاع دوں گا۔ خدا آپ کو مدارج عالی عطا کرے اور راحت القلوب بنادے اگر مولوی کرامت حسین صاحب[1] سے ملاقات ہو تو میرا سلام فرما دیجئے گا۔ یاد آتا ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے ایک زمانے میں بہت سے علوم و فنون کے مصطلحات انگریزی و عربی و اردو جمع کئے تھے[2] مصطلحات کمسٹری کا ترجمہ میں نے اپنے ایک عزیز سے جو بہت ذہین اور ذی علم ڈاکٹر ہیں، لکھوا کر بھیج دیا تھا۔ دعا گوئے شما اکبر حسین

ع کانپور میں گولی چلی تھی اور ایک قدیم مسجد جو ایک زیر تعمیر سڑک کے درمیان پڑتی تھی۔ اس کا طہارت خانہ وغیرہ شہید کر دیا گیا تھا۔ بہت سے مسلمان گرفتار ہوئے اور انھیں میں اس وقت کے ایک مشہور عالم و خطیب مولانا آزاد سبحانی بھی تھے، شیخ صاحب کا اشارہ انھیں کی جانب ہے۔

---

[1] سید کرامت حسین کنتوری بیرسٹر ایٹ لا الہ آباد ہائی کورٹ کے جج ہو گئے تھے اور اب پنشن کے بعد لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ہربرٹ اسپنسر کے فلسفہ کے گویا حافظ تھے۔ اردو انگریزی عربی تینوں زبانوں میں صاحب تصنیف تھے مولانا شبلی کے خطوط ۲-۳۲، ۳۳ میں ان کا ذکر آچکا ہے۔ (نظر ثانی)

[2] غالباً انجمن ترقی اردو کے ناظم اول ہونے کی حیثیت سے۔

(۳)

الہ آباد۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! محبت اور قدر افزائی کا سراپا شکر گذار ہوں۔ علیل تھا پھر مہمانوں کا سلسلہ رہا۔ کل ڈاکٹر اقبال صاحب[1] جو مجھ سے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے دہلی گئے۔ اس سبب سے جوابِ خط اب تک نہ لکھ سکا تھا۔ میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جو اصطلاحیں مقرر کر دیجئے طالبعلم کو مان لینا چاہیئے۔ آپ کے پاس ہوتا تو اظہار رائے میں آسانی ہوتی بہرحال آج یا کل مختصر جواب عرض کر دوں گا جو نیور کا قصد ہے اگر اچھا رہا تو وہاں سے لکھنؤ آ جاؤں گا[2] انشاء اللہ۔ اگرچہ آپ ماشاء اللہ خود لائق و فائق ہیں۔ لیکن امید ہے کہ مکالمت زبانی سے وسعتِ خیال پیدا ہو۔ آپ سے ملنے کا آرزومند بھی ہوں۔

آپ کا دعاگو
اکبر حسین

(۴)

الہ آباد۔ ۴ ستمبر ۱۳ء

حبیبی و مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ جب یہاں مجھ سے ملے تھے۔ اس کے بعد میں شدید مصائب میں مبتلا ہو گیا۔ میرا لڑکا سید ہاشم جو نہایت ذہین۔ ہونہار۔ توانا۔ بالا بلند۔ موزوں طبع۔ عاقل۔ خدا پرست۔ خوش فہم۔ میرا خادم۔ شیریں طبع تھا اور جس نے چودھویں سال میں قدم رکھا تھا۔ یکایک سرسام میں مبتلا ہو کر مجھ سے

---

[1] ۔ مشہور شاعر و فلسفی

[2] جونپور میں حضرت اکبر کے فرزند اکبر ڈپٹی کلکٹر تھے۔ میری مستقل سکونت اس وقت تک لکھنؤ کی تھی اور کئی سال بعد تک رہی۔

ہمیشہ کو جدا ہو گیا۔ بی بی پہلے مر چکی تھیں[1]۔ وہی لڑکا دنیاوی زندگی کا سہارا تھا۔
مذہب اور فلسفۂ تصوف نے دیوانگی سے محفوظ رکھا۔ لیکن بے حد افسردہ اور
دنیا سے بے تعلق ہو گیا ہوں۔ ہوش و حواس سے مجبور رہی ہے۔ میں نے الہلال
کے آرٹیکل نہیں دیکھے تھے۔ صرف اسی پر نظر پڑی تھی کہ حظ و کرب و لذت و الم
میں کس کو ترجیح ہے۔ پچھلے دونوں لفظ بہت مانوس تھے۔ میں نے الہلال کو دو سطریں
لکھ بھیجیں۔ اس کے بعد میں نے آرٹیکل پڑھے آپ کی مشکلات کا خیال آیا۔

لہٰذا میں نے دست برداری کی ؎

نہ گفتہ ندارد کسے با تو کار ۔ ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

"دانم چرا الحرِیم" کی تو افراط ہے۔ لیکن مدد اور کام کی بات بہت کم ہے۔
آپ نے اپنے پہلے خط میں بہت صحیح خیالات ظاہر کئے تھے کہ اس کام کے
اہل ہندوستان ہی میں نہیں ہیں۔ بے شک کیوں ہونے لگے۔ لوگ کہتے ہیں کہ
ابو الفضل کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ اکبر پیدا ہوں تو وہ بھی پیدا
ہوں۔ یہ میرا خیال ضرور ہے کہ ترجمہ کرنے والے کو اس زبان میں جس میں ترجمہ
کیا جائے۔ زیادہ تجربہ چاہیئے۔ کیونکہ بہ نسبت سمجھنے کے سمجھانا مشکل ہے۔ لیکن میں
دیکھتا ہوں کہ ماشاء اللہ آپ زبانِ عربی کے قواعد سے بیگانہ نہیں ہیں۔ لہٰذا
آپ پر ہر طرح اطمینان ہے۔ مجھ کو بہت شبہ ہے کہ آیا یہ الفاظ جن کو ہم آپ جمع
کرتے ہیں۔ کبھی وہ زندگی پائیں گے جو مغربی فلسفیانہ الفاظ کو حاصل ہے۔ لیکن
بہر کیف کوشش کرنی چاہیئے۔ سید سلیمان[2] سے مجھ سے شاید ملاقات ہوئی ہو۔

---

[1] اور یہ بیوی صاحبہ حضرت اکبر کی خاص محبوب بیوی تھیں۔

[2] جناب ماشاء اللہ مولانا حاجی شاہ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی ہیں۔ اُس وقت الہلال میں مولانا
ابو الکلام کے رفیق تھے اور ان کی بھی ایک تحریر اسی مسئلہ مصطلحات پر شائع ہوئی تھی۔ اب
مرحوم مغفور (نظر ثانی)

یاد نہیں اگرچہ ان کی تحریریں جیسا کہ آپ نے خود نوٹ کیا ہے (IRRELEVENT)[1]
باتیں بہت ہیں (اور بغیر ان کے وہ کام ہی نہیں چل سکتا) لیکن کچھ اچھے
(SUGGESTIONS)[2] بھی۔ اگر وہ آپ کے مشیر اور خادم ہیں تو بہت آسانی
ہو سکتی ہے۔ وہ نہیں موجود ہیں اور بلا تکلف بحثیں ہو سکتی ہیں۔ میں تو اولاً خود
بے بضاعت، دوسرے بے حد معذور ہو رہا ہوں

چار دن سے اعضا شکنی ہے۔ داہنے
کان میں درد ہے۔ دیکھئے کب سفر کے قابل ہوں ارادہ تو یہ ہے کہ جونپور جاؤں،
وہاں دو ایک دن رہ کر لکھنؤ آؤں۔ میرا دل تو اب زیادہ دنیاوی زندگی کے نتائج
سے متعلق ہے۔ منطقی شاید کہتے ہیں کہ بلا اداد الفاظ خیال نہیں ہو سکتا۔ لیکن مجھ کو
تو غم بلا اداد الفاظ ہوتا ہے اور پھر شاعر کی زبان کا کیا ٹھکانا۔ میں آپ کو مذاق شعر سے
کس طرح بے بہرہ سمجھوں۔ غالب کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت دلآویز
ہے۔[3] درحقیقت جو شعر میں نے آپ کو لکھے تھے۔ وہ شعر نہ تھے۔ پولیٹکل ہنگامے
کے متعلق ایک رائے کا اظہار تھا۔ آج مشکل سے لکھنے کو بیٹھ سکا۔ کچھ نوٹ
کر دئے ہیں۔[4] عضویات مجھ کو بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یا ئے نسبت لگائیے تو

---

[1] یعنی غیر متعلق [2] یعنی مشورے

[3] انڈین پریس الہ آباد نے ایک مصور ماہنامہ ادیب کے نام سے نکالا تھا۔ میرا ایک مضمون اس میں غالب کے فلسفہ پر نکلا تھا۔

[4] میں نے اردو مصطلحات نفسیات کی ایک فہرست رائے مشورہ کے لئے چار یا پانچ دوسرے صاحبوں کے علاوہ حضرت اکبر کی خدمت میں بھی بھیجی تھی۔ اکبر نے اسی فہرست کو اپنی ترمیم کے ساتھ واپس کیا۔

الف اور تے کو حذف کر دینا ہی اولیٰ نظر آتا ہے۔ طبعیات سے طبعی[۱] تنازعہ لفظ تو حفظ ہے اور شاید کرب بھی۔ اس کے متعلق کچھ نوٹ لکھ دئے ہیں طبیعت نہایت مضمحل ہے۔ کتابیں بند پڑی ہیں اور بے ترتیب ہیں۔ کچھ مدد نہ لے سکا۔ دو دسرے پریشان ہوں۔ میں آپ کے مشاغل اور عادات اور حالات سے آگاہ نہیں ہوں۔ لہٰذا اس کے لکھنے کی جرأت نہ کر سکا کہ دو چار دن کو یہیں تشریف لائیے۔ خدا آپ کو ترقیات ظاہری و باطنی عطا کرے[۲] اور آپ اس مصرعہ کے مصداق ہوں ؏

ستارۂ بدرخشید و ماہ مجلس شد

افسوس ہے کہ اسباب انتشار قومی بہت جمع ہیں اور کوئی شخص اتنا فارغ البال نہیں نظر آتا کہ پوری آزادی سے طلب علم میں زندگی صرف کرے۔ ابھی سوسائٹی بھی ہم کو میسر نہیں۔ آپ سے انشاء اللہ ملاقات ہوگی تو بہت باتیں ہو سکیں گی۔

آپ کا نیازمند اور دعاگو۔ سید اکبر حسین

ہاں جناب الہلال صاحب نے میرا خط نہیں چھاپا۔ لکھا کہ میرے دوسرے آرٹیکل کے منتظر رہیئے۔ آپ کی فلسفہ دانی کا اعتراف کرتے ہیں میں نے انکو بھی مشورہ دیا کہ جب جملہ امور متعلقہ پر لحاظ کرنا منظور و ممکن نہیں تو اعتراض سے اعراض اولیٰ ہے۔ بہرکیف یہ خفیف بات ہے۔ ہوتا ہی رہتا ہے۔ اپنے بھائی صاحب سے میرا سلام فرما دیجئے[۳]۔ تیسرے خانے میں جہاں میں نے آپ کے

---

[۱] میں نے فزیالوجی کے لئے "عضویات" اور فزیالوجیکل کے لئے "عضویاتی" تجویز کیا تھا اس وقت تک اردو میں فزیالوجی کے لئے "علم وظائف الاعضا مستعمل تھا"۔

[۲] اس بے ہنر کو اگر کچھ بھی آیا ہو تو اس میں اکبر جیسے باخدا کی دعاؤں کو یقیناً دخل ہے۔

[۳] مولوی عبدالمجید صاحب اس وقت نائب تحصیلدار تھے۔ ڈپٹی کلکٹری کے اعلیٰ گریڈ تک پہنچ کر پنشن لی۔ ۱۹ دسمبر ۶۲ء کو وفات پائی۔ (نظر ثانی)

دو لفظوں میں سے ایک لفظ شرح رد ثنائی سے لکھ دیا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مجھ کو وہی لفظ مرجح معلوم ہوتا ہے۔

ہاں ایک ضروری خیال ظاہر کرنے سے رہ گیا۔ غالباً علمائے مصر نے ان علوم میں مغربی فلسفہ سے باخبر ہو کر تصنیفات کی ہیں۔ اگر ایسا ہو تو کیوں نہ اُن سے بشرط امکان موافقت کی جائے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ ان جملہ الفاظ کو پبلک کے سامنے بغرض کریٹی سزم[1] پیش کر دیں اور بعد کسی بحث کے جو بیٹش ہو فیصلہ ہو۔ یہ خط روانگی سے رہ گیا تھا۔ کان کے درد میں مبتلا ہوں

(۵)

الٰہ آباد۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیزی مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں یہ لکھنا بھول گیا کہ آپ نے خط میں جو مضمون متعلق الفاظ سابقہ ولاحقہ وغیرہ[2] کے لکھا ہے وہ نہایت صحیح ہے۔ آپ نہ صرف مرادف المعانی الفاظ ڈھونڈھتے ہیں۔ بلکہ ایک عمدہ سسٹم الفاظ کا اُردو میں قائم کیا چاہتے ہیں اور اسی بات نے آپ کے کام کو بہت مشکل کر دیا ہے (HAPPINESS MISERY) کا ترجمہ دُکھ سکھ بہت اچھا ہے۔ لیکن یہ الفاظ اس انجمن میں بے وقعت ہیں[3] اتفاقاً

---

[1] (CRITICISM) یعنی تنقید

[2] یعنی (PREFIX) اور (SOFFIX)

[3] اشارہ ہے مولانا ابو الکلام کے ہم خیالوں کی جانب۔ جن کے ہاں قواعد بیت پر زیادہ زور تھا۔

مولوی حمید الدین صاحب سے ملاقات ہوئی[1]۔ میں خوش ہوا کہ آپ نے ان کے پاس بھی فہرست بھیج دی تھی۔ پبلک کے سامنے پیش کرنے سے میرا یہی مطلب تھا کہ ایسے بزرگوں کے سامنے پیش ہو وہ فرماتے تھے کہ (FRESTIGE) کا ترجمہ دھاک صحیح ہے۔ میں نے کچھ کہا نہیں لیکن یہ خیال آیا کہ شاید رعب میں یہی مطلب پورا ہو جاتا ہے۔ میں نے تو اُردو میں مفہوم کے اعتبار سے سطوت کو پاکیزہ لفظ سمجھا تھا۔ البتہ خود نماتری کی ترکیب صحیح نہ معلوم ہوئی۔ یائے توصیفی اسم صفت میں بڑھاتے ہیں۔ خود نمائی البتہ ہو سکتا ہے۔ بعد استعمال غیر مانوس نہ رہے گا میں سخت تکلیف میں ہوں۔ اس وقت کان پر پلٹس باندھی گئی ہے۔ نجات ملے تو قصد سفر کروں۔

اکبر حسین

(۶)

الہ آباد۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! ایک بات ذہن میں تھی لکھنا بھول گیا۔ اسی فہرست الفاظ کے متعلق جو آپ نے پہلے بھیجی تھی اور جو اس وقت میرے سامنے نہیں ہے (ABSTRACT IDEAS) کا ترجمہ لوگوں نے خیالات منتزعہ کر رکھا ہے۔ انتزاع سے جس کے معنی کھینچنے اور نکالنے کے ہیں آپ نے شاید اور کوئی لفظ رکھا ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہوگا۔ ورنہ شاید میں نظر کرتا۔ لیکن آپ نے نہ خیال کیا ہو تو اب خیال کر لیجئے۔ اگر لفظ موزوں موجود ہو تو عدول کی کیا ضرورت۔ برسٹج کے لئے ایک لفظ دقار رات میرے ذہن میں آیا۔ لیکن صرف اُردو بول چال میں یہ لفظ اس آئیڈیا کے قریب ہے۔ تمھارا وقار رات جاتا

---

[1] یعنی مولانا حمید الدین فراہی مرحوم مفسر قرآن۔ اس وقت میور کالج الہ آباد میں عربی کے استاد تھے۔

رہا۔ تمہارا اثر ادنٰی نار ہے۔ بشرطِ صحت کامل جونپور جانے کا ارادہ ہے۔ فقرہ کا ٹھیک اکوئی ویلنٹ[1] ٹرم مجھ کو سوائے حرمان کے کوئی نہیں ملتا۔ دعا گوئے تما

اکبر حسین

لیکن حرمان میں بیں کا آئیڈیا صریح[2] نہیں ہے۔ اردو میں مایوسی کے معنوں میں شعرا کی زبان پر ہے۔ یاس نہ حرمان غالباً کہہ سکتے ہیں۔ محظوظ ہوئے میں محروم رہا۔ لذت نہ الم میں کچھ حرج نہیں۔ لیکن واضع مصطلحات کو اختیار ہے۔ آپ کے دوست الہلال کا زرِ ضمانت ضبط ہو گیا ہے۔

مغرب کی برق ٹوٹ پڑی اس غریب پر
دورِ فلک ہلال کو لایا صلیب[3] پر

(۸)

جونپور۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۳ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں کل جونپور پہنچا۔ دن بھر درد سر میں مبتلا رہا۔ صحت کی خرابی نے مجھ کو بے کار کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ لفظ دیا پر ٹیبلچ کے لئے نہایت اچھا بلکہ ٹھیک اسی سینس[4] میں ہے۔ جس میں انگریز پریسٹیج کا لفظ یہاں استعمال کرتے ہیں۔ وہاک اور رعب اسٹرانگ ٹرمس[5] ہیں۔ وقعت بہت ڈھیلا لفظ ہے وقار، سطوت کی طرح سجل، سڈول اور آپ کی پسند کے

---

[1] مقابل لفظ۔ [2] (PAIN IDEA)

[3] الہلال کی ضمانت میں اس زمانہ میں گورنمنٹ نے ضبط کرلی اور پرچہ کو کچھ روز کے لئے بند ہونا پڑا۔ اکبر صنعتوں کے بھی بادشاہ تھے۔ مغرب اور غریب کی۔ اور مغرب اور ہلال کی اور برق ہلالی اور فلک کی مناسبتیں بالکل ظاہر ہیں۔

[4] SCENCE یعنی مفہوم [5] یعنی تیز الفاظ

لائق ہے۔ اور روزمرّہ میں داخل ہے۔ اس کے لغوی معنی میں بھی (وزن، دباؤ، گراں ہونا) پریسٹیج کے لغوی معنی کا آئیڈیا تا دیلا موجود ہے۔ لیکن میں زور نہیں دیتا۔ ع اپنی وہی صلاح ہے جو یار کی صلاح۔ آپ نے محاورۂ اُردو سے استدلال کر کے لفظ حفاظ و محفوظ کو میری نظر میں پلیسٹر سے ایسا موافق و قریب کر دکھایا ہے کہ میں لذت کی سفارش اسی بنا پر کر سکتا ہوں کہ وہ بھی کام دیتا ہے اور شاید پاپلر ہے۔ امید کہ بشرط صحت دو تین دن بعد لکھنؤ حاضر ہوں۔ آپ سے ملنے کی بھی مسرت بلکہ عزت حاصل کروں۔

اکبر حسین

(۹)

عنایت فرمائے من سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ مس ماڈ سے آگاہ ہوں گے برہنہ ہو کر ایسا ناچتی ہیں کہ شائقین رائنس کو وجد آجاتا ہے۔ ہندوستان آرہی ہیں۔ لوگوں نے روکنا چاہا۔ پانیر لکھتا ہے کہ اگر آج اس ناچ کی اجازت ملی تو

THE PRESTIGE OF THE WHITE WOMEN IN INDIA WILL BE SOME WHAT INJURED.

اب ذرا دیکھئے "پریسٹیج" یہاں کس سنس میں استعمال ہوتا ہے۔ وہاک کا لفظ موزوں نہیں ہے۔ شاید سطوت بھی بے موقع ہو۔ البتہ وقعت کا لفظ ٹھیک معلوم

---

۱ (POPULAR) یعنی مانوس۔ عام فہم

۲ (MAUDE-ALLEN) اس وقت انگلستان کی مشہور رقاصہ تھیں۔

۳ (TANGO DANCE) کے نام سے اس کا ایک خاص رقص ایسا ہوتا تھا کہ انتہائی تیز گردش کے وقت لباس کے سارے تار ہوا میں اڑنے لگتے تھے اور جسم دو چار سیکنڈ کے لئے بالکل برہنہ ہو جاتا تھا۔

ہوتا ہے۔ رتعت میں بھی رہاگ کا آئیڈیا موجود ہے۔ اطلاعاً لکھا گیا۔ امید کہ آپ اچھے ہوں۔ میں ہنوز زیرِ علاج ہوں۔ خدا کرے آپ جلد الفاظ کے پھندے سے رہائی پائیں۔ آپ کے ذہن کو عالمِ معانی کے بالاتر درجوں میں مصروف ہونا چاہیئے[1] لیکن یہ سچ ہے کہ بغیر الفاظ کے کام نہیں چلتا۔

دعاگوئے تمنا اکبر حسین

(۱۰)

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ کی محبت اور عنایت اور مہربانی اور سعادت اور نیک دلی ہے کہ آپ نے مجھ کو قابلِ مشورت سمجھا ہے۔ اگر کچھ جانتا بھی تھا تو اب سب بھول گیا۔ اردو زبان پر بھی عبور نہیں ہے۔ البتہ مذاقِ شاعری کے سبب سے لفظوں کی ترتیب سے وسیع معانی پیدا کرنے کا کچھ سلیقہ تھا وہ بھی اب حیرت اور غم کی کثرت سے مفقود ہوتا جاتا ہے۔ میں نے الہلال کی گواہی اسی سبب سے واپس کی تھی کہ ایک لفظ پر کسی ایک پہلو کے لحاظ سے ٹوک دینا آسان ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی نظر میں مفہوماتِ فلسفہ ہیں۔ آپ سسٹم چاہتے ہیں۔ سمٹری[2] چاہتے ہیں۔ نہایت بلند اور مشکل کام ہے۔ اعتراض بیجا ہو یجز ایسی کے کہ آپ ہی کی طرح آپ کے ساتھ اس کام میں دن رات غرق رہیے۔ بہر کیف جن امور کی نسبت آپ نے مشورہ کیا ہے۔ کچھ نوٹ اس نیازنامہ کی پشت پر مندرج ہیں۔ خدا کرے آپ کو کچھ مدد ملے۔ اگر زندگی باقی ہے تو جلد آپ سے ملنے کی مسرت حاصل کروں گا۔ انشاء بشرطِ صحت کل یا پرسوں جو نپور

---

[1] اب ہسل ایسی داعیش دینے والا کون ملے گا

[2] SYMMETRY یا تناسب!

اور دو تین دن بعد لکھنؤ کا قصد ہے۔ میں قیصر باغ میں راجہ[1] صاحب کے یہاں ٹھہرا کرتا تھا۔ لیکن تکلفات کا متحمل نہیں ہوں اور خیالات بہت کچھ بدل گئے ہیں بلکہ کم ہو گئے ہیں۔ غالباً امین آباد پارک حاجی عبدالحق صاحب ایجنٹ گراموفون کمپنی کے مکان پر ٹھہروں۔ وہ میرے ایک قدیم بے تکلف شناسا ہیں۔ میری تسکین کو جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ اس کا شکر گذار ہوں۔ آفتاب علم آپ اب بھی ہیں۔ خدا کا فضل شامل رہا۔ تو عمر و عروج کے ساتھ آپ کی شعاعیں زیادہ ہوتی جائیں گی۔ رسائی میں زیادہ ہوں گی۔ اب عقلوں تک پہنچتی ہیں تو آئندہ دلوں تک پہنچیں گی۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے صحیح ہے۔ لیکن جہاں آپ وہاں ہم۔ ہم آپ سے زیادہ کیا خوش عقیدہ ہو سکتے ہیں۔ ہاں عمر اور تجربہ کے سبب سے Ego[2] آپ کے مقابلہ میں زیادہ محسوسات کا مجموعہ ہے۔

اکبر

(۱۱)

جونپور۔ یکم اکتوبر ۱۳ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں ۲۵ر ستمبر کو یہاں آیا۔ دو ایک دن کے بعد ارادہ لکھنؤ کا تھا۔ لیکن طبیعت صحیح نہ رہی۔ جرأت سفر نہ کر سکا۔ ادھر حضرت حفیظ ابدی کا خط پہنچا کہ مولوی عبدالماجد صاحب دہلی سے ۲۸ر کو لکھنؤ آئیں گے۔ اور دوسرے دن پھر دہلی چلے جائیں گے[3] اس سبب

---

[1] یعنی راجہ علی محمد خان بہادر والیِ محمودآباد جو بعد کو مہاراجہ ہو گئے تھے اس وقت سارے قومی حلقہ میں راجہ صاحب سے مراد وہی ہوتے تھے۔ اپنی فیاضی و مہمان نوازی کے لیے ضرب المثل

[2] فلسفہ کی اصطلاح "نفس" یا "انا" کے معنی میں

[3] میں فلسفہ میں ایم اے کرنے کو سینٹ اسٹیفن کالج دہلی میں داخل ہو گیا تھا (نظر ثانی)

امید نہ رہی کہ آپ لکھنؤ میں ملیں گے۔ اگر اچھا رہا تو انشاء اللہ کل صبح کی ریل میں لکھنؤ کا قصد ہے۔ سردست تو امین آباد پارک میں حاجی عبدالحق صاحب ایجنٹ گراموفون کمپنی کے مکان پر قیام کا قصد ہے پھر دیکھا جائے گا اگر زیادہ قیام ہوا۔ میں نے پرسٹیج کا ترجمہ وقار آپ کو لکھا اور اسی پر اطمینان ظاہر کیا۔ لیکن غور کے بعد معلوم ہوا کہ جہاں تک "دہائٹ مین" کے فقرے سے تعلق ہے وقار نہایت ٹھیک ہے۔ لیکن انگلش ریس کا پرسٹیج انڈیا میں وقار کے سنس میں بہت صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ہم کبھی کہتے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب کا حکام میں بہت وقار ہے اس سے رعب و سطوت کا مفہوم نہیں نکلتا۔ لہٰذا آپ کی سطوت قائم رہتی ہے رعب ہو یا سطوت رعب میں (INTENSITY) زیادہ ہے سطوت کے معنی حملے کے ہیں۔ لیکن رعب کا مفہوم بھی ہماری زبان میں تو ہے۔ خدا کرے آپ اچھے ہوں اگر میں لکھنؤ پہنچا اور آپ نہ ملے تو حسب ضرورت الٰہ آباد ہی خط بھیجئے گا۔

اکبر حسین

(۱۱)

الٰہ آباد۔ ۱۱ر اکتوبر ۱۳ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! میں ۷ر اکتوبر کو بخیریت الٰہ آباد پہنچ گیا لیکن طبیعت کو سکون و اطمینان نہیں ہے۔ نہیں معلوم اس وقت کیا پہلو اختیار کرنا چاہیئے کہ قوم و گورنمنٹ دونوں کی بدگمانی سے حفاظت ہو[1]۔ خدا ملک

---

[1] ترکی کے خلیفۃ المسلمین کے خلاف جنگ طرابلس اور جنگ بلقان جاری ہونے پر ہندی مسلمانوں میں محمد علی، ابوالکلام اور ظفر علی خاں کی قیادت میں برٹش گورنمنٹ کے خلاف پہلی بار سخت شورش پیدا کر دی اس سے گورنمنٹ سخت گیری پر تل گئی تھی اور مولانا شبلی اور اکبر سخت پریشان رہنے لگے تھے۔ (نظر ثانی)

پر رحم کرے۔ میں آپ صاحبوں کی مہمان نوازی و محبت و عنایت کا نہایت ممنون[1] ہوا۔ خدا نیک نامی کے ساتھ مدارج عالی کو پہنچائے۔ آپ کن علوم کے فرہنگ یکجا کر رہے ہیں اور ہر علم میں کس مصنف یا مصنفین کی تصنیفات کو پیش نظر رکھا ہے اگر جواب میں طوالت ہو تو جانے دیجئے۔ کچھ بات نہیں ہے۔ عزیزی مولوی عبدالمجید صاحب کی خدمت میں دعا و سلام۔

اکبر حسین

(۱۲)

۱۵ر اکتوبر ۱۳ء

عزیزم سلمہٗ۔ میں نے آپ کو حصہ دوم کلیات کا بھیج دیا۔ پہنچا یا نہیں؟ آپ نے اس کا ذکر نہیں لکھا۔ اپنے بھائی صاحب سے میرا سلام فرما دیجئے۔

دعاگو اکبر حسین

(۱۳)

الٰہ آباد۔ ۲۱ر اکتوبر ۱۳ء

عزیز المکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! ۳ر ستمبر کے پرچہ الہلال میں جو فہرست علوم کے نام کی شائع ہوئی ہے۔ کاش ہر ایک علم کے ساتھ اس علم کے دو ایک مسئلہ بھی لکھ دیئے جاتے تو یہ فہرست بہت مفید ہو جاتی۔ کیوں نہ صاحب مضمون سے درخواست کی جائے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ الہلال نے موعودہ مضمون شائع کر دیا ہے۔ کس تاریخ کے پرچہ میں شائع کیا ہے؟ اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں میرا سلام فرما دیجئے

آپ صاحبوں کا دعاگو و ترقی خواہ

اکبر حسین

---

[1] حضرت اکبر اس درمیان میں لکھنؤ تشریف لائے اور ایک آدھ وقت کا کھانا غریب خانہ پر تناول فرمایا۔

اپنی صحت و تندرستی کی طرف بہت توجہ رکھئے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ اس بحث کا کہ ایگو[1] ہمارے موجودہ جسم کا کاز[2] ہے یا افکٹ[3]۔ کیا قطعی فیصلہ ہوا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ سول[4] کی انڈویجوالٹی[5] اور اسکا پہلے سے موجود رہنا تسلیم نہیں کیا گیا۔ لیکن بلا انڈویجوالٹی کے مادہ حیات مانا گیا ہے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ بعد مرگ انڈویجول سول[6] قائم ہے یا نہیں۔ اگر ذہن میں ہو تو اشارۃً لکھئے گا ورنہ زحمت فضول ہے۔ آپ کو اپنے کام کی طرف توجہ کرنا چاہیئے جو سر دست پیش اور ضروری ہے۔

(۱۵)

الہ آباد۔ ۹ مئی ۱۴ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ لیکن ایڈریس بھول گیا۔ یہ کارڈ اگر آپ کو مل جائے تو اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے۔ پھر دوسرا خط لکھوں گا۔ اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں سلام فرماد یجیئے۔

نیاز مند ی۔ اکبر حسین

(۱۶)

۱۴ مئی ۱۴ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! مولوی شبلی صاحب سے یہ سن کر میں مطمئن

---

[1] (EGO) [2] (CAUSE) یعنی علت یا سبب

[3] (EFFECT) یعنی معلول یا نتیجہ [4] (SOUL) یعنی روح

[5] (INDIVIDUALITY) یعنی شخصیت یا انفرادیت

[6] (INDIVIDUAL SOUL) یعنی روح شخصی۔

ہوا تھا۔ کہ آپ ان کے کام میں باضابطہ مددگار ہو گئے ہیں[1]۔ آپ کی تعریف کرتے تھے۔ انشاء اللہ بمرور ایام آپ ہر طرح کا اطمینان اور ترقی حاصل کریں گے۔
الحمد للہ کہ آپ کا فلسفہ جذبات[2] مرتب و مکمل ہو گیا۔ میں آپ کو پھر خط لکھوں گا۔ اس وقت ایک امر دریافت طلب ہے اگر بلا زحمت ممکن ہو تو مطلع فرمائیے کتاب موسوم بہ منجد (عربی ڈکشنری) شاید وہاں ندوہ بکڈپو میں فروخت کے لئے موجود ہے۔ یہاں اس کی خواہش ہے۔ یہ دریافت طلب ہے کہ اس کی کیا قیمت ہے اور کس سے درخواست کرنی چاہیئے۔ اپنے بھائی صاحب سے میرا سلام زیادہ کیجیے۔

اکبر حسین۔

(۱۶)

الہ آباد۔ ۲۸ مئی ۱۹۱۴ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کا شکرگذار ہوں۔ مجھے میرے خطوں کے جواب مل گئے اور اطلاعیں حاصل ہو گئیں۔ کتاب جو آپ نے سعادت اور محبت اور قدر دانی سے بھیجی ہے۔ پہنچی[3] اور مجھ کو اپنا یہ شعر یاد آیا

کھلا دیوان مرا تو شور تحسیں بزم میں اٹھا
مگر سب ہو گئے خاموش جب مطبع کا بل آیا

لہذا بلا تکلف صرف کا منی آرڈر بھیجتا ہوں۔ قیمت سے کچھ تعلق نہیں۔ امید کہ آپ بلا عذر قبول فرمائیں گے۔ اور مجھ کو ممنون کریں گے۔ آپ کی محنت و توجہ

---

[1] مولانا نے مجھے سیرت نبوی کے سلسلہ میں انگریزی سے ترجموں کے لئے معاوضہ پر رکھ لیا تھا۔ ملاحظہ ہو خطوط شبلی کا ابتدائی حصہ۔

[2] میری پہلی کتاب تاہل ذکر۔ دو کتابچے اس کے قبل ازیں سے ۱۹۱۰ء میں شائع ہو چکے تھے۔

[3] وہی فلسفہ جذبات ہدیتہ ارسال خدمت کی گئی تھی۔

نہایت ستائش کے قابل ہے۔ اُردو زبان میں یہ بہت قیمتی علمی اضافہ ہے۔ خدا آپ کو علمی ترقیاں نصیب کرے۔ سخن دلکش بہت ہیں سخن سنجیدہ کے لئے بہت سمجھ چاہیئے۔ میرا ایک مطلع سُن لیجیئے ہے تو اور ہی رنگ۔ لیکن کچھ حظ حاصل کر سکیں گے۔

بہت دشوار ہے شائستۂ راہِ طلب ہونا
نظر کو حد میں رکھنا شوق دل کا باادب ہونا

گرمی نے بدحواس کر رکھا ہے ورنہ مطول خط لکھتا۔ انشاء اللہ پھر کبھی۔ اپنے بھائی صاحب کے حضور میں تسلیم عرض کر دیجیئے۔

آپ کا دعاگو۔ اکبر حسین

(۱۷)

الہ آباد۔ ۳۱ رمئی ۱۹۱۴ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! میں نے قیمت نہیں دی۔ عزت طبع میں گویا شرکت کی، کوئی بات نہیں۔ آپ نے کیوں ایسا خیال فرمایا[1]۔ آپ کو معلوم نہیں ہے[2]۔ آپ کے والد ماجد صاحب مرحوم میرے کیسے خاص عنایت فرما تھے مجھ کو تو آپ کا خادم اور دعاگو رہنا چاہیئے۔ قطع نظر اس کے فی الواقع آپکی محنت و توجہ اس کتاب کی تالیف بلکہ تصنیف میں مستحق اس بات کی ہے کہ انکی قدر کی جائے۔ امانت رہنے کی کیا ضرورت ہے[2]۔ اس رقم کی بساط ہی کیا

---

[1] میں نے لکھا تھا کہ "میں نے تو کتاب ہدیۃً پیش کی تھی۔ آپ نے قیمت ادا فرما کر سخت مجحوب کیا۔

[2] میں نے لکھا تھا کہ "آپ کی ناخوشی کے خوف سے رقم فوراً واپس نہیں کی۔ امانت رکھی ہوئی ہے۔ اجازت ہو تو اب واپس کر دوں"

ہے۔ اپنے دلی خلوص اور ہمدردی کو میرے لئے امانت رہنے دیجئے۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ واپس نہ کیا۔ میں ضرور سمجھتا کہ آپ نے ادب ملحوظ نہ رکھا۔ الحمد للہ کہ آپ عربی تحریر میں خط اقلیدس ہیں۔ بتائیے میں تناسخ گل ہیں۔ خدا روز افزوں ترقی نصیب کرے۔ میں نے کتاب فوراً جلد بندھنے کو دے دی۔ انشاء اللہ بغور دیکھوں گا۔ اشعار کی نسبت انشاء اللہ کبھی مل سکا تو گفتگو ہوگی۔

دعاگو اکبر حسین

(۱۸)

الہ آباد۔ ۱۴ر جون ۱۹۱۴ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! میرا خط پہنچا یا نہیں۔ جس میں میں نے آپ سے سنہ ہجری آپ کے والد صاحب مرحوم کے انتقال کا دریافت کیا ہے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں سلام فرما دیجئے۔ ایک اسٹیٹمنٹ آپ کی تعلیم اور تصنیفات کا لکھ لیا جائے تو اچھا ہے۔[۱]

آپ کا مشتاق دعاگو اکبر حسین

(۱۹)

الہ آباد۔ ۱ر ستمبر ۱۹۱۴ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ کی خیر و عافیت نہیں سُنی۔ اب کیا شغل رہتا ہے۔ آپ کی صحت کیسی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ دو ایک روز کو لکھنؤ آؤں۔ بعض صاحبوں سے ملوں اور زیادہ تر آپ کے ملنے سے سرور دل حاصل کروں۔ کیا لکھوں ایسے آلام اور مصائب روز افزوں میں مبتلا ہوں کہ

---

[۱] میں اب ایم اے کی تکمیل کا خیال ترک کر کے تلاش ملازمت شروع کر دی تھی۔ حضرت اکبر کا مشورہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہو۔

طبیعت بجھی ہوئی ہے۔ پھر وہاں قیام میں بھی بہت تکلف ہوتا ہے۔ میں صرف سادہ غذا کھا سکتا ہوں۔ اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیے۔

سید اکبر حسین

(٢٠)

الہ آباد۔ ٢٢ ستمبر ١٩١٤ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط نے مجھ کو مطمئن کیا تھا[1] اور دل تشکر گذار ہو گیا تھا۔ میں یکم اکتوبر کے بعد اثناء سفر کر سکوں گا۔ جناب محمد نسیم صاحب[2] بہت اصرار کر گئے تھے کہ آئیے ان کا خط آیا ہے کہ۔ میں تو ڈالی باغ میں رہتا ہوں۔ لیکن آپ کے لئے قیصر باغ والے مکان میں قیام مناسب ہوگا۔ مکان خالی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ زیادہ آرام آپ کو مولوی نہال الدین[3] صاحب کے یہاں ملے گا۔ اور وہ بہت شوق سے چاہتے ہیں کہ آپ ان کے مہمان ہوں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ بڑی مہربانی یہ ہوگی کہ اجازت دے دی جائے میں خود اپنا انتظام کر لوں۔ صرف جائے قیام کافی ہے۔ قیصر باغ میں ابھی اس خط کا جواب نہیں آیا۔ خیالات اور حوادث نے میرے دل کو ایسا کر دیا ہے کہ موجودہ سوسائٹی کا دیدن بنا نہیں چاہتا۔ کبر سے نہیں بلکہ اپنی ناتوانی کے سبب سے۔ افسردگی بھی مانع ہے۔ آپ کے طالبعلمانہ مذاق نے آپ کی طرف دل کھینچا اور آپ کی برادرانہ محبت نے۔ مقصود بھی یہی ہے کہ آپ سے ملوں اور دو ایک صاحبوں سے جن کو ذوق سخن ہے اور اظہار ارادت کر کے

---

[1] میں نے لکھا تھا کہ اب کے لکھنؤ تشریف لائیے غریب خانہ کو سرفراز کیجیے۔

[2] حاجی محمد نسیم صاحب بی اے لکھنؤ کے نامور ایڈوکیٹ

[3] خان بہادر مولوی حاجی نہال الدین مرحوم بیرسٹر رجسٹرار چیف کورٹ اودھ

ہیں اگرچہ آپ کی زحمت کا بھی خیال ہے۔ لیکن یہ کچھ بہت وسیع نہیں ہو سکتا۔ آپ کب باہر تشریف لے جائیں گے۔ درباب ملازمت کے آپ کے خیال سے اتفاق کرتا ہوں[1]۔ انشاء اللہ ملاقات ہوگی تو مفصل طور پر گفتگو ہوگی۔

دعاگو۔ اکبر حسین

(۲۱)

الہ آباد۔ ۵/ اکتوبر ۱۴ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ! یکم اکتوبر نے آپ کو میرا منتظر کر دیا ہوگا۔ ایسے اسباب جمع ہو گئے اور جمع ہوتے جاتے ہیں کہ میں ہنوز سفر کو اٹھ نہ سکا۔ نہ تاریخ معین کر سکتا ہوں۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ ہفتے عشرے طبیعت بہت نادرست رہی۔ اب تک مطمئن نہیں ہوں۔ ایک صاحب نے دہلی سے ۲۴؍ کو تشریف آوری کی اطلاع دی ہے۔ دیکھئے کیا انتظام کر سکتا ہوں۔ بہر حال جب آ سکا۔ حاضر ہوں گا۔ آپ سے تکلف ہی کیا ہے۔ دہلی سے مراسلت کا منتظر ہوں۔ اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں میرا سلام فرما دیجئے۔

دعاگو اکبر حسین

(۲۲)

۱۴ ۹/۱۰ بریا وال ضلع پرتاب گڑھ

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ!

میں انشاء اللہ کل گیارہ بجے لکھنؤ پہنچوں گا۔ اس وقت آپ کو کسی زحمت کی ضرورت نہیں۔ بجز اس کے کہ سایہ میں ایک بستر مل جائے۔ کھانا

---

[1] ایم اے کی تکمیل کا خیال چھوڑ کر اب میں ملازمت کی فکر میں تھا۔ پیش نظر خصوصیت کے ساتھ صرف تعلیمی عہدے تھے مکتوب نمبر ۱۹ میں بھی صرف اس طرف اشارہ ہے نیز آئندہ مکتوب نمبر ۲۷ میں۔

راہ میں کھالوں۔ دعاگو اکبر حسین

(۲۳)

الہ آباد۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۴ء

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ایک ہفتہ سے نزلہ اور درد سر وغیرہ میں مبتلا تھا۔ اب کچھ افاقہ ہے۔ تعجب ہے کہ میرا پہلا خط نہ پہنچا۔ آپ کے بعض فقرات مندرجہ خط طلب تاریخ کی داد دی تھی۔ تاریخ گوئی میں عدم مہارت کا حال لکھا تھا۔ لطیفے کے طور پر ایک تاریخ آپ کے حضرت والد مرحوم کی اس وقت ذہن میں آئی۔

پیشوائے قوم والا مرتبت — شیخ عبد القادر عالی صفات[1]
آخرت ہی پر نظر رکھتے تھے وہ — سمجھے تھے دنیائے دوں کو بے ثبات
جاہ و منصب میں وہ گو ممتاز تھے — کرتے تھے یاد خدا دن ہو کہ رات
ان کے ذکر و شغل کا تھا یہ اثر — شغل ہی میں نکلی تاریخ وفات

۱۳۳۰	لفظ شغل صوفیہ کے
ش ۳۰۰	عمدہ اور اہم الفاظ
غ ۱۰۰۰	میں سے ہے۔
ل ۳۰	

مجھے یاد نہ رہا کہ حضرت مرحوم کہاں دفن ہوئے۔

اخیر مصرع میں لفظ شغل نے بہ اعتبار کل مصرع کے معنی کے جگہ خوب پائی ہے پھر فکر کروں گا۔ لیکن یہ ایک نہایت لطیف و مختصر پاکیزہ اور مقدس مادہ ہے۔ آپ کے بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم

اکبر حسین

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

(۲۴)

الہ آباد۔ ۴؍ستمبر ۱۴ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے۔ کیا شغل رہتا ہے۔ آپ سے ملنے کو اکثر دل چاہتا ہے۔ اکبر حسین

(۲۵)

الہ آباد۔ ۸؍ستمبر ۱۴ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! مجھ کو حیرت ہوئی کہ آپ ایسے شعر کہہ سکتے ہیں[1] جو رنگِ سخن ظاہر ہوتا ہے۔ وہ بہت پختہ ہے۔ کیا کہنا چاہیئے، اور کیونکر کہنا چاہیئے۔ اول میں کوئی جگہ اعتراض کی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی تقلید مناسب ہے۔ دوم میں البتہ کہیں کہیں کچھ اصلاح کی ضرورت ہے بہر کیف میں آپ کی غزل دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ شعر تو ہر اعتبار سے سانچے میں ڈھلا!

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) مولوی حاجی محمد عبد القادر صاحب۔ ڈپٹی کلکٹری سے پنشن لی۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء مطابق شوال ۱۳۳۰ھ میں حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ادھر ارکانِ حج سے فراغت پائی ہی تھی اور ابھی منیٰ میں تھے کہ ۱۱-۱۲ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں ہیضہ میں مبتلا ہوئے مکہ معظمہ لائے گئے۔ علاج کی ہر امکانی کوشش کی گئی: جمعہ ۱۴؍ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کو صبح تڑکے عین نماز فجر کے وقت گناہوں سے دُھلے دھلائے لبیک کہتے کہتے داعی اجل کو بھی لبیک کہہ گزرے۔ جنت المعلیٰ میں عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق کے پائیں میں جگہ پائی

---

[1] سنہ ۱۲ء سے میرا دورِ غزل گوئی شروع ہوتا ہے۔ شادی سے دو سال قبل شروع ہوا اور شادی کے ڈیڑھ دو سال بعد تک رہا۔ پہلی غزل "زادیاں نہ گئیں" کی زمین میں تھی۔ یہی غزل اصلاح کے لئے حضرت اکبر کی خدمت میں روانہ کی ہے۔ حالانکہ طبیعت پر رنگ حضرت موہانی کا غالب تھا۔

ہوا ہے۔

رہی ہر چند عقل صبر آموز نہ گئیں بیقراریاں نہ گئیں

کیا خوب کہا ہے۔ آپ انشاء اللہ بڑی باطنی ترقیاں حاصل کریں گے۔ دو دن سے طبیعت اچھی نہیں۔ نزلے میں مبتلا ہوں۔ زیادہ نہ لکھ سکا۔

دعاگو اکبر حسین

کبھی دل چاہے تو دو ایک دن کے لئے چلے آیئے۔ آپ تو طالبعلمانہ حالت میں ہیں اور میرے عزیز ہیں۔ سفر کا بل میرے ذمہ

(۲۶)

الہ آباد۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۴ء

ڈیر فرینڈ۔ اگر بالکل ہی قابل اعتراض نہ ہو تو میری رائے میں اس وقت بلا لحاظ قلت معاوضہ کے کوئی خدمت قبول کر لیجئے۔ فائدہ یہ ہوگا کہ آپکی قابلیت سے واقفیت ہوگی۔ اور ایک حق دعویٰ باضابطہ پیدا ہو جائے گا۔ عمل اور اظہار عمل کے لئے ایک اچھا پوزیشن ہاتھ آئے گا۔ موجودہ سکریٹری صاحب[1] کا زمانہ بھی غنیمت ہے۔ اور یوں تو ہم ہیں اور دنیا ہے۔ میں اس وقت سخت نزلہ میں مبتلا ہوں۔ بات کرنا دشوار ہے۔ آئندہ پھر کچھ لکھوں گا۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔

اکبر حسین

(۲۷)

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ۔ سید افتخار حسین صاحب نے بخوشی اجازت

---

[1] یعنی چیف سکریٹری گورنمنٹ مسٹر رچرڈ برن سی۔ ای آئی چیف سکریٹری کے ہاتھ میں اس وقت سب ہی کچھ تھا اور مسٹر برن اردو فارسی کے شائق اور ہم لوگوں پر مہربان بھی تھے۔

نہیں دی[1] ۔ لیکن میں بہت خوش ہوا کہ انھوں نے اجازت دے دی۔ انشاء اللہ حاضر ہوں گا۔ لیکن براہِ کرم تکلف کو دخل نہ دیا جائے۔ میں سادہ غذا شوربا چپاتی کھاتا ہوں اور وہ بھی بہت کم۔ سفر میں اور بھی ڈرتا ہوں۔ میں قصد کروں گا کہ نماز مغرب وہیں پڑھوں۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو بہرکیف ۷ بجے تک حاضر ہوں گا۔ شب کو بہ سبب شکایت چشم نقل و حرکت میں تکلف ہوتا ہے۔ دعوت میں کہیں نہیں جاتا۔ لیکن آپ کے یہاں غذائے روحانی کی طمع شوق سے پہنچائے گی۔ اگر آپ کا ایک آدمی رہبری کو اس وقت آ جائے تو بہتر ہے۔ یعنی بعد مغرب۔ اکبر حسین

(۲۸)

الہ آباد۔ ۵ / جنوری ۱۵ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی غزل دیکھ کر کم تعجب ہوا اور زیادہ خوشی ہوئی[2]۔ تعجب اس بات کا ابتدا ہی میں ایسے کھرے شعر آپ کہنے لگے تعجب میں کمی اس لئے کہ اچھی خطرتی سمجھ اور علم نے آپ کی طبیعت کو معنی کا عمدہ سانچا بنا دیا ہے۔ نقص و زیادت کو دخل نہیں۔ خوشی اس بات کی کہ ان خیالات کو میں نے پسند کیا۔ طریقہ اظہار بھی خوب ہے۔ شاعری۔ پالیٹکس۔ اخلاق۔ عملی فلسفہ سب کی جھلک ہے رکاکت سے خالی۔

اہلِ دنیا بھی ۔ الخ خوب ہے نہایت صحیح و بامعنی ہے

غالب زبان و شوق ۔ الخ بہت ہی بلیغ ہے۔

---

[1] یہ ہنسی کی دعوت ہے۔ اکبر صاحب لکھنؤ آئے ہوئے تھے اور سید افتخار حسین صاحب کا کوروی بی۔ اے ڈپٹی مجسٹریٹ کے ہاں قیصر باغ میں مقیم تھے۔ میں نے شام کے کھانے پر حضرت اکبر کو مدعو کیا۔

[2] یہ دوسری غزل "تسخیر کر چلے" "تدبیر کر چلے" کی زمین میں کہہ کر حضرت اکبر کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کی تھی۔

یہ کیا ہوا۔ الخ اس میں بھی معلوم سے نامعلوم کی طرف کیا لطیف صعود ہے۔
حیراں ہوں ۔ الخ : جد آفریں شعر ہے۔ میرے دل کو بھی اس آہ میں کیا بلاغت ہے۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ الغرض سب شعر کم و بیش اچھے ہیں۔ اب رہی زبان وطرز بیان۔ اس میں کوئی نقص نہیں۔ البتہ افزائش حسن کی گنجائش ہے۔ طبیعت کا نشوونما خود اس کو پیدا کرلے گا۔ جب عالم معنی کے استغراق سے طبیعت آسودہ و بے فکر ہو کر حسن صورت کا مذاق پیدا کرے گی۔ تحریر میں ان اشارات سے زیادہ اس وقت میری قوت سے باہر ہے۔ بہرکیف آپ کو داد دیتا ہوں۔ سبحان اللہ کہتا ہوں۔ ترقی عمر و اطمینان کی دعا کرتا ہوں۔ میں عجیب تردّدات میں رہا اور ہوں کبھی ملاتو کچھ کہوں گا۔ ارادہ لکھنؤ کا ہو رہا ہے۔ آیا تو ملاقات ہوگی۔ معلوم نہیں آپ کے کیا شاغل ہیں۔ علی گڈھ کا کیا ہوا؟ اکبر حسین۔

(۲۹)

$\frac{9}{2}$ ۱۵ عنایت فرمائے من۔ جب آپ اپنے آپ کو اس فرض کے انجام دینے کے قابل سمجھتے ہیں تو یہ سند کافی ہے[1]۔ میں آپ کے خط کو ڈاکٹر کو خط کو اقبال صاحب کے پاس بھیجتا ہوں۔ اگر کوئی دوسری تجویز پیش نظر نہ ہوئی تو ڈاکٹر صاحب غالباً لحاظ فرمائیں گے۔ خواجہ[2] صاحب تو آپ کا ذکر بہت تخصیص کے ساتھ کرتے تھے۔ میں اس وقت نہایت غیر معمولی تردّدات میں مبتلا ہوں۔ خدا اطمینان نصیب کرے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔

نیازمند اکبر حسین

---

[1] پنجاب یونیورسٹی میں اردو لکچرار کی جگہ قائم ہوئی تھی۔ میں اس خیال خام میں مبتلا ہوا کہ اس کے لئے کوشش کی جائے۔

[2] یعنی خواجہ حسن نظامی دہلوی

(۳۰)

الہ آباد۔ ۱۱ فروری ۱۵ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں نے اسی وقت ایک طویل تحریر کے ساتھ جس میں مختصراً آپ کے اوصاف مندرج تھے۔ مع آپ کے خط کے ڈاکٹر اقبال صاحب کو بھیج دیا۔ تاکہ وہ آپ کی پاکیزہ اور ستھری زبان اردو کو خود دیکھ لیں میں ان غیر معمولی تردّدات کے سبب سے جو بعض حاسدوں نے پیدا کر دئے ہیں نہ صرف کسی قدر اندیشہ ناک بلکہ مغموم و افسردہ بھی ہوں کہ کیا پوزیشن لے کر عام ہستی میں آیا ہوں خیر جو کچھ ہو ؎

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
نکو بن دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

اکبر حسین

(۳۱)

۱۵ فروری ۱۵ء

حبیبی عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ڈاکٹر اقبال صاحب کا خط بجنسہ ارسال خدمت ہے۔ کاش آپ ان سے ملاقات مراسلت ہو جاتی یہ سنا ہوں کہ نواب محمد اسحٰق صاحب نے سکریٹری شپ[1] سے استعفیٰ دے دیا۔ کیا عجب ہے کہ بہ لحاظ حالات مجبوری مجھ کو لکھنؤ آنا پڑے۔ ہز آنر[2] کو سلام کے لئے اگر آیا تو بڑی خوشی ہو گی کہ آپ سے ملوں گا۔

اکبر حسین

---

[1] یعنی علی گڈھ کالج کی سکریٹری شپ سے

[2] ہز آنر۔ یعنی صوبہ متحدہ کے لفٹنٹ گورنر

(۳۲)

الہ آباد۔ ۷ ؍ فروری ۱۵ء

عنایت فرمائے مخلصاں دام الطافکم۔ میں خود آپ کا ممنون ہوں کہ ان تحریکوں میں آپ مجھ کو اپنا محب اور نیاز مند یقین کرتے ہیں۔ میں نے مدت سے اور بالخصوص ریٹائر ہونے کے بعد علالت اور بے تعلقی اور افسردہ دلی کے سبب سے حکام سے ملنا اور تمام پبلک جلسوں میں جانا ترک کر رکھا ہے۔ لیکن اس وقت بعض اعزہ و احباب کے نزدیک بلحاظ میرے حالات کے اس کنارہ کشی کی کچھ غلط تعبیر ہو سکتی ہے۔ سنا گیا کہ ہز آنر نے کبھی یاد فرمایا تھا۔ لہٰذا خیال یہ ہے کہ ان سے لکھنؤ میں مل لوں۔ اگر یہ عزم پختہ ہو گیا تو انشاء اللہ بشرط زندگی و توانائی ۲۰ ؍ فروری کے بعد کسی تاریخ غالباً فروری ہی میں لکھنؤ آؤں۔ حاجی عبدالحق صاحب کے ہاں امین آباد پارک میں ٹھہرنے کا قصد ہے۔ آمد و رفت میں آسانی ہوتی ہے اگر آیا تو آپ کو مطلع کروں گا۔ انشاء اللہ۔

دعاگو۔ اکبر حسین

(۳۳)

جونپور۔ ۲۱ ؍ مارچ ۱۵ء

عزیز محترم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت اقبال صاحب کا خط آیا ہے۔ یہ فقرہ اسی میں ہے "عبدالماجد صاحب کی نسبت رجسٹرار یونیورسٹی کو لکھا ہے۔ دیکھئے سنڈیکیٹ اور دہ لکچر شپ کا کیا فیصلہ کرتی ہے" اطلاعاً لکھتا ہوں۔ میں عجب غیر معمولی حالتوں میں رہا اور ہوں۔ لکھنؤ آنا ہوا تو انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم گذارش کر دیجئے۔ شوق ملاقات۔

نیاز مند۔ اکبر حسین بنگلہ سید عشرت حسین ڈپٹی کلکٹر۔

(۳۴)

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں انشاء اللہ آج سہ پہر کو لکھنؤ پہنچکر امین آباد پارک نمبر ۳۶ میں حاجی عبدالحق صاحب کے یہاں ٹھہروں گا اگرچہ بعد اس کے شاید قیصر باغ چلا جاؤں۔ ممکن ہے کہ شب کو آپ سے ملاقات ہو۔ حضرت عزیز[۱] کو بھی مطلع فرمادیجئے۔

اکبر حسین

(۳۵)

امین آباد پارک نمبر ۳۲ بالاخانہ۔ یکم اپریل سہ پہر

مجی زاد لطفہٗ۔ کل توانائی تھی۔ کہ ملنے کا قصد کرتا۔ آج ۱۰ بجے صبح کو نہ آپ مکان پر تھے نہ بھائی صاحب۔ واپس آیا۔ آپ کس وقت مکان پر رہتے ہیں۔ کل صبح اگر اٹھ سکا تو پھر انشاء اللہ حاضری کا قصد کروں گا۔[۲]

اکبر حسین

(۳۶)

۲ر اپریل سنہ۱۹ء۔

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ نہ حاضر ہو سکنے کا افسوس ہے۔ کیا کرتا نہایت ہی اضمحلال تھا۔ رات بھر بے چین رہا۔ چار بجے صبح آنکھ کھلی۔ ساڑھے چھ بجے اُٹھ سکا۔ اب زکام کے جاری ہونے کے کچھ آثار پیدا ہوئے۔ ارادہ تو یہ ہے کہ آج شب کو الہ آباد چلا جاؤں۔ ڈیرہ دون کا انتظام وہیں سے کروں گا۔ اگر قابل اطمینان انتظام ہوگا تو چلا جاؤں گا۔ ورنہ برسر فرزند آدم ہرچہ آید بگذرد۔ اس خیال سے کہ شاید آپ سے ملاقات نہ ہو یہ کارڈ لکھ دیا۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ اکبر حسین۔

---

[۱] یعنی لکھنؤ کے مشہور شاعر مرزا محمد ہادی عزیز صاحب "گلکدہ"

[۲] نمبر ۳۶-۳۷ دونوں دستی رقعے ہیں۔

(۳۷)

$\frac{۲}{۹}$ ۱۵ عزیزی وحیدی سلمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ کیسے ہیں۔ کس شغل میں ہیں۔ دل گھبرایا۔ آپ کی یاد آئی۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ دعاگو

اکبر حسین

(۳۸)

الہ آباد $\frac{۶}{۸}$ ۱۵

اپنے عزیز فلاسفر دوست کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اپنی خیریت لکھئے۔ کیا شاغل ہیں۔ میری تندرستی بہت خراب ہے۔ دنیا کے حالات سے کوئی دل خوش کن اور مطمئن کرنے والا نتیجہ نہیں نکلتا۔ بجز اس کے کہ فلسفۂ قدیم سے کچھ مدد لی جائے۔ معلوم نہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ میرا ایک شعر ہے۔ ؎

دنیا میں جسے جو پیش آیا۔ ایکریس اس کے مطابق اس کی حالت بھی ہوئی۔ حالات میں خیالات اور میلانِ طبع کو داخل سمجھئے۔ پازیٹو سائنس[1] مشغولی کے لئے خوب ہے۔ لیکن ہمارے حصہ ہی میں نہیں آیا۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ ان کی خیریت لکھئے۔ آپ کی شادی کب ہوگی

اکبر حسین

(۳۹)

عزیزی وحیدی۔ جواب خط پھر لکھوں گا۔ اس وقت آپ کا کارڈ دیکھکر آپ کے دیدار کی یہ بے ساختہ ماشاء اللہ چشم بد دور کہتا ہوں۔ اول تو یہ کہ وہ مسئلہ فلسفہ آپکے ذہن میں تھا۔ دوسرے (اور یہ بڑی بات ہے) یہ کہ آپ نے آپ کے ذہن نے میرے شعر کو فوراً اس فلسفہ کے مطابق کرلیا۔ جب میں نے یہ شعر کہا تھا۔ اس وقت یہ معلوم نہ

---

[1] POSITIVE SCIENCE

کہ ابتداءً ایک یونانی فلاسفر نے یہ مسئلہ بیان کیا تھا۔ اسی طرح جب میں نے یہ شعر کہا۔ ؎

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

اور جس کی داد ڈاکٹر اقبال صاحب نے دی۔ اس وقت تک مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہیگل[1] نے اس خیال کو وسعت دی ہے۔ لیکن فلسفہ بے کیا۔ نتیجہ غور و فکر کا۔ آپ نے صفائی بیان کی مجھ کو داد دی ہے۔ میں اس سے خوش ہوا۔ لیکن یہ صفائی بیان غالباً بلکہ یقیناً اس سبب سے آئی کہ میرا اوریجنل خیال ہے۔ اگر تقلید و ترجمہ کا سانچہ اس کو پیدا کرتا تو بے تکلفی نہ ہوتی۔ اگرچہ میں صفائی بیان کو جہاں تک ممکن ہو اور تمام حالات پر مقدم سمجھتا ہوں۔ خیال انتخاب جو آپکے ذہن میں گذرا ہے۔ نہایت اچھا ہے۔ مفید ہے۔ ہر پہلو سے فلسفے کے لئے آپ سے بہتر کوئی انتخاب کرنے والا میرے لئے نہیں ہے۔ ملاقات ہوگی (بشرط زندگی) تو مفصل گفتگو ہوگی۔ لیکن آپ نوٹس شروع کر سکتے ہیں۔ حصہ سوم جو غیر طبع ہے وہ بھی ہونا چاہیئے۔ التوائے شادی سے میں خوش نہ ہوا۔ خدا آپ کو جلد خانہ آباد کرے زمانہ مساعدت کرے تو آپ مشاہیر سلف کے برابر ہو سکتے ہیں۔ بہرکیف آپ کا نور باطن آپ کے سرمد کے لئے کیا کم ہے۔ دعاگوئے شما "اکبر"

(۴۰)

الہ آباد ۱۹/۴

زیب انجمن علم و دانش سلمہ اللہ تعالیٰ تسلیمات۔ دو دراز دل ہیں۔ اسی

---

[1] (HEGEL) جرمنی کا ایک مشہور فلسفی

[2] (ORIGINAL) طبعزاد

[3] میں نے لکھا ہو کہ آپ کے کلام کے فلسفیانہ حصہ کا الگ انتخاب ہو جانا چاہیئے۔

سبب سے خط نہ لکھ سکا تھا۔ معلوم نہیں۔ لکھنؤ میں عید کس دن ہوئی۔ یہاں تو بروز
شنبہ عید ہوئی۔ حضرت عزیز بہت خوب فرماتے ہیں۔ آپ کا خیال صحیح ہے۔
ان کی طبیعت میں بہت وسعت ہے۔ آپ سے ملنے کا آرزومند

اکبر حسین

کیوں نہ ایک دو دن کو تشریف لائیے۔ حضرت عزیز کو بھی ساتھ لیجیے۔ بھائی صاحب
کو تسلیم۔

حاجی عبدالحق صاحب سوداگر کوچن کے یہاں میں امین آباد پارک میں
ٹھہرا تھا۔ میں نے کئی خط لکھے جواب نہ آیا۔ اگر زحمت نہ ہو تو دریافت
فرمائیے۔ خیریت مطلوب ہے۔ شاید ۳۲ نمبر مکان کا ہے۔

(۶۱)

جونپور، ۱۰ ستمبر ۱۹۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے پچھلے عنایت نامہ میں تحریر کیا تھا کہ حصہ
سوم کب چھپے گا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ زمانہ کی نزاکت اور غلط فہمیوں اور بدگمانیوں
کے طوفان نے اطمینان کو درہم برہم کر دیا ہے۔ اس زمانہ میں زیادہ علیل
رہا اور علیل ہوں۔ زندگی کا کسی کو اعتبار نہیں اور میں تو اس عمر ان آلام ان
زدات کے ساتھ ہر نفس کو نفس واپسیں سمجھتا ہوں۔ عشرت کے اصرار سے یہاں
چلا آیا ہوں۔ آج صبح طبیعت ایسی بگڑی کہ میں وقتِ آخر سمجھا۔ ارادہ کر رہا تھا
کہ لکھنؤ آؤں۔ لیکن ایسی حالت میں جراءت نہیں ہوتی۔ شاید دو تین دن میں
الہ آباد واپس جاؤں۔ دو نئی تصنیفیں نظر سے گذریں۔ ایک حارج الدین مصنفہ
مولوی نواب علی صاحب ایم اے بڑودہ کالج جس میں سائنس و فلسفہ پر ریڈیکل کے
مصنف نے مذہب کی حمایت کی ہے۔ دوسری مثنوی اسرار خودی مصنفہ ڈاکٹر

اقبال صاحب جس میں مصنف نے کہا ہے کہ اپنی خودی کو مٹانے والا فلسفہ جس کا مشرق پر بہت اثر ہوا۔ صحیح نہیں ہے۔ خودی کو بڑھانا چاہیئے۔ ندوۃ کی کتابیں آپ کے ملاحظہ کے قابل ہیں۔ مثنوی کی نسبت تو کچھ زیادہ نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ مذہبی اور قومی جوش پر مبنی ہے۔ اشعار نہایت اچھے ہیں۔

ہست در ہر گوشۂ ویرانہ رقص   می کند دیوانہ با دیوانہ رقص

یہ خود ہی مستی اور تصوف ہے۔ دیباچے میں پولٹیکل دانش مندی بھی ہے۔ البتہ معارج الدین بہت غور کے لائق ہے۔ اگر آپ ریویو کریں تو بہت کچھ اضافہ ہو جائے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔

اگرچہ اکثر اوقات طبیعت اس قدر افسردہ ہو جاتی ہے کہ نہ آنکھ کھولنے کو جی چاہتا ہے۔ نہ دل پر دروازۂ خیال۔ لیکن پھر بھی حسب عادت کبھی ان مباحث کو دل چسپ پاتا ہوں۔ آپ کا مشتاق رہتا ہوں۔ کیوں نہ دو چار دن کو الہ آباد آیئے۔ آپ کا دماغ سائنٹیفک اور آپ کا دل ملائم اور لطیف۔ اس سبب سے میں آپ کو بہت زیادہ دعوت کا مستحق سمجھتا ہوں۔ شعر و سخن کا کیا حال ہے۔ آپ کی غزلیں بہت خوب تھیں۔ خطیب دہلی میں کسی صاحب نے میرے اشعار پر ایک بڑا ریویو شروع کیا ہے۔ بہت مدح کی ہے۔ لیکن میں اس کو غیر ضروری بلکہ مضر سمجھتا ہوں۔ لکھنؤ کے سیلاب کا حال سن کر بہت افسوس ہوا۔ اپنی اور اعزہ کی خیریت سے مطلع فرمایئے۔ الہ آباد کے پتہ سے لکھیئے۔ اگر میں نہ گیا تو مجھ کو پہنچ جائے گا۔ حضرت عزیز کو بہت بہت سلام شوق۔ "اکبر"

(۴۲)

الہ آباد۔ ۲۲ر اکتوبر ۱۵ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ پرسوں ایسا مضمحل تھا کہ نماز عید کو بھی نہ جا سکا

ہفتے عشرے میں جونپور یا شاید اور کہیں چلے جانے کا قصد ہے۔ آپ سے مل کر مسرت ہوگی۔ خدا آپ کو فائز المرام کرے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔

اکبر حسین

(۴۳)

الہ آباد۔ ۲۳؍ اکتوبر ۱۵ء۔

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! اگرچہ میں جونپور جانے والا ہوں۔ لیکن آپ کا منتظر رہوں گا۔ وہاں مجھے کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ ابدی صاحب ہوں گے۔ آپ سے محظوظ ہوں گا۔ ان سے مرعوب کیونکہ وہ ماسٹر صاحب ہیں اور میں طالب علم۔ وہ سلسلۂ نظامیہ میں مرید ہوئے تھے لیکن اب تو سلسلۂ بسنٹیہ میں داخل ہیں[1]۔ خیر یہ سب لطائف ہیں۔ وہ بھی میرے عنایت فرما ہیں۔ مجھ کو امراض لاحقہ کی تکلیف کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ رہائی کے دن قریب ہیں۔ شیعہ کانفرنس کی دھوم دھام رہی۔ حضرت عزیز ایک دن مدعو تھے[2]۔ لطف مکالمت و مجالست رہا۔ میرے اس شعر کو انھوں نے بہت پسند کیا ع

وہی نگاہ جو رکھتی ہے مست رندوں کو
غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے

---

[1] مسز اینی بسنٹ کے پیرو یعنی تھیاسوفسٹ۔ مراد محمد حفیظ سید ہیں۔ "ابدی" کا خطاب انھیں خواجہ حسن نظامی نے دیا تھا۔ بعد کو پی ایچ ڈی ہو کر الہ آباد یونیورسٹی میں اردو کے استاد ہو گئے۔ (نظر ثانی)

[2] عزیز لکھنوی مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ شیعہ کانفرنس کے اجلاس میں شریک ہونے الہ آباد گئے تھے۔ اس وقت ایک اسکول ٹیچر تھے۔

بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ ابدی صاحب تو کانپور میں ہوں گے۔[۱]

دعاگو خیر۔ اکبر حسین

(۴۴)

الہ آباد ۲۸/۱ ۱۵ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس خیال سے مایوسی ہوتی ہے کہ اگر برن نے کہیں اور ملنے کا وعدہ کیا۔ تو آپ تشریف لائیں گے میں تو اصرار کروں گا۔ کہ دو چار دن کو تشریف لائیے۔ برن صاحب نہ سہی۔ ابدی صاحب ساتھ ہوں گے۔ دل بھی نہ گھبرائے گا تبادلہ خیالات سے بار دل اترے گا۔ اگرچہ آپ اس کے محتاج نہیں ہیں لیکن میں بہ سبب اپنے ضعف کے روز بروز مشکل پسند اور سوسائٹی سے یکسو ہوتا جاتا ہوں اور ہونا بھی چاہیئے آپ کے کھلنے کے یہ دن ہیں مرے مرجھانے کے۔

دعاگو اکبر حسین

(۴۵)

الہ آباد۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۵ء (ترجمہ تار)

آپ اسٹیشن سے سیدھے میرے ہی ہاں آیئے اور کوئی ساتھی آپ کے ہوں تو انھیں بھی لائیے۔ اکبر حسین

(۴۶)

۱۶/۱/۶ الہ آباد۔

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بے ضرورت خط لکھنا وقت ضائع کرنا ہے

---

[۱] اپنی تلاش ملازمت کے سلسلہ میں مسٹر برن چیف سکریٹری سے ملنے الہ آباد جانے والا تھا۔

اور آپ کا وقت قیمتی ہے۔ لیکن ڈرتا ہوں کہ آپ خفا تو نہیں ہیں اور اس سبب سے لکھنؤ پہنچ کر آج تک یاد نہ فرمایا[1]۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ حضرت عزیز صاحب کی یادآوری کا ممنون ہوں۔

اکبر حسین

(۴۷)

الٰہ آباد ۴ / فروری سنہ ۱۶ء

ڈیر ماجد صاحب۔ خوش رہیئے۔ فلسفہ اجتماع کا شکرگذار ہوں[2] جب ملاقات ہوگی تو اس کی نسبت کچھ کہوں گا۔ آخری فقرے خوب ہیں[3]۔ انکو دیکھ کر میں نے مطلع یہ کہا ؎

زباں پہ کیا ہو تری حمد اور ثنا کے سوا
مجھے تو کچھ نظر آتا نہیں فنا کے سوا

حسن نظامی صاحب نے لکھا ہے کہ اس رسالے میں آیات قرآنی دیکھ کر میں خوش ہوا۔ میں نے لکھا کہ خدا آپ کی خوشی کو زندہ رکھے۔ آپ کی اور خواجہ صاحب کی باہمی محبت خداداد نعمت ہے۔ بڑھتی رہے تو اچھا ہے۔ قرب شادی میں فلسفہ اجتماع کی تصنیف بہت موزوں ہے[4]۔ آپ کی واقفیت مصنفین یورپ

---

[1] شروع نومبر میں حضرت اکبر کا مہمان رہ کر میں لکھنؤ واپس آگیا اور پھر عرصہ تک کوئی عریضہ بھیجنے کی نوبت نہ آئی۔ اس پر شروع جنوری میں یہ والا نامہ اور ایک لطیف پیرایہ میں یہ شکایت نامہ ملا۔

[2] شروع فروری میں میری دوسری کتاب فلسفہ اجتماع کے نام سے نکلی تھی۔

[3] کتاب ملحدانہ فلسفہ کے رنگ میں تھی۔ لیکن بالکل آخر میں یہ مضمون درج تھا کہ تحفظ و بقاء سلطنت کی ساری تدبیروں کے بعد بھی بالآخر فنا ہر بڑے سے بڑے لیڈر کو ہے بقاء و ثبات کسی کو بھی نہیں۔

[4] میری شادی اس سے دو ہی چار مہینہ بعد ۲ جون سنہ ۱۶ء کو ہوئی۔

سے بہت ہے۔ لیکن میں آپ کی اوریجنلیٹی[1] کو اصل چیز سمجھتا ہوں۔ آپ کی کیا بلکہ سب کی۔ شادی کہاں ہوگی۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ آپ کی محنت کا معاوضہ کیا ملا۔[2]

دعاگو۔ اکبر حسین

(۴۸)

الہ آباد۔ ۹ فروری سنہ ۱۶ء

عنایت فرمائے من زاد لطفہ، رسول ابدی صاحب اپنے چند معزز تعلیم یافتہ دوستوں کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ چند اشعار لکھ لئے گئے۔ آپ کا پیغام سن کر میں نے کہہ دیا کہ جواب بھیج چکا ہوں۔ البتہ آپ کے اشعار کی نسبت لکھنا بھول گیا کہ نہایت معنی خیز بامزہ ہیں۔ لیکن آپ کو غزل کہنا چاہیئے۔ جیسی غزلیں آپ نے پہلے کہی تھیں۔ آپ نے مضمون فنا پر خوب خاتمہ کیا ہے۔[3] یہ رنگ عبدیت خوب ہے۔ اللہ آپ کو اطمینان دے۔ امید ہے کہ سیدھی سمجھ بہت بلندی پر پہنچائے لیکن مشکل ہے کہ سیدھی سمجھ کی تعریف نہ توضیح کرسکوں۔

فلسفہ اجتماع کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے؟ یعنی لفظ اجتماع کا۔ شیعہ[4] کالج کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔

آپ کے ملنے کا مشتاق

اکبر حسین

---

[1] (ORIGINALITY) یعنی جدت۔ اجتہاد

[2] یعنی کتاب فلسفہ اجتماع کا معاوضہ انجمن ترقی اردو سے (نظر ثانی)

[3] اسی کتاب فلسفہ اجتماع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[4] شیعہ کالج نیا نیا اس زمانہ میں لکھنؤ میں بنا تھا۔ اکبر کی رائے ان کے اس برجستہ شعر سے ظاہر ہو رہی ہے۔

• سید صاحب کو عذر کیوں ہونے لگا — کالج ہے یہ کچھ امام باڑہ تو نہیں

(٤٩)

الہ آباد ۔ ۹ فروری سنہ ۱۶ء

الطاف زمانہ اکبر ۔ میں نے ہنوز آپ کی کتاب فلسفہ اجتماع کو نہیں
پڑھا۔ صرف شروع میں چند صفحے دیکھے تھے ۔ اور آخر کے دو ایک صفحہ ۔ اس وقت
اتفاقاً اور چند مقامات سرسری طور پر نظر سے گذرے ۔ اور میں نے دیکھا کہ کل کتاب
کو پڑھنے سے جو مجموعی اثر ہوگا ۔ اس سے میں بالکل بیگانہ ہوں اور بیگانہ نہ رہنا
چاہیئے ۔ انشاء اللہ فرصت میں پڑھوں گا ۔ بات یہ ہے کہ دل نہیں لگتا ۔ زیادہ
پڑھ نہیں سکتا ۔ کتابوں کے دریا امڈے ہیں اور میں نے اب تک عقل سیکھ کر کیا کیا ۔
اور آئندہ کیا کروں گا ۔ اور نہ مجھ سے کوئی عقل سیکھنا چاہتا ہے ۔ سوء اتفاق یا حسن
اتفاق سے ایک صاحب نے دقیق مباحث فلسفۂ بنیاد یقین کی ایک کتاب دے
دی ہے ۔ اور مجھ کو اس سے واقف ہونا ضروری ہو گیا ہے ۔ اس کو دیکھ رہا ہوں نصف
سے زیادہ نہیں سمجھا ۔ دماغ کمزور ہو گیا اور مصنف کا طرز بیان بہت پیچیدہ ہے یا یہ سمجھنا
چاہیئے کہ اس نے جید علما ہی کو اپنا مخاطب سمجھا ہے ۔ بہرحال امید ہے کہ ایک
مہینہ میں اس کو ختم کر دوں ۔ آپ سے ملنا ہوا تو کچھ مدد ملے گی ۔ میں نہیں جانتا
کہ آپ کی کل کتاب کا مجموعی اثر مجھ پر کیا ہو ۔ لیکن چند فقرات کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ
آپ نے اپنی عمر سے زیادہ پختگی دکھائی ہے ۔ میرا ایک مصرع ہے کہ تجھے یہ
ڈگریاں بوڑھوں کا ہم سن کر نہیں سکتیں ۔ یہ صحیح ہے آپ میں ڈگری کی برکت نہیں
نہیں ہے بلکہ فطرتی نقطۂ ہستی کا ظہور ہے ۔ ہم آپ کو اور آپ ہم کو اس کے سوا کیا

لہ یہ بالفور (BALFUR) کی کتاب (FOUNDATION OF BELIEF) تھی ۔ حضرت
اکبر کوئی بڑے کتب بین نہ تھے لیکن اپنی غیر معمولی ذہانت سے ہر کتاب سے نکتہ خوب خوب پیدا
کر لیتے ۔ مغربی فلسفہ پر ان کی نظر اچھی خاصی تھی ۔ انگریزی کتابیں بے تکلف پڑھ لیتے تھے ۔

دعا دے سکتے ہیں۔ کہ اللہ اطمینان قلب عطا فرمائے۔ آخر ثنا آخر ثناء

ہم اظہار خودی سے کوئی دم ساکت نہیں ہوتے
مگر جب غور کرتے ہیں تو خود ثابت نہیں ہوتے

صبح ایک کارڈ لکھ چکا ہوں دو ایک دن کو ملنے آئیے تو خوب ہے۔ سفر خرچ کا بل میرے ذمے۔ اکبر حسین

صفحہ ۲۱۲ میں ایک غلطی معلوم ہوئی۔ احبۃ بجائے جنات۔ احبۃ جمع جنین[1] ہے۔

(۵۰)

۱۱ر فروری سنہ ۱۶ء

برادرم۔ قرآن شوق سے دیکھئے۔ خوب دیکھئے۔ یہاں تک کہ بلا مدد ترجمہ اس کے ظاہری معنی سمجھنے لگئے۔ تفسیر کی توجہ نہیں۔ مذاق مفسرین کی بوقلمونی حیرت انگیز ہے۔ قرآن مجید کو بطور تلاوت پڑھا کیجئے۔ ایک سرے سے پڑھ جائیے اور پھر پڑھیئے۔ اور پھر پڑھیئے۔ زیادہ نہ رکیئے۔ پڑھتے جائیے۔ ثواب کا عقیدہ نہ سہی۔ لٹریری لطف و ذوق کا خیال کیجئے۔ ہر وقت طبیعت یکساں نہیں رہتی۔ کسی وقت کوئی آیت دل کو متوجہ کرے گی۔ مزا آئے گا یا کوئی مسئلہ منکشف ہوگا جو اس وقت یا ان روز دل ذہن میں رہے۔ کسی وقت اسی طرح کوئی اور آیت دامنِ دل کو کھینچے گی۔ غور اور اسٹڈی اور کریٹیسزم[2] اور مضمون نگاری کے لئے قرآن مجید کو

---

[1] اس غلط العام پر سب سے پہلی تنبیہ مجھے حضرت اکبر ہی نے دی

[2] (STUDY) یعنی مطالعہ (CRITICISM) یعنی تنقید ان مکتوبات کو پڑھتے وقت یہ خوب ذہن میں رہے کہ میں اس وقت ایک ملحد تھا اور الحادی فلسفہ کا خوشہ چیں۔ البتہ عربی زبان کا بچپن میں کچھ تھوڑی بہت پڑھ لی تھی۔ حضرت اکبر بڑے لطیف انداز سے ایک ملحد کو تبلیغ کر رہے ہیں۔

خاص طور پر جو بجا حسب مرضی دیکھنے کا کوئی اور وقت نکالے۔

پیغمبر صاحب کو اس بات کا یقین تھا یا نہیں۔ ایک بحث۔ وہ یقین صحیح تھا یا نہیں۔ دوسری بحث۔ پہلی بات کا فیصلہ کرنے کے لئے بہت غور ضروری نہ ہوگا لیکن کل پڑھنا چاہیئے اور بار بار

خدا قرآن کی رو سے قادر مطلق اور خالق کائنات ہے۔ ارسطو کے خدا سے کیا واسطہ۔ ارسطو میں (GENERALISATION) اور CLASSI-FICATION) کی بے حد قوت تھی[1] لیکن میں نے کسی فلاسفر کو نہ دیکھا کہ اس کے معاصرین نے یا پیچھے آنے والوں نے اس کی تردید نہ کی ہو سہ

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

میں خدا کا نام تو جانتا ہوں۔ خدا کا خیال ناممکن پاتا ہوں۔ ماسوا پیش نظر ہے۔ جہاں اس کا خیال آیا۔ خیال خدا غائب ہو گیا۔ عبرت نثار اسی سے دل کو ایک مزا ہے مزا حسب استعداد بہت بڑھ جاتا ہے۔ مُقرِ چپ ہے۔ منکر کو خبر نہیں۔

باقی فضول زندگی ہے۔ وقت کی خانہ پُری ہے داد پانے کا مزا ہی پیٹ کا دھندا ہے پھر خط لکھوں گا۔ تھک گیا۔ آپ کی محبت کو اللہ قائم رکھے۔ مجھ کو کوئی حق نہیں ہے بے تکلف لکھ دیا۔ ورنہ میں آپ سے بہتوں سبق سیکھنے کے لئے موجود ہوں۔

اکبر

---

[1] میں نے الحاد کی ترنگ میں ایک بار یہ لکھ مارا تھا کہ ارسطو کے خیال کے مطابق خدا کو محض علت العلل یا علت اولیٰ ماننے پر کیونکر اکتفا کی جائے اور قرآن سے غالباً یہ پہلو نکل آئے یہ مکتوب اور اس کے بعد کا اسی لغو خیال کی تردید میں ہیں۔

(۵۱)

الہ آباد۔ ۲۲ر فروری ۱۶ء

حبیب مکرم زاد الطافہ۔ کل میں نے بہت بے تکلفانہ آپ کو خط لکھا لیکن معافی چاہتا ہوں۔ بہت کچھ اور لیو نٹ[1] ہے۔ آپ اپنا کورس خود خوب سمجھتے ہیں۔ جو لکھا وہ سب واپس لیتا ہوں۔ بجز اس کے کہ قرآن مجید میں صرف پرائم مووز[2] نہیں بلکہ خدا اقادر مطلق ہے۔ سورۂ رحمان میں کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَانٍ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے سوا صد ہا آیتیں ہیں۔

ثواب کے یہ معنی بھی سمجھئے کہ دل کو انبساط ہوا۔ کسی مسئلہ کا انکشاف ہوا۔ مجھے تو روزے کا ثواب افطار کے وقت مل جاتا تھا۔ اب تو رکھ ہی نہیں سکتا۔

جی ہاں وہی بالفور والی کتاب ہے خواہ مخواہ سمجھوں یا نہ سمجھوں پڑھنا پڑا ہے۔ خود سوچنے اور باتوں کو پیدا کرنے میں زیادہ لطف اور فائدہ ہے۔ البتہ ٹرمس وغیرہ معلوم ہو جاتے ہیں۔ آپ کے دن ہیں کہ واقفیت بڑھائیے۔ لیکن آپ بھی اوریجنل خیال کے مستحق ہیں۔ زندہ رہا تو مارچ میں انشاء اللہ آؤں گا کیا پرچہ صوفی آپ کے پاس آتا ہے؟ کیا عزیز صاحب نے آپ ہی سے سن کر مجھ کو اس شعر کا ذکر لکھا ہے۔ آپ کی شادی کس تاریخ کو ہے؟ نکاح کہاں ہوگا؟ اور پھر آپ کہاں رہیں گے۔ میری شکایتیں سخت مزاحم ہیں۔ ورنہ باوجود ترک شرکت تقریبات کے میں شریک ہوتا۔ کیونکہ آپ اس دور میں ان چند لوگوں میں ہیں جن کو دنیا

---

[1] (IRRELIVENT) یعنی غیر متعلق۔ حضرت اکبر بڑے ذی مروت اور نازک قلب تھے۔ کسی کی دل شکنی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ صحیح اور سچی بات کہتے۔ جب بھی مخاطب سے معافی طلب کرتے۔ یہ گوارا ہی نہ تھا کہ مخاطب کے دل پر کسی طرح کا بار رہے

[2] (PRIME MOVER) یعنی محرک اول علت اولیٰ۔

امتیاز کے ساتھ یاد رکھے گی۔ خدا آپ کو تندرست رکھے اور اطمینان عطا فرمائے۔
بھول گیا اور کیا لکھنا تھا جس کے لئے قلم اٹھایا تھا۔ دعا گوئے شما
اکبر حسین

(۵۲)

الہ آباد۔ ۲ مارچ ۱۶ء
عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کل مولانا سلیمان صاحب شاگرد حضرت شبلی مرحوم مجھ سے ملنے آئے۔ میں سو رہا تھا۔ ایک شعر لکھ کر چلے گئے۔ مجھ کو بہت افسوس ہوا۔ شہر میں کہیں پتہ نہ لگا۔ لکھنؤ میں ہوں تو میرا سلام شوق فرما دیجئے۔ اپنی خیریت بھی لکھئے۔ کیا عجب ہے کہ ۱۱ مارچ یا اس کے بعد لکھنؤ آؤں بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم نیاز مند اکبر حسین

(۵۳)

الہ آباد ۱۶ ۱۴/۲
عزیز من سلمہ اللہ تعالیٰ! میں لکھ چکا ہوں کہ دفعتاً طبیعت میں سخت انتشار محسوس ہوا اور میں چل دیا[1]۔ احباب کو بہت حسرت و مایوسی ہوئی ہوگی۔ دوسرے نسخہ میں کچھ مرکب دوائیں جو بازار سے آئی تھیں۔ ان کے اثر نے شدید نزلہ پیدا کر دیا۔ تیسرا نسخہ نالیا مفید تھا۔ یہاں پہنچکر دست تو موقوف ہو گئے ہیں۔ یعنی اس وقت تک دست نہیں آیا۔ لیکن بدن میں درد ہے۔ پیٹ میں بھی اکثر درد رہا ہی رہتا ہے اور چھینکوں کی کثرت نے دماغ کو اور بھی تباہ کر دیا ہے۔ ۹ بجے بستر سے اُٹھ سکا امید ہے کہ دو چار دن میں بہتر طرز زندگی افاقہ ہو۔ کارڈ پہنچا۔ محبت و توجہ اور نیک دلی کا

---
[1] حضرت اکبر لکھنؤ آئے ہوئے کہ یک بیک الہ آباد روانہ ہو گئے۔ بیمار اسی عمر میں برابر رہا کرتے تھے

شکر گذار ہوں۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ اکبر حسین

(۵۴)

الہ آباد ۲۱/۳ (۶

عزیز محترم سلمہ اللہ تعالیٰ! حکیم صاحب سیتاپور سے آ گئے ہوں گے[3]۔ میری طرف سے ان کی توجہ و عنایت کا شکر ادا کیجئے۔ آخری نسخہ سے ضرور فائدہ ہوا۔ کیونکہ یہاں پہنچ کر دست بالکل موقوف ہو گئے۔ البتہ شدید نزلہ تکلیف دہ رہا۔ دماغ ہی پر اثر تھا۔ سینے پر نہیں۔ یہ اسی مرکب بازاری نسخہ کا اثر تھا۔ الحمد للہ کہ اب افاقہ ہے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے ملے یا نہیں[4]؟ اگر موسم زیادہ گرم نہ ہو گیا اور میں نے توانائی پائی تو ہنوز ارادہ سفرِ دہلی کا ہے خواجہ صاحب کا خط آیا ہے۔ آپ کے ساتھ ان کو محبت ہے۔ خدا قائم رکھے اور ترقیاتِ باطنی عطا فرمائے اور بندگانِ خدا ان سے فیض یاب ہوں۔

اکبر حسین

(۵۵)

الہ آباد۔

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! واجب الوجود پر آپ نے خوب لکھا ہے اگرچہ شلنگ وغیرہ کی باتیں بھی تھیں[5]۔ لیکن آپ کے منھ سے واجب الوجود اور ایسے

---

[3] مراد ہیں میرے خالہ زاد بھائی حکیم عبدالحبیب صاحب دریابادی جو بعد میں شفاء الملک اور لکھنؤ کے ایک مشہور طبیب ہوئے وفات ۱۹۵۰ء میں پائی (نظر ثانی)

[4] یعنی ڈاکٹر طہٰ، سررشتہ تعلیم۔ تلاشِ ملازمت کا سلسلہ چل رہا تھا۔

[5] (SCHELLING) جرمنی کا مشہور فلسفی۔ میرا ایک مضمون حکمائے جرمنی اور مسئلہ واجب الوجود کے عنوان سے حیدرآباد کے ایک ماہنامہ افادہ میں نکلا تھا۔

اور الفاظ کا سُننا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ حسن نظامی صاحب کے وجد کو کافی ہے۔
خدا ان کو مطمئن کرے۔ بالفعل پریشانی میں ہیں۔ میں ہنوز اچھا نہیں ہوا۔ اچھا
تواب کیا ہوں گا۔ یہ مطلب ہے کہ قابلِ سفر نہیں ہوں۔ اس وقت مدت کے
بعد ڈاکٹر اقبال کو ایک خط لکھا ہے اور یہ خط آپ کو۔ ہمارا موجودہ مصنف آپکے
دوست برگسن[۱] کا ایسا دوست نہ نکلا جیسا میں نے ابتداً سمجھا تھا۔ مگر فلسفہ میں کون
کس کا دوست ہے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ اکبر حسین

(۵۶)

الہ آباد۔ ۵/۴ ۱۶

عزیز من۔ پورا مضمون میں نے نہیں دیکھا۔ لکھنؤ میں میرے لئے دلچسپی
ہے۔ لیکن ہنوز اچھا نہیں ہوں۔ سخت مجبوری ہے۔ دل و دماغ قابو میں نہیں معدے
کی حالت خراب۔ زندگی ہے تو کبھی ملوں گا۔ خدا آپ کو مطمئن کرے اور آپکے ذہن
کو سکون اور آزادی عطا فرماتا رہے۔ میرا ارادہ کل جونپور جانے کا ہے۔ اگر جاسکا
عشرت[۲] کے پاس شاید کچھ تسکین ہو۔ کبھی کبھی کچھ اشعار عبرت آگیں یا عاشقانہ کہہ لیا
کیجئے۔ دعا گو۔ اکبر حسین

(۵۷)

الہ آباد۔ ۹ جون سنہ ۱۶ء

عزیزی دحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ شادی[۳] مبارک ہو۔ گذشتہ دوشنبہ کو میں نے
ایک منی آرڈر صد روپے کا آپ کے بھائی صاحب کے نام لکھنؤ کے پتہ سے

---

[۱] (BERGSON) مشہور فرنچ فلسفی۔ اس وقت اس کی شہرت شباب پر تھی۔

[۲] یعنی حضرت اکبر کے فرزند سید عشرت حسین ڈپٹی کلکٹر جونپور۔

[۳] ۳ جون سنہ ۱۹۱۶ء کو ہوگئی تھی۔

روانہ کیا اور اس کے متعلق . . . . . اُن کے نام خط بھی بھیج دیا۔ ریڈ منی آرڈر
کی کسی دوسرے کے قلم سے میرے پاس پہنچ گئی لیکن اس وقت آپ کے بھائی
صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ دریاباد میں ہیں اور ہنوز ریڈ منی آرڈر کا حال
ان کو نہیں معلوم ہوا۔ لہذا احتیاطاً و اطلاعاً یہ کارڈ لکھتا ہوں۔ خیال یہی ہے کہ
آپ کے کسی عزیز کو لکھنؤ میں منی آرڈر مل گیا۔ اپنی خیریت لکھیے۔

اکبر حسین

(۵۸)

الہ آباد۔ ۴ ار جون ۱۶ء

عزیزی زادہ لطفہ۔ مجھ کو آپ کے خط اور آپ کے سوءِ ظن سے زہنی
تکلیف پہنچی۔ میں نے آپ کے دوسرے خط یاد دہانی کے جواب میں آپ کو مطول
و مفصل خط لکھا۔ اور اول خط کا جواب نہ لکھنے کی توجیہ کر دی معلوم ہوتا ہے۔ وہ
خط نہ پہنچا یا آپ ہنگامہ تعلقات میں بھول گئے۔
آخری خط میں نے بالارادہ بھائی صاحب کو لکھا۔ رسماً یہی مناسب سمجھا۔ نوشہ
میاں کو مخاطب صریح نہیں بنایا۔ یہ ادائے رسم بھی گویا آپ ہی کی ذاتی محبت
کی بنا پر کی گئی۔ میری دلی خواہش اس سے بہت زیادہ تھی اور ہے۔ لیکن پہنچ نہ
نہ سکا۔ اور اس کو پورا نہ کر سکا۔ اس زمانہ میں بہت علیل ہوں۔ اکثر غذا تو لوں کے
حساب سے ہوئی۔ دوران سر ایسا رہتا ہے کہ بسا اوقات چلنے میں تکلف ہوتا ہے
اتنے اسباب مادی و اخلاقی جمع ہیں کہ تشریح دشوار ہے۔ آپ علی گڈھ کب جائیں گے
میں نہ سمجھ سکا کہ اس خبر سے خوش ہوں یا افسردہ ۔ البتہ یہ اطمینان ہوا کہ آپ کو ایک

۱؎ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سکریٹری صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے مجھے علی گڈھ دفتر کانفرنس میں
ڈپٹی اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرنے کو بلایا تھا۔

مشغولی رہے گی۔ بہرکیف یہ مدعا ہے کہ آپ خوش رہیں۔ فلسفہ نے اگرچہ آپ کے اجزائے طبیعت کو مستحکم و مضبوط کر دیا ہے۔ لیکن آپ موتی ہیں پتھر نہیں رہیں۔ خدا موتی کی آب برقرار رکھے۔ اکبر حسین

کاش آپ مجھ سے مل کر جاتے۔ حسن نظامی صاحب حیدرآباد میں ہیں۔ عزیزہ کو دعا۔ آپ علی گڈھ جائیں گے تو وہ کہاں رہیں گی؟

(۵۹)

۲۰؍ جون سنہ ۱۶ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میرا خط پہنچ گیا یا نہیں۔ علی گڈھ کب جائیں گے دوری کا افسوس ہوگا۔ لیکن آپ کے مشاغل میں ترقی ہوگی یہ اچھا ہے۔ شاید بشرط زندگی میں دہلی میں مقیم ہوں تو قرب ہو جائے گا لکھنؤ آنے کا ارادہ کرتا ہوں۔ آپ کا دعا گو۔ اکبر

(۶۰)

الہ آباد۔ ۲۳؍ جون سنہ ۱۶ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ۔ ما بعد دیکھ کر میں خوش ہو گیا۔[1] جملہ خیالات رخصت ہو گئے۔ میں سمجھتا تھا کہ بلامعاوضہ ہے۔ پونے دو سو اچھی خاصی رقم ہے فلاسوفر تو اپنے خیالات میں مست ہے۔ غرضی کاموں کے لئے اتنا کافی ہے۔ میں مبارکباد دیتا ہوں۔ آزادی کے ساتھ الگ رہے گا تو بشرط زندگی کبھی آپ کا مہمان بھی ہو سکوں گا۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ عزیزہ سے گھر روشن ہوا۔ آپ کے عقد کی تاریخ "فروغ ماجد" دریافت کی تھی۔ عزیز صاحب کو لکھا تھا کہ آپ کو سنا دیں

---

[1] علی گڈھ میں تقرر اسی مشاہرہ پر ہوا تھا۔ علاوہ مکان وغیرہ کے سنہ ۱۹۱۶ء کے معیار سے یہ رقم اچھی خاصی تھی۔ (نظر ثانی)

معلوم ہوا کہ ہنوز انھوں نے آپ تک نہیں پہنچائی۔ ان کو بھی اچھا شغل مل گیا ہے
شیعہ اخبار کی ایڈیٹری میں مشغول ہیں۔ میں خوش ہوا کہ عقد ہوتے ہی آپ کی
آمدنی دو سو ماہوار ہو گئی۔ "فروغ ماجد" بہت بجا تاریخ ہے آفتاب احمد خاں
صاحب خوب شخص ہیں اور بہت قوت اور قابلیت سے علی گڈھ کو چلا رہے ہیں
ہیں۔ میرے قدیم کرم فرما ہیں۔ اب مدت سے مراسلت نہیں ہوئی۔ سبب یہ ہے
کہ میں دنیا سے رٹائر ہو گیا۔ اکبر

(۶۱)

امین آباد پارک لکھنؤ۔ ۷ ستمبر ۱۶ء

عزیزی و مکرمی۔ موہن[1] لال گنج سے اطلاع ملی کہ میرا خط جو آپ کو
بھیجا تھا۔ وہاں نہیں پہنچا۔ میں سمجھا تھا کہ آپ باندے[2] کے خیال میں مستغرق
تھے۔ جائز تھا کہ دوستوں کو یاد نہ کیجئے۔ تاہم اگر گنجائش ہو یا آپ کی مرضی کے
مطابق ہو تو شکایت کا نوٹس قبول فرمائیے۔

آپ کی خیریت کا طالب۔ اکبر حسین

(۶۲)

ڈیر[3] فرینڈ۔ نہایت افسوس ہے کہ آپ کو زحمت ہوئی۔ میں آپ ہی سے
ملنا حاصل سفر لکھنؤ سمجھتا ہوں۔ خیال نہ تھا کہ جلد کارڈ پہنچ جائے گا۔ اور
آپ سویرے تشریف لائیں گے۔ بعد ۱۱ بجے کے شاید راجہ صاحب محمود آباد
کے ہاں سے سواری آئے۔ مجھ کو معلوم نہیں کتنی دیر کے لئے جانا پڑے۔ چار

---

[1] (ضلع لکھنؤ) میرے بھائی صاحب اس وقت وہاں نائب تحصیلدار تھے۔

[2] شہر باندا میری سسرال

[3] حضرت اکبر لکھنؤ آئے ہوئے تھے۔ یہ دستی رقعہ ہے۔

بجے کے بعد غالباً سید افتخار حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر (قیصر باغ) کے یہاں جانا ہوا اور کیا عجب ہے کہ ان کا اصرار وہیں ٹھہر جانے پر مجبور کرے۔ میں ابھی حاضر ہوتا لیکن کچھ یقین نہیں کہ آپ کہاں ہیں۔ لہذا آدمی بہ دریافت حال جاتا ہے۔

اکبر حسین

(۶۳)

عزیز من سلمہ اللہ تعالیٰ۔ فلسفے نے قبول دعوت سے آپ کو کیوں نہ روکا[۱] ایک یونانی فلاسوفر نے اپنے دوست کو دعوت میں جانے سے جبراً روکا۔ دونوں میں کشتی ہوئی۔ فلاسوفر صاحب غالب آئے اور اپنے دوست کو باندھ رکھا۔ آپکی نادرستی مزاج کا افسوس ہوا۔ خدا کرے تمام تک طبیعت درست ہو جائے۔ کل کا نسخہ مجھ کو موافق نہ آیا۔ طبیعت نادرست ہو گئی۔ دن بھر رات بھر بے چین رہا۔ اس وقت حکیم صاحب نے مزاج پہچانا اور نسخہ بدل دیا۔ شام کو یوں گما قیصر باغ سے طلبی تھی کہ راجہ صاحب آرہے ہیں۔ آیئے۔ معذرت کرنا پڑی۔ آپ سے ملنے کا منتظر و مشتاق۔

اکبر

علمی پیرائے میں آپ کا ذکر برن صاحب[۲] سے رہا۔

(۶۴)

الہ آباد۔ ۳ر نومبر ۱۶ء

عزیزی و مکرمی۔ میں بد گمانی میں مبتلا تھا کہ فلاسوفر آدمی شاعرانہ

۱؎ یہ بھی دلچسپ دفعہ ہے۔ میں کہیں دعوت کھا کر ذرا بیمار ہو گیا تھا۔ حضرت اکبر کی قیام گاہ پر حاضر نہ ہو سکا اور معذرت نامہ لکھ بھیجا

۲؎ یہ رچرڈ برن سی۔ آئی۔ ای چیف سکریٹری صوبہ متحدہ ہیں۔ جن کا ذکر کئی بار اوپر آچکا ہے۔

خرافات کی داد مرزت میں دے دیتے ہیں۔ لیکن دلی تعلق نہیں رکھتے۔ الحمدللہ کہ آپ کا کارڈ پہنچا۔ تعجب ہے کہ میرے خطوط کی رسید آپ نے نہ لکھی۔ ایک آپ کو لکھا تھا۔ ایک بھائی صاحب کو۔ خدا آپ کو تندرست رکھے اور فارغ البالی۔ میں ۱۵ر اکتوبر کو پرتاب گڈھ پہنچا۔ ۱۹ر کو یہاں آیا۔ ۲۰ر اکتوبر کو دہلی چلا تھا۔ اگرچہ سمدھی صاحب کہہ رہے تھے کہ اس زمانہ میں نہ جائیے۔ ایک ع۔ بزکو اپنے ساتھ کمپارٹمنٹ میں بٹھایا تھا کہ مونسِ تنہائی ہونگے دو خادم ساتھ تھے۔ عجب اتفاق کہ کانپور پہنچ کر ایسا دورانِ سر اور قبض اور احتباس ریاح کے سبب سے خفقان ہوا کہ میں اتر پڑنے پر مجبور ہوا۔ ویٹنگ روم میں شب بسر کی۔ صبح تک طبیعت چاق نہ تھی۔ الہ آباد واپس آیا۔ بہت افسوس ہوا۔ اب سردی میرے لئے زیادہ ہو گئی۔ کیا جا سکوں گا۔ ہاں لکھنؤ شاید آسکوں اگر محفوظ مکان ملے۔ دسمبر میں اردو کانفرنس ہے[۱] کاش خواجہ صاحب بھی آسکیں تو بڑا لطف ہو۔ بعد عشرہ محرم پرتاب گڈھ کا قصد ہے۔ سید سلیمان صاحب کو سلام۔ کہاں ہیں؟ کب تک قیام ہے کبھی کبھی دو چار شعر ضرور کہہ لیا کیجئے۔ جوہر قابل موجود ہے۔

دعاگوئے شما اکبر

ہمدم[۲] میں ایک مضمون چھپا ہے۔ حرکت ... حرکت دفعی وصوبی حرکت سفید آپ نے اسے دیکھا ہوگا۔

---

[۱] انجمن ترقی اردو کا جلسہ لکھنؤ میں آخر دسمبر میں اردو کانفرنس کے نام سے دھوم دھام سے ہونے والا تھا۔ نواب نصیر حسین خیال صدر قرار پائے تھے۔ ان خطوط میں برابر اسی کے حوالے ہیں۔

[۲] ہمدم یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء سے لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا تھا اپنے وقت کا بہترین روزنامہ تھا (نظر ثانی)

(۶۵)

الہ آباد۔ ۱۱ر نومبر ۱۶ء

مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ کیا پروگرام بتاؤں۔ بہت جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملوں۔ سید سلیمان صاحب سے ملاقات ہو۔ لیکن ٹھہروں کہاں؟ معلوم نہیں وہ بالاخانے خالی ہیں یا نہیں۔ جالب[۱] صاحب تو لکھتے ہیں کہ میرے مہمان ہو جیے سردی بڑھتی جاتی ہے۔ غالباً دو تین دن میں پرتاب گڈھ جاؤں۔ وہاں سے لکھنؤ کا قصد کروں گا۔ اگر ہو سکا۔ خواجہ صاحب نے لکھا ہے کہ آپ نے ان کو لکھا تھا انھوں نے کانفرنس سے استمداد کی ہے۔ معاملہ ذرا پیچیدہ ہے وقت نازک ہے۔ خیر جو کچھ ہو دیکھا جاے گا۔ الانسان ما تمنیٰ سید سلیمان صاحب کو بہت بہت سلام شوق۔

اکبر حسین

(۶۶)

الہ آباد۔ ۱۲ر نومبر ۱۶ء

عزیز مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ سردی ستا رہی ہے۔ مارچ کا انتظار ہے۔ اگر اس وقت تک زندگی ہے افسوس کہ سید سلیمان صاحب وہاں[۳] ہیں۔ میں حاضر ہو رہے پرتاب گڈھ میں ہوں۔ آج الہ آباد کا قصد ہے۔ عقیل ابن عشرت کے لئے ایک معلم کی ضرورت ہے۔ عربی شروع کر دی گئی ہے۔ میزان منشعب پڑھ چکے ہیں

---

[۱] سید جالب دہلوی مرحوم (متوفی ۱۹۳۰ء) ایڈیٹر روزنامہ ہمدم۔ ہمدم اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں یو۔پی کا سب سے بڑا روزنامہ تھا۔

[۲] خواجہ حسن نظامی سے یو۔پی گورنمنٹ اس وقت بہت ناخوش تھی۔ اور اس صوبہ میں ان کے آنے کی ممانعت تھی۔

[۳] مولانا ندوی اپنی اہلیہ کے علاج کے سلسلہ میں لکھنؤ میں مقیم تھے۔

یہ بھی چاہتا ہوں کہ مذہبی واقفیت ہو جائے۔ نماز کا خوگر ہو جائے۔ کیا آپ اور سید سلیمان صاحب کسی کی تجویز کر سکتے ہیں۔ ذرا ہوشیار شخص ہو، کھانا ملے گا۔ اچھی طرح رہیں گے۔ سردست ۲۰ روپے ماہوار یا حسبِ لیاقت جو تجویز ہو دیا جائے گا خوب دھوم دھام سے علمی نمائش کی تیاریاں آپ لوگ دسمبر کے لئے کر رہے ہوں گے۔[1] سید سلیمان صاحب کو سلام شوق۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔

دعائے خیر کا طالب   'اکبر'

خواجہ صاحب کو جواب ملا ہے آپ کی درخواست استجازت شرکت اُردو کانفرنس غور و تجویز کے لئے پولٹیکل صیغہ میں منتقل کر دی گئی ہے۔ کاش آپ یا اور کوئی صاحب کوئی مفید تحریک کر سکیں۔ میں اچھا نہیں ہوں۔ صحت کا یہ حال ہے کہ ۱۲ نومبر کو چیف سکریٹری کے پاس کارڈ بھیجا۔ تعین وقت ہو چکا تھا۔ دفعتاً طبیعت اس قدر خراب ہو گئی کہ واپس چلا آیا اور معذرت لکھ بھیجی

(۶۷)

الہ آباد ۳۰ نومبر ۱۶ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ یاد آوری کا شکر گذار ہوں۔ ان غزلوں میں[2] وسعتِ خیال زیادہ ہے۔ لیکن لحاظاً قواعد زبان سابق کی غزلیں زیادہ کھری تھیں۔ اس کا سبب زبانی کہوں گا۔ اگر زندہ رہا۔ جہاں آپ کو بجا جچہ ہے نہ صرف وہاں بلکہ اور مصرعوں میں بھی تغیر و تبدل کی ضرورت ہے۔ انشاء اللہ دو چار دن میں واپس بھیج دوں گا۔ دسمبر میں امید نہیں کہ لحاف چھوڑ سکوں۔ علی گڈھ سے میرے لئے کسی انجمن کے صدر ہونے کی تحریک ہوئی ہے۔ لیکن معذرت کے سوا کوئی چارہ نہ

---

[1] یعنی اسی اردو کانفرنس کے سلسلے میں

[2] کچھ پرانی اور نئی غزلیں اصلاح کے لئے پیش کی تھیں

تھا۔ امید ہے کہ آپ کے گھر میں خیریت ہو۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ باندے جائیے تو مجھ سے ضرور ملیے۔ سید سلیمان صاحب کو سلام۔ معارف نمبر ۵ جلد ا کے پہلے ہی صفحے میں مکاتیب و مدارس چھپا پاتا ہوں۔ کیا مکاتیب صحیح نہیں ؟ اکبر حسین

(۶۸)

الہ آباد۔ ۴ر دسمبر ۱۶ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے میں نہایت ہی خوش ہوا اول تو غزلوں کے باب میں آپ کی تحریر نے مجھ کو مطمئن کیا۔ دوسرے حسن نظامی صاحب کے باب میں برن صاحب سے تحریک کرنے کے ارادے سے نہایت مسرت ہوئی۔ میں اس سے پہلے خود ایسی تحریک کرتا۔ لیکن میں خود آلودگی سے پاک نہیں ہوں۔ اور مسجد والے معاملے میں تو یہ غلط قیاس کیا گیا کہ میری مشورت شامل تھی[1]۔ یہ خیالات مانع تحریک تو نہیں ہو سکتے۔ لیکن اندیشہ یہ تھا کہ کہیں سوء ظن اور نہ بڑھے۔ آپ کو خدا نے آمادہ کیا ہے۔ شاید کام نکل جائے۔ خواجہ صاحب نے براہ راست ہز آنر صاحب کو لکھا۔ کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ مجھ کو بارہا یہ خیال آچکا ہے کہ برن صاحب کی تخفیت کا برآمد کی مانع ہوئی۔ ان سے التجا کرنا چاہیے بہتر ہو کہ خواجہ صاحب کی ایک عرضی بھی ان کے نام منگا لیجیے۔ ڈاک پر براہ راست آئے یا خود پیش کیجیے۔ اس میں یہ بھی ہو کہ حضور لاٹ بری آدمیوں کے مربی و قدردان ہیں۔ اس مصیبت سے مجھ کو نجات دیجیے۔ خواجہ صاحب کے نقصانات کا بھی ذکر شاید مناسب سمجھیے۔ جو یو۔پی میں نہ آسکنے کے سبب سے ہو رہے ہیں۔ میں نے خدا جانے آپ کو لکھا یا نہیں۔ ۱۲ر نومبر کو میں برن صاحب

---

[1] یعنی ۱۹۱۳ء کی اسی واقعہ شہادت مسجد کانپور کے سلسلہ میں حاشیے اوپر گذر چکے ہیں۔

سے ملنے گیا۔ وقت مقررہ پر حاضر ہوا تھا۔ کارڈ جا چکا تھا۔ ایک یوروپین صاحب مل رہے تھے، میں منتظر بیٹھا تھا۔ اسی اثنا میں مجھ کو دورہ تبخیر کی شروع ہو گیا اور خلاف توقع بول و براز کی حاجت محسوس ہوئی۔ اور طبیعت بالکل ہاتھ سے جاتی رہی۔ بہ مجبوری فوراً واپس بھاگا۔ گھنٹوں میں طبیعت سنبھلی۔ میں نے معذرت کا خط بھیجا اور لکھا۔ کہ پھر اجازت حاصل کروں گا۔ اب شاید بشرط زندگی مارچ میں موقع ملے لکھنؤ میں۔ کیا کہوں کہ طبیعت کی نادرستی سے کیسا معذور ہوں۔ مکان ٹھہرائیے تو چند روز لکھنؤ رہوں۔ شاید سال بھر۔ مولوی شرافت اللہ صاحب کا بے حد افسوس[1] ہوا۔ میرے بڑے پرانے بے تکلف دوست تھے۔

اکبر حسین

(۶۹)

الہ آباد ۔ ۶ دسمبر ۱۶ء

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کو مراتب عالی پر پہنچائے اور خوش رکھے۔ آپ نے بڑا کام کیا کہ حسن نظامی صاحب کے لکھنؤ آنے کی اجازت برن صاحب سے حاصل کی۔ خدا راست لائے بلحاظ حالات میں نے خواجہ صاحب کو ممانعت کر دی تھی۔ لیکن اب ان کو تشریف لانا ضروری ہے۔ میں آسکوں یا نہ آسکوں۔ امید ہے کہ برن صاحب کی مہربانی سے ان کو یہاں کی بھی اجازت حاصل ہو جائے۔ اگر ممکن ہوا تو میں بھی حاضر ہوں گا۔ لیکن نہایت دقت ہے۔ سید سلیمان صاحب سے ملنے کا بہت

---

[1] مولوی حاجی شرافت اللہ صاحب فرنگی محلی۔ پنشنر ڈپٹی کلکٹر۔ حضرت اکبر کے خاص دوستوں میں تھے۔ بعین اس زمانہ میں ایک روز دفعتہ وفات پا گئے۔ مدتوں بطور مہاجر مدینہ منورہ میں مقیم رہے تھے۔

آرزو مند ہوں اور ایسی صحبت کہ وہ ہوں۔ آپ ہوں۔ خواجہ صاحب ہوں۔
میرے لئے غذائے روح ہوگی۔ میں اس بات سے نہایت خوش ہوا کہ برن
صاحب نے فرمایا کہ وہ تصوف کو پسند کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب کو بہت مدد
ملے گی۔ میں اگر آیا تو بعد ختم کانفرنس آؤں گا۔ انسائیکلو پیڈیا کا خیال مجھے مدت
سے ہے۔ لیکن ذرا اور تخیلیٹی ہونا چاہیئے۔ میں ناتوانی اور ناتندرستی سے بہت
معذور ہوں ورنہ ولیم جیمز [1] ورائٹی کا ترجمہ کیا چاہتا ہوں جو بالکل فلسفۂ تصوف
ہے اور فاؤنڈیشن آف بلیف کا خلاصہ۔ یہ بھی فلاسوفی آف تھیالوجی [2] ہے۔
برن صاحب کا اشارہ ہے۔ اکبر حسین

(۷۰)

الہ آباد ۔ ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۸ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ لٹریری محفل کی چہل پہل مبارک ہو [3]۔
انسائیکلو پیڈیا کی خبر اخباروں میں چھپ گئی۔ خدا راست لائے۔ پہلے مجھ کو
اپنا مصرعہ یاد آتا تھا کہ فرنیچر ہم لے رہے ہیں اور گھر کوئی نہیں
لیکن پھر میں نے اپنا یہ مطلع یاد کیا [4]

---

[1] یعنی اردو انسائیکلو پیڈیا کا۔ مولانا سید سلیمان ندوی اور راس مسعود ان کی طرف سے
اس وقت کی تحریک ہوئی۔

[2] راجہ صاحب محمود آباد نے اس کام میں شاہانہ امداد کا وعدہ کیا تھا لیکن ان کی تجویز
انگریزی انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے ترجمہ تک محدود تھی۔

[3] (TUCKWELL) کی کتاب (RELICION & REALITY)

[4] PHILOSAPHY OF THEBLOGY کا حاشیہ اوپر گذر چکا

[5] اسی اردو کانفرنس کے اجلاس کی طرف اشارہ ہے

دنیا کی طوالت بے حد ہے خلقت کا تو لمبا قصہ ہے
ہر شخص فقط یہ غور کرے اس کل میں مرا کیا حصہ ہے

اس لحاظ سے آپ اور سید سلیمان صاحب ٹھیک راہ پر ہیں۔ سب کچھ ہو جائے یہ خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ دو شعر بے ساختہ قلم سے ٹپک پڑے ہے

خدا نے جو غیرت عطا کی ہو تم کو تو ملت کے اعلیٰ مقاعد کو دیکھو
اولوالعزمی راجہ صاحب کو سمجھو مذاقِ سلیمانؔ و ماجد کو دیکھو

اس کے اول اور آخر اشعار بھی کبھی سنیے گا۔ معلوم نہیں خواجہ صاحب برن صاحب سے کس تاریخ ملیں گے۔ میرا دل بہت چاہتا ہے کہ آپ صاحبوں سے ملوں۔ لیکن سردی کے موسم میں سفر دشوار ہے۔ امراضِ لاحقہ سے اور بھی دشواری ہے۔ کاش ماجد اینڈ کو دو ایک دن کو یہاں تشریف لاتے۔ میرے مہمان ہوتے۔ ٹریولنگ اکسپنسز کل میرے ذمہ۔

علمی بحث نہ سہی۔ شاعرانہ گپ بھی آپ کی کمپنی کے لئے بالکل بے مزہ نہ ہوگی۔ آپ میں تو شاید ابھی طالب العلمانہ ترنگ اور بے تکلفی کچھ باقی ہے۔ سید سلیمان صاحب کا حال معلوم نہیں۔ ممکن ہے۔ خواجہ صاحب قصد فرمائیں اور آپ کو بھی ابھاریں۔ الہ آباد دور ہو تو پرتاب گڈھ سہی۔ تین گھنٹے کی راہ ہے۔ عشرت[1] سلمہ بھی مستفید اور خوش ہوں گے۔ پرتاب گڈھ یہاں سے بہت قریب ہے۔ یہاں تک میں بآسانی پہنچ سکتا ہوں۔ خیر ایک دلی خواہش کا اظہار کر دیا گیا۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ گھر میں سلام اور دعا۔

---

[1] یعنی مصارفِ سفر

[2] ڈپٹی عشرت حسین صاحب اب پرتاب گڈھ آ گئے تھے۔ پرتاپ گڈھ ان کی سسرال بھی تھی۔

معلوم نہیں مسز ناجد کہاں ہیں۔ ان کو بھی دُعا۔ اکبر حسین

(۷۱)

الہ آباد۔ ۱۲ر دسمبر ۱۶ء

عنایت فرمائے من زاد مجدکم۔ آپ کو یہ سُن کر افسوس ہوا ہوگا کہ برن صاحب نے خواجہ صاحب کی درخواست پر عذر عدیم الفرصتی کر دیا۔ اگرچہ یہ بھی غنیمت ہے کہ اُردو کانفرنس میں شرکت کی اجازت دی۔ لکھنؤ آنا جائز رکھا۔ اُمید ہے کہ آئندہ الہ آباد آنے کی بھی اجازت بھی دے دیں اور ان کو میں بلاخوف مواخذہ مہمان بنا سکوں لیکن اس وقت نامنظوری ملاقات نے ایسا افسردہ کر دیا کہ غالباً اب وہ لکھنؤ نہ آئیں۔ آتش نے خوب کہا ہے

ذبائے وعدہ کی کس کو امید یار سے ہو کلام بُت ہے کچھ اللہ کا کلام نہیں

خیر آپ سے جو ہو سکے کیجئے اور کرتے رہیئے۔ آپ بھی جب تک اللہ کی مرضی ہے۔ یارانِ طریقت میں داخل ہیں۔

میں نے آپ سے یہاں آنے کی درخواست کی۔ یہ بھول گیا کہ یہ زمانہ آپ صاحبوں کے لئے کس قدر مشغولی کا ہے۔ یہی دن ہیں اور یہی عمر کام کرنے کی ہے۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ اکبر حسین

(۷۲)

الہ آباد ۴ر جنوری ۱۷ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اپنی خیریت لکھئے۔ طبیعت کو تعلق ہے ہمدم میں اردو کانفرنس کا کچھ حال چھپا ہے۔ آپ کا نام نظر نہ آیا۔ خواجہ صاحب ایک دن کے لئے علی گڈھ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ ہم لوگوں کی مشکلیں دور ہوں۔ ہم میں تو اب نازِ فلک اٹھانے کی طاقت نہ رہی۔ عاقبت بخیر ہونے کی

دیکھا ہے۔ آپ کے یہ دو شعر بلحاظ معنی بہت خوب ہیں۔

وہ مدت ہوئی مل چکے ہیں عدو سے ۔۔۔ مری آہ اب تک اثر ڈھونڈتی ہے
نگاہ کرم اس ستم گر کی ناظر ۔۔۔ فقط آپ کی چشم تر ڈھونڈتی ہے

اس مقطع کو آپ خود بھی یاد رکھیے۔ آپ سے ملنے کا آرزو مند ہوں، دیکھیے کب موقع ملتا ہے۔

اکبر حسین

(۷۳)

الہ آباد ۱/۱۱ ۱۷

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ دس پندرہ دن سے مسلسل دورے تبخیر اور درد سر کے ہوتے ہیں۔ رات تین بجے تک سخت بے چین رہا۔ معمولی شکایتیں مزید براں۔ میں نے آپ کو لکھا تھا کہ ایک دن برن صاحب کے یہاں کارڈ بھیج چکا تھا۔ منتظر تھا کہ خلاف توقع تبخیر شروع ہو گئی اور ہاتھ پاؤں بے کار ہو چلے۔ میں بہ مجبوری چلا آیا۔ معذرت لکھ دی تھی۔ لیکن نہ معلوم وہ کیا سمجھے ہوں۔ اسی وجہ سے اب تک عنایت نامے کا جواب نہ لکھ سکا۔ لکھنا بار ہے۔ موت کی گھڑی کی طرح میں مجھ میں آپ میں تو وارد ہوا۔ خواجہ صاحب کا خط ابھی آیا ہے۔ میری عیادت خواجہ صاحب چاہتے تھے۔ میں دو برس سے تامل کر رہا ہوں۔ اجازت ملے تو البتہ۔ عجب وقت ہے۔ عجب مشکلات ہیں۔ طبیعت درست ہو تو مفصل لکھوں۔

دعا گوئے شما
اکبر حسین

لہ میری شاعری کی عمر ہی کتنی ہوئی۔ بہر حال تخلص ناظر رکھا تھا۔ تازہ غزل اس وقت "خبر ڈھونڈھتی ہے" "اثر ڈھونڈتی ہے" کی زمین میں تھی۔

(۷۴)

الہ آباد - ۲۵ر جنوری سنہ ۱۰ء

عزیزی مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ - مدت سے خط لکھنا چاہتا تھا - لیکن نہ لکھ سکا ضعف روز افزوں ہے اور اس کے ساتھ انتشارِ طبع - کسی بات میں دل نہیں لگتا - سنا ہے کہ راجہ صاحب نے انسائیکلو پیڈیا کا خیال چھوڑ دیا - اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم آپ لوگ کچھ نہ کچھ کام کر سکتے - خواجہ صاحب تو خوب کتابیں لکھ رہے ہیں - افسوس ہے - کہ حوادثِ زمانہ نے میرا ان کا ملنا دشوار کر دیا - ارادہ تو کرتا ہوں کہ وسط یا آخر فروری میں دہلی جاؤں اور ٹھہر دل اور ان سے ملوں - کاش آپ بھی ہوں تو خوب ہو - بھائی صاحب کیسے ہیں - اُن کی خدمت میں سلام -

اکبر حسین

(۷۵)

الہ آباد - ۲ر فروری سنہ ۱۰ء

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ - مجھ کو اسی قدر دریافت ہوا تھا - کہ امداد انسائیکلو پیڈیا کی نسبت راجہ صاحب کی آمادگی نہ رہی - بہرکیف اللہ نے آپ کو ایسی قابلیت عطا کر دی ہے کہ عمدہ اور معزز شغل میں وقت کٹے - امید ہے کہ احتیاج کی تحتاجی بھی نہ ہو - اہلِ علم (لٹریری مدمیں) اکثر زیادہ دولت مند نہیں ہوتے - لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کے اطمینان اور خوش حالی کا وقت آنے والا ہے - میں ضعف اور دستوں میں مبتلا ہو گیا تھا - یعنی وہی حالت جو پار سال لکھنؤ میں پیش آئی تھی - تین دن بہت بے چین رہا - آج سکون ہے لیکن ہنوز اطمینان نہیں ہوا - پبلک اور پرائیویٹ دونوں قسم کے تردد اس قدر گھیرے ہوئے ہیں کہ تھوڑا بہت کام جو دماغ سے ہو سکتا وہ بھی نہیں ہو سکتا -

یہ نوبت یا منزلِ ہستی بھی عجیب جگہ ہے۔ روز بروز آپ کو تجربہ زیادہ ہوگا۔ اور چونکہ آپ خیال کرنے والے آدمی ہیں۔ آپ کو لطف آئے گا۔ میں نے لطف لکھ دیا۔ یہ کہنا چاہیئے کہ دائرۂ تعقل وسیع ہوگا۔ یہ تو فرمایئے کہ ہمارے عزیز محترم سید سلیمان صاحب اِن روزوں کہاں ہیں۔ ان کا ایڈریس کیا ہے۔ آپ کے بھائی صاحب کیسے ہیں۔ ان کو سلام عرض کرتا ہوں۔

دو چار دن میں پرتاب گڈھ کا قصد ہے۔ اکبر حسین

(۷۶)

الہ آباد۔ ۱۲ر فروری ۱۹۱۷ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ۲۹ر جولائی سے بیمار ہوں۔ نئی شکایتیں جولاحق ہو گئی ہیں۔ ہنوز موجود ہیں۔ لکھنؤ پہنچتا تو آپ کے دوست حکیم صاحب سے رجوع کرتا۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں۔ آپ نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔ سید سلیمان صاحب کی خیریت پوچھی تھی۔ محرم نامہ آپ نے دیکھا یا نہیں۔ سید سلیمان صاحب کی تحریر ہمدم میں چھپی ہے[1]۔ سچ ہے۔ دونوں کے لٹریری پوزیشن میں بڑا فرق ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسائیکلو پیڈیا سے پہلے اردو ڈکشنری کی ضرورت ہے۔ راجہ صاحب صدر انجمن ہو گئے۔ اطمینان ہوا۔ گھر میں سب کو دعا سلام خاکسار دعاگو اکبر حسین

بلینک درس ہے

شیعہ سنی کا تنغل تھا پہلے پھر سلمان ہو گیا بندہ

---

[1] ۔ محرم نامہ خواجہ حسن نظامی صاحب کے ایک رسالہ کا نام تھا۔ مولانا سلیمان ندوی ایک ممتاز عالم اور مورخ کی حیثیت سے اس پر زبردست تنقید کی تھی۔

پھر رہا چند دن فقط انساں اور بالفعل صرف نیٹو ہوں
خرافات ہے مگر اسی سے دن کاٹتا ہوں۔

(۷۷)

پرتاب گڈھ۔ ۲۶ر فروری ۳۷ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں ۲۹ر جنوری سے اب تک غیر معمولی زکاموں سے تکلیف اٹھا رہا ہوں۔ اس موسم میں اخلاط غیر طبعی کا کچھ ہیجان ہو گیا ہے۔ ناتواں بہت ہوں۔ ایک سلسلۂ ناتندرستی مزاج ہے کہ قائم ہے۔ اس وقت ایک داخت میں درد ہے۔ کھانے میں تکلیف ہے اسی حالت میں پرتاب گڈھ چلا آیا ہوں۔ کچھ افاقہ ہو تو لکھنؤ کا بھی قصد ہے آپ سے ملنے کا آرزو مند ہوں۔ یہ تو فرمایئے کہ مسٹر ہرن بغیر پہلے سے اپائنٹمنٹ[1] کے بھی ملتے ہیں یا نہیں۔ کون دن اور وقت مقرر ہے۔ میں نے تو مدت سے دربارداری ترک کر دی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ضرورت نہیں ہے۔ صحت کی خرابی سے اس کام کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ خاص حالات تھے کہ ہرن صاحب سے دو ایک دفعہ ملا۔ اپائنٹمنٹ ہو جاتا۔ لیکن دیکھتا ہوں کہ ممکن ہے کہ وقت مقررہ میں تیار نہ ہو سکوں۔ آپ نے پچھلے خط میں محرم نامے پر سید سلیمان صاحب کے ریویو کا ذکر لکھا تھا۔ مجھ کو اپنے دوست خواجہ صاحب کے ساتھ ہمدردی ہے۔ اسی روک ٹوک نے جس کے وجوہ آپ کو معلوم ہوں گے ان کو بہت نقصان پہنچایا اور پبلک بھی فوائد سے محروم ہے۔ بہ مجبوری انھوں نے اس طرف توجہ کی اور اپنے لئے ایک ذریعہ نکال لیا اور نہ انکا تصوف کافی سے زیادہ تھا۔ اور ہونا چاہیئے۔ سید سلیمان صاحب دربارِیان

---

[1] یعنی تقرر وقت

ہارون رشید میں ہیں۔ ان کے مذاق کا کیا پوچھنا۔ خواجہ صاحب کا اور رنگ ہے لیکن ہسٹری ان کو مقید نہیں ہو سکتی۔ آپ کو موجودہ شغل مبارک ہو۔ آپ کی قابلیت دیکھ کر زمانہ رضامند ہو گیا کہ آپ کو سنہ ۱۷ء کے سکے دے اور بزم افلاطون میں آرام کرنے کی اجازت دے[1]۔ خدا آپ کو اعلیٰ مدارج ترقی باطنی پر پہنچائے۔ دعا گوئے شما اکبر حسین

(۷۸)

الہ آباد۔ ۲ر مئی سنہ ۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے کارڈ نے میرے سوء ظن کو رفع کر دیا۔ اگرچہ میں خاموش نہ ہوا تھا۔ صبح شام میں آپ کو خط لکھنا ہی چاہتا تھا۔ نہ غرض نہ تعلق نہ معاملہ نہ مقدمہ لیکن کوئی بات تو مشترک ہے کہ مجھ کو آپ کا اور آپ کو میرا خیال ہے۔ جب تک یہ اشتراک باقی ہے (خدا کرے باقی رہے اور روز افزوں ہو بشرطیکہ مضر نہ ہو) لطف باقی ہے۔ میں ۲۳ر مارچ کو سہ پہر کو لکھنؤ پہنچا۔ بمقام امین آباد پارک بالاخانے پر مقیم ہوا بعد فی الفور پیادہ یا براہ راست آپ کے مکان پر پہنچا مایوسی ہوئی۔ جب سنا کہ آپ باندے گئے۔ بھائی صاحب بھی ہمراہ گنج کے لئے پا بہ رکاب تھے آپ کو غالباً اطلاع دی گئی۔ اور میں امید وار رکھا گیا کہ آپ جلد آتے ہیں۔ دوسرے دن برن صاحب سے ملا۔ کیونکہ ملنا ضروری ہو گیا تھا اور یکم اپریل کو واپس آیا۔ ادھر آپ کی نسبت کوئی اطلاع نہ ملی، ادھر حرارت موسم کا خیال تھا اور حاجی صاحب

---

[1] اس وقت افلاطون کی مشہور کتاب (RE PUBLIC) کے ترجمہ کا ارادہ ہوا تھا۔ چند ورق کے بعد کام رک گیا۔

نے وہ بالاخانہ کسی اور کو دے دیا تھا۔ میں ۳ اپریل تک پرتاب گڈھ میں رہا۔ لیکن ۵
ابتدا گرمی کی ہے اپریل سے اب میں گھبرانے لگا کھبریل سے
اسی وجہ سے ۹ اپریل کو یہاں چلا آیا۔ موسم وہی ہے۔ لیکن میں وہ نہیں ہوں
تکالیف روز افزوں ہیں۔ اکثر حصہ وقت کا درد آگیں احساس میں گذرتا ہے۔
دل کسی کام میں نہیں لگتا۔ کیونکہ طول امل کی لذت جاتی رہی اور جس بات میں کچھ دلچپی
ہے اس کے مواقع نہیں ملتے۔ راہیں بند ہیں۔ ڈھائی برس ہو گئے۔ خواجہ
صاحب سے ملا نہیں۔ آپ سے ملاقات ہوتی تو بہت کچھ باتیں ہوتیں۔ طبیعت
کو انبساط ہوتا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اور ترقیاں عطا فرمائے۔ امید ہے کہ
گھر میں سب خیریت ہو۔ اکبر حسین

(۷۹)

الہ آباد۔ ۷ مئی ۱۹۲۰ء

محب اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی غزل خوب ہے۔ ترکیب الفاظ
بہت صاف و صحیح ہے۔ اگرچہ آپ نرے تقلیدی خلاسوفر نہیں ہیں۔ لیکن
شاعری آپ کو زیادہ تر اوریجنلیٹی کی طرف لے جائے گی۔ ابتداءً کچھ عاشقانہ
طرز کا مضائقہ نہیں بلکہ مناسب یہی ہے۔ اس باب میں پھر کچھ لکھوں گا دو
ایک شعر اس غزل میں بالخصوص داد کے مستحق ہیں۔
مسٹر حفیظ پر یہ اعتراض ہوتا کہ انہوں نے خود مجھ کو کیوں نہ لکھا[۲] لیکن اس
خاص موقع پر آپ کی وساطت سے مجھ کو مدد ملی۔ ورنہ شاید تامل ہوتا۔ آپکی

۱۔ یعنی جدت۔ اجتہاد۔
۲۔ حفیظ سید پر حاشیہ اوپر گذر چکا ہے اردو پڑھانے کی شاید کسی کالج میں جگہ خالی ہوئی تھی
میں نے حضرت اکبر کو لکھا تھا کہ آپ کے سرٹیفکٹ سے ان کا کام نکل سکتا ہے۔

تحریک و تصدیق خود ایک سند ہے۔ بہتر ہے کہ آپ ایک سر ٹیفکیٹ لکھ کر بھیج دیں۔ میں بھی اندورس کردونگا[1]۔ میں خود بھی ان کو قابل و لائق سمجھتا ہوں۔ لیکن سر رشتۂ تعلیم کا مجھ کو تجربہ نہیں ہے۔ خدا کرے۔ آپ ہر طرح صحیح و تندرست ہوں۔

دعا گو اکبر حسین

(۸۰)

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ماشاء اللہ۔ آپ نے خوب لکھا۔ دستخط کر کے واپس کرتا ہوں۔ اب کسی قدر افاقہ ہے۔ لیکن کیا اعتبار۔ شاید کچھ اشعار کہئے۔ عبرت کے رنگ میں یا فلسفیانہ۔

الحمد للہ۔ آپ کو علم نے عمر سے بہت آگے کر دیا۔ لیکن یہ فطرتی سنجیدگی ہے۔

ا۔ ح

(۸۱)

الہ آباد۔ ۲۳ مئی ۱۹۱۸ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ معارف میں کلی کی بحث شاید آپ ہی نے کی ہے[2]۔ لیکن اخفائے نام کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی بری بات نہ تھی۔ لیکن منطق تو لفظوں پر ہے۔ ایک گرہ تھی۔ وہ کھول دی گئی۔ فلسفہ نظام کا مضمون بہت صاف ہے۔ ایسی بحثیں کہ خدا اپنا مثل پیدا کر سکتا ہے کہ نہیں۔ مجھے ہمیشہ تعجب میں ڈالتی ہیں۔ کیوں نہ یہ بھی پوچھا جائے۔ اللہ میاں خود کشی کر سکتے ہیں یا نہیں۔

ان غریبوں کو اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر نے چکر میں پھنسا دیا ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ کُلِّ شَیْءٍ کے مفہوم کو نہیں سمجھا

---

[1] یعنی تائیدی دستخط

[2] معارف میں ایک علمی فلسفیانہ مضمون تصورات کلیہ پر نکلا تھا مگر میرا نہ تھا۔

خدا غیر مخلوق مان لیا گیا تو وہ جس کو پیدا کرے گا وہ مخلوق ہوا یا غیر مخلوق۔

آپ نے فلاسفکل اور سائنٹیفک ٹرمس کے مرادف الفاظ اپنی زبان میں وریانت کئے ہیں یا تراشے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ سب کو یکجا کر لیجئے۔ اپنی اپنی تصنیفوں سے متعلق الفاظ کی نسبت اوروں نے بھی ایسا کیا ہے۔ ظفر علیخاں ذاب علی[1] صاحب وغیرہ سب کو لیجئے۔ مجوزہ انسائیکلو پیڈیا کے لئے مواد بہم پہنچے گا۔ اور ان الفاظ کی تعریف بھی گویا فلسفہ ہے۔ کتاب مقبول ہوگی آئندہ اپروونڈ ایڈیشن[2] نکلتے رہیں گے آپ نے نیبولا (NEBULA) کے خیال کو کس لفظ سے ادا کیا ہے۔ میں تو مناسب سمجھتا ہوں کہ یہی لفظ لے لیا جائے اگرچہ اس کی تشریح کر دی جائے۔ الماریاں تو بھری جاتی ہیں۔ سینہ و زبان خالی ہیں یا کچھ نہیں یا وہی انگلش ٹرم یا جز بان ہو۔

آپ کے دوست ...... صاحب کا کیا ہوا۔ انھوں نے تو تصوف کا دامن تھاما تھا۔ ...... صاحب سے محبت تھی۔ نکاح دلی میں ہوتا تھا۔ کیا یہ سب تقیہ تھا۔ ائی اصلہ نے اپنا ثبوت دیا۔

میرے لئے جوانی گداز موسم شروع ہو گیا۔ زندہ رہا تو اگست ستمبر میں ملنے کی امید ہے۔ سید سلیمان صاحب کی بیوی مر گئیں[3]۔ سخت افسوس ہوا۔ انھوں نے مرثیہ میں بعض شعر بہت مؤثر لکھے ہیں۔ بھائی صاحب کہاں ہیں؟ تاہم مقامی

---

[1] یعنی مولوی ظفر علی خاں (مترجم خیابانِ فارس و معرکۂ مذہب سائنس وغیرہ) اور پروفیسر سید ذاب علی ایم اے (مصنف معارج الدین۔ تاریخ صحف سماوی وغیرہ)

[2] (APPROVED EDITION) اصلاح شدہ اڈیشن

[3] مولانا کی دوسری بیوی صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔

ختم ہوئی یا نہیں[1]۔ گھر میں سب کو سلام دعا۔ خواجہ صاحب رسائل کے خوب فکر کر رہے ہیں۔ دعاگوئے شما اکبر

(۸۲)

الہ آباد۔ ۴ر جون ۱۹۱۷ء

عزیزی دحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں خوش ہوا کہ آپ برکلے کا ترجمہ کر رہے ہیں[1]۔ آپ کو خود انشاء اللہ بہت فائدہ پہنچے گا۔ بشرطیکہ آپ کو اس کی پروا ہو۔ میرا مطلب باطنی فائدے سے ہے۔ ہم تو اور ہم کیا تقریباً وہ سب جن کو ہم نے جانا ہے۔ برکلے کی تقریر کو صحیح و دلنشین پاتے ہیں۔ ہمارے نصوت کی کامل تائید ہے۔ کوشش کیجیے گا کہ بیان صاف ہو۔ ابوالکلامی نہ ہو۔ یہ سچ ہے کہ مباحث ہی پیچیدہ ہوں تو کوئی کیا کرے۔ ہندوستان کا پالیٹکس بہت پیچیدہ اور خطرناک ہو جاتا ہے۔ اردو یونیورسٹی بھی اسی میں داخل ہے۔ ہندو دل کا ہوم رول اور ذوق ہندی بھی اس میں داخل ہے۔ بہرحال زندگی بسر کرنا ہے۔ مجھ کو ایک مضمون لکھنا ہے۔ ضرورت خاص تو نبیولا ہی لکھوں گا لیکن صبابۃ النجوم بھی بریکٹ میں لکھ دوں گا[2]۔ خدا وہ وقت لائے کہ آپ کی تصنیفات الماریوں سے سینوں میں اور سینوں سے زبانوں پر پہنچیں۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ کہاں ہیں؟ جون نے جان چھوڑ دی۔ تو جولائی میں شاید ملنا ہو گا۔

اکبر حسین

(۸۳)

الہ آباد۔ ۷ر جولائی ۱۹۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ کی خیر و عافیت

---

[1] یہ ترجمہ (BERKELEY) کے (DIALOGUES) مکالمات کا تھا
[2] ملاحظہ ہو مکتوب ۲۳ میں نے لکھا تھا کہ مجھے نبیولا کے لئے کوئی لفظ نہیں ملا۔ البتہ بعض اہل علم جنابۃ النجوم لکھتے ہیں

نہیں معلوم ہوئی۔ مطلع فرمائیے۔ آپ اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔ یہی وقت کام کرنے کا ہے۔ لہٰذا شکایت نہیں کر سکتا کہ آپ نے خود کیوں نہ تقدیم کی۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔

اکبر

(۸۴)

الٰہ آباد۔ ۲۶ر جولائی سنہ

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ کے خط کا جواب میں اب تک نہ لکھ سکا۔ اس کا مضمون بہت دل چسپ تھا۔ جواب مطول لکھنا چاہتا ہوں اس وقت یہ دو سطریں اس درخواست میں لکھتا ہوں کہ سید سلیمان صاحب لکھنؤ میں آپ سے ملیں اور کانپور کا قصد رکھتے ہوں تو الٰہ آباد میں مجھ سے ملتے جائیں۔ وقت نہ ملے تو خیر۔ ورنہ صرف کا خیال نہ کریں۔ میرا ارادہ لکھنؤ کا ہے۔ ناتوانی و نادرستی سے گھبراتا ہوں۔ الٰہ آباد میں صرف دس پندرہ دن قیام کا قصد ہے۔

اکبر حسین

(۸۵)

الٰہ آباد۔ ۸ر اگست سنہ

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بھائی صاحب کو میری طرف سے لکھنؤ کی تحصیلداری کی مبارکباد دیجئے۔ نہایت خوشی ہوئی۔ میں وہاں ہوتا تو مٹھائی بانٹتا۔ خدا کرے۔ جلد موقع ملے کہ اس خوشی میں شریک ہوں۔

جی ہاں خواجہ صاحب نے میرے پاس بھی کتابیں بھیجی ہیں۔ ابھی ابھی انھوں نے گائڈ ٹو دہلی عطا فرمائی ہے۔ خوب چھپی ہے۔ میں نے لطیفہ کہا تھا کہ خواجہ صاحب حالی سے ماضی کی طرف آ رہے ہیں۔ صوفیانہ وجد چھوڑ کر تاریخ پر مائل ہوئے۔ کیا کریں۔ مجبور ہیں۔ داد کے مستحق ہیں۔ بزور قلم کفالت

عیال کر رہے ہیں۔ اللہ ان کی مدد کرے۔ حضرت اقبال معلوم نہیں کیوں تصوف کے پیچھے پڑے ہیں۔ نیو ایرا میں ان کا مضمون چھپا ہے۔ میں نارمل صوفی کبھی نہیں ہوا۔ نہ قوت نہ ضرورت، لیکن ادبِ عالیہ فلاسوفی تو عالمگیر مذاق ہے۔ اسلامیہ تصوف خود کہتا ہے کہ خلافِ شریعت کچھ نہ ہو۔ خیر دنیا کے رنگ ہیں۔
میرے اشعار کی نسبت آپ کا حسنِ خیال میرے لئے باعثِ فخر ہے۔ جیسا آپ نے فرمایا انتخاب ہو تو حال کھلے۔ آپ سے ملنا ہوا تو گفتگو ہوگی۔ اب دل کی امنگ بہت کچھ کم ہو گئی۔ زمانہ کا رنگ پیشِ نظر ہے۔ فنا کے اثر کو دیکھ رہا ہوں۔ اللہ بقیہ زندگی سہل کرے۔ سید سلیمان صاحب کو میں نے کبھی نہیں دیکھا یا یاد نہ رہا۔ اس سبب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ معارف میں بھی میرے اشعار چھپے ہیں۔ پرچہ ہائے ماسبق میں بعض اشعار کے معنی صحیح نہیں بیان کئے گئے۔ حصہ اول کی بڑی مانگ ہے۔ عدہ ہا درخواستیں پڑی ہوئی ہیں۔ کیا لکھنؤ میں چھپوا سکتا ہوں۔ مشورہ دیجئے اور یہ بتائیے کہ کس مطبع میں چھپوائیں بلکہ ممکن ہو تو ۵۰۰ اور ۱۰۰۰ جلدوں کا تخمینہ مصارف مرحمت ہو۔ پروف دیکھنا بڑا کام ہے۔ اس کے لئے مجھے قیام کرنا ہوگا۔ میں کل سے بھی صفراوی دستوں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ قصد تو ہے۔ لیکن سنا کہ شدت سے ارتقا سے لکھنؤ کی آب و ہوا خراب ہو رہی ہے۔ زندگی ہے تو انشاء اللہ جلد حاضر ہوں گا۔ امین آباد میں کوئی ٹھکانا ہمارے دوست کا خالی نہیں وہ اپنے گھر امین الدولہ کے احاطے میں ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ قیصر باغ میں افتخار حسین صاحب کے ہاں ٹھہروں۔ اپنے

لہ (FORMAL) یعنی باضابطہ (NEW ERA) لکھنؤ کا نام دو سلم ہفتہ دار کامریڈ کا جانشین۔ صرف چند مہینے زندہ رہ سکا

گھر میں میری دعا فرما دیجیے۔ اور سب کو ما وجب۔ آپ نے افلاطون کے ری پبلک سے فرصت پائی یا نہیں یہ نہایت عمدہ شغل تھا۔ دعاگو اکبر حسین

(۸۶)

الٰہ آباد۔ ۱۹ ر اگست ۱۹۱۰ء۔

عزیزی وحبیبی زاد لطفہ۔ آپ نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔ جس میں میں نے پوچھا تھا کہ حصہ اول کلیات کے چھپنے کا انتظام وہاں ہو سکتا ہے یا نہیں خیر اگر وہاں آیا تو دیکھا جائے گا یا نہیں انتظام کر لوں گا اس سال دردِ سر نے مجھے تکلیف دے رکھی ہے۔ دن دن بھر اور رات رات بھر بے چین رہا۔ سقوطِ اشتہا بھی اس کے ساتھ۔ طبیب کی ضرورت ہوئی۔ اب تو کچھ تخفیف ہے لیکن اعتبار نہیں۔ پچھلے خطیب میں ایک آرٹیکل چھپا ہے۔ آپ کا نام بھی ہے۔ چونکہ مجھ کو آپ سے ذاتی محبت ہے۔ اور آپ کے میلانِ طبع سے جو اس وقت تک ظاہر ہوا ہے کسی قدر آگاہ ہوں۔ لہٰذا آپ کی براءت تو دل میں آتی ہے لیکن عموماً یہ اعتراض صحیح ہے اگرچہ اس کا کچھ علاج نہیں۔ زمانے کی رفتار ہے۔ جو شخص صرف فلسفے میں پناہ لیتا ہے۔ اس پر میں زیادہ تعجب نہیں کر سکتا۔ حیرت تو اس پر زیادہ ہے جو جانشین رسول بن کر اکابر کو گالیاں دیتے ہیں۔ اپنی خود سمجھتے ہیں ان میں ہمارے حضرت داخل ہیں۔ تماشا یہ کہ دار طلب ہوتے ہیں۔ آدمی اپنا پوزیشن بھی تو دیکھے۔ ایک یا چند اشخاص کے کسی ضعیف و مبہم قول کی گرفت کر کے کل سلسلۂ تصوف پر جو ایک زبردست اور عالمگیر اور قدیم فلاسوفی ہے۔ اعتراض کرنا محض رکاکت ہے۔ اکابر صوفیہ قرآن ہی کے مفسر ہیں بھائی صاحب کو تسلیم۔ یہ خط محض پرائیوٹ ہے۔ اکبر حسین

ف۔ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ،،

(۸۷)

الٰہ آباد۔ ۲۵؍ اگست سنہ ۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ الحمد للہ کہ آپ کے گھر میں طبیعت صحیح ہے۔ بیٹا مبارک ہو۔ خدا عمر دراز کرے۔ آپ نے حیدرآباد[1] جانے کا کیا فیصلہ کیا اہل کمال کا تو اب وہی مرکز ہے۔ آپ کی صحت بہت اچھی نہیں ہے۔ اس کے سوا اور تو کچھ خیال حیدرآباد جانے میں نہیں ہو سکتا۔ گھر بیٹھے کام ملے تو کیا پوچھنا لیکن شاید ایسا نہ ہو سکے۔ تنخواہ بہت اچھی ہے۔ آخر آپ نے کیا فیصلہ کیا اگر آپ تحریر کیجئے تو خطیب کا پرچہ بھیج دوں۔ بعد ملاحظہ واپس کیجئے گا۔ معلوم نہیں کس نے لکھا ہے۔ نیو ایرا میں ایک آرٹیکل خواجہ صاحب کے خلاف چھپا تھا اور اقبال صاحب کا ایک مضمون تصوف کے خلاف۔ اقبال صاحب کی طبیعت نے عجیب تنگ اور بے سود راہ اختیار کی ہے۔ دیدنی ہے۔ جہان رنگا رنگ آپ کو تو شعر کہنے کی فرصت نہ ملتی ہوگی۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ میں اب کسی قدر اچھا ہوں۔ لیکن اس کا کیا اعتبار سواد گر رہا نے ہے۔ مسٹر برن صاحب جاتے ہیں۔ معلوم نہیں پھر اپنے عہدہ پر آتے ہیں یا نہیں۔ خواجہ صاحب شاید شملے پر ہیں۔ آپ مرزا واجد حسین صاحب یاس سے آگاہ ہیں۔ ان کا ایڈریس کیا ہے۔

دعا گوئے شما

اکبر

---

[1] جامعہ عثمانیہ قائم ہو رہی تھی اور اس سے قبل ایک سررشتہ تالیف و ترجمہ کھل رہا تھا۔ میں اس میں بہ حیثیت مترجم فلسفہ بلایا گیا۔ مشاہرہ ۳۰۰ روپے سے شروع ہوتا تھا لیکن میں ملازمت کے نام ہی سے گھبرانے لگا تھا۔

(۸۸)

الہ آباد۔ ۲۸؍ اگست ۱۹۱۷ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے خوب لکھا۔ مرزا یاس کی نسبت۔ بھلا دیکھیے تو جو شخص حافظ کو بد کہے۔ اس کو کیا کہوں۔ مگر مجبوری ہے۔

افسوس ہے کہ آپ سے مجھ سے قبل روانگی حیدرآباد ملاقات نہ ہو گی۔ خیر اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ میں کیا۔ میری زندگی کیا ؏

فلک مشتاق ہے پیہم نیا جلوہ دکھانے میں
زمیں کو دیر کیا گزرے ہوؤں کو بھول جانے میں

لکھنؤ پہنچا تو آپ کے بغیر سونا نظر آئے گا۔ خطیب بھیجتا ہوں۔ بعد ملاحظہ واپس فرمائیے۔ حیدرآباد سے خط لکھیے گا۔

اکبر

راجہ غلام حسین صاحب[1] کا انتقال عبرت انگیز ہے۔ وہ مجھ سے بھی ملے تھے لیکن بھول جانے میں دنیا کو دیر نہ لگے گی۔ کیا راز مستی ہے۔ خدا غور کی فرصت دے۔ معلوم ہوا کہ آپ کے دوست خواجہ صاحب کو چیف کمشنر نے اپنے صوبہ میں قید نگرانی سے بری کر دیا۔ کاش یہاں بھی ایسا ہو۔ برن صاحب لکھنؤ کب آئیں گے۔ کب تک رہیں گے؟

(۸۹)

الہ آباد۔ یکم ستمبر ۱۹۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ چاہتا تھا کہ امام ضامن باندھ کر آپ کو رخصت

---

[1] راجہ غلام حسین پنجابی علیگ انگریزی کے ممتاز مضمون نگار۔ صحافی "کامریڈ" میں محمد علی کے خاص رفیق کار نیو ایرا لکھنؤ کے ایڈیٹر تھے۔ عین عالم شباب میں ایک شام کو اچھے خاصے سڑک پر پیدل چلے آ رہے تھے کہ پیچھے سے ایک بھاگتے ہوئے گھوڑے نے آ کر ٹکر دی۔ اچھل کر پختہ سڑک پر گرے۔ سر پھٹ گیا۔ ہسپتال جا کر وفات پا گئے۔

رخصت کر دی۔ لیکن ہنوز قابلِ سفر نہیں ہوں۔ اپنی خیریت لکھئے گا۔ اقبال صاحب بھی جا رہے ہیں۔ ان کو حیدری صاحب نے بلایا ہے۔ اقبال صاحب کو آجکل تصوف پر حملے کا بڑا شوق ہے۔ کہتے ہیں کہ عجم کی فلاسوفی نے عالم کو خدا قرار دے رکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ خلافِ اسلام ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کیا ترنگ ہے۔ اسلام نے تو لیس کمثلہ شیئ کہہ دیا ہے آخر کتاب سٹک فلاسوفی^ے کی مکحول نے جو آکسفورڈ میں پروفیسر ہے۔ حال میں شائع کی ہے۔ مبسوط کتاب ہے۔ آپ کے دوست برگسن تک کا اس میں نوٹس لیا ہے کثرت میں وحدت۔ وحدت میں کثرت ثابت ہے۔ ہندو فلاسوفی کو اسلام پر اعتراض ہے کہ اس نے خدا کو الگ سمجھا ہے۔ حالانکہ اسلام نے یہ کیا ہے نہ وہ کیا ہے۔ ہم کو یہ بحث ہی نہ چاہیئے اور اس کا نتیجہ کیا۔

آپ حکما اور فلاسفروں کے گروہ میں ہیں۔ ہم لوگوں سے محبت سے پیش آتے ہیں۔ اس سبب سے ایک تعلق دلی آپ کے ساتھ ہے ورنہ دنیا ہو چکی بے کار محض ہیں۔

اکبر

(۸۹) الف

بنام مولوی عبدالمجید صاحب برادرِ کلاں مکتوب الیہ

الٰہ آباد ۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۱۸ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ عزیزی عبدالماجد صاحب جا چکے ہوں گے۔ الحمدللہ کہ صورت معقول پیدا ہو گئی۔ عزت نامور ی کا کام ہے۔ تمانِ علم قائم ہو گئی۔

لہ میں سفر حیدرآباد پر روانہ ہو رہا تھا۔

ے MYSTIC PHILOSOPHY یعنی صوفیانہ فلسفہ۔ کتاب کا پورا نام RELIGION AND REALITY ہے۔

اپنا خیال ہے کہ ان کی صحت اچھی نہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وطن ہی میں رہ کر خدمت انجام دینے کی اجازت حاصل کر لیں۔ بہرحال دُعا ہے کہ اللہ کامیاب کرے۔ دل چاہتا تھا کہ میں بھی ان کی رخصت میں حاضر ہوں۔ لیکن نادرستی طبیعت نے مجبور کیا آپ کی قائم مقامی تحصیلداری لکھنؤ سے دل کو نہایت مسرت ہوئی۔ انشاء اللہ مستقل بھی جلد ہو جائے گی۔ ماجد میاں کا حیدرآباد کا کیا پتہ ہے۔ اپنی خیریت اور حالات سے بھی مطلع فرمائیے۔ خدا کرے جلد ملاقات ہو۔ کچھ آپ کو معلوم ہے۔ برن صاحب کب رخصت پر جائیں گے اور لکھنؤ کب آئیں گے

آپ کا نیاز مند دعاگو
اکبر حسین

(۹۰)

الہ آباد۔ ۳ اکتوبر ۱۷ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کا کارڈ نور احمد خاں صاحب کے نام ابھی پہنچا۔ شام کو وہ آئیں گے تو دے دیا جائے گا۔ میری رائے میں ان کی ناواقفی ہے کہ انھوں نے نوکری وہاں چاہی ہے لیکن آپکی رفیق نوازی اور محبت وطن نے ظاہر ہو کر دل کو مسرت بخشی۔ میں نے بھائی صاحب سے آپ کا پتہ دریافت کر لیا تھا۔ میں خط لکھنے کا قصد ہی کرتا رہ گیا۔ نور احمد خاں صاحب نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ آپ کے عہدہ کا کیا نام ہے۔ کیا تنخواہ ہوئی۔ آپ نے کچھ تحریک کی ہے کہ وطن ہی میں آپ کام کیجیے؟ امید ہے کہ آپ تندرست ہوں۔ اس سال کی برسات میں میری صحت نہایت خراب رہی۔ دنیا سے تعلق پر تو شاید دم آخر تک مجبوری ہے۔ لیکن دل کو نہایت یکسوئی ہوتی جاتی ہے۔ خواجہ صاحب کو شاید حکام

کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا۔ خیلے میں ہیں۔ لکھا ہے کہ دو ہفتے کے اندر الہ آباد آؤنگا قریباً تین سال سے اُن سے ملاقات نہیں ہوئی۔ زندگی ہوئی تو انشاء اللہ آپ سے بھی ملوں گا۔ نواب عماد الملک صاحب[1] سے آپ ملے ہوں گے۔ طباطبائی صاحب[2] بہت ذی علم اور زبان داں ہیں۔

اکبر حسین

(۹۱)

الہ آباد۔ ۲۰ر نومبر ۱۹۱۷ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ میں دل لگا ہوا تھا۔ بھائی صاحب سے پتہ پوچھا تھا۔ ان کا اور آپ کا خط دونوں ایک ساتھ پہنچے۔ خدا آپ کو صحت و عافیت سے رکھے۔ اس علم و دانش کے ساتھ یہ سنجیدگی ہر ایک کے حصہ میں نہیں ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ دلوں میں آپ کی جگہ ہے۔ الہ آباد میں اخبار متوحش سن کر میں پرتاب گڈھ چلا گیا تھا۔ ۲۰ر اکتوبر سے ۱۲ر نومبر تک وہیں رہا۔ احباب لکھنؤ بھی متوقع تھے۔ لیکن نہ جا سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے بغیر لکھنؤ میں مجھ کو اداسی نظر آتی ہے۔ بہر حال ارادہ ہے کہ مارچ میں جاؤں۔ عزیز صاحب سے ملوں نواب نور الحسن خاں مرحوم کے یہاں تعزیت کروں[3]۔ اب الہ آباد میں سکون[4] ہے۔ باہم کشیدگی تو چندے رہے گی۔ حصہ اول کا پانچواں اڈیشن چھپ رہا ہے۔ حصہ سوم ہنوز نامکمل ہے۔ حصہ دوم کی ایک کاپی روانہ کی جاتی ہے۔ خواجہ

---

[1] یعنی مولوی سید حسین بلگرامی بی اے بڑے ذی علم اور حیدرآباد کے مشاہیر میں تھے۔

[2] یعنی مولوی سید علی حیدر طباطبائی حیدر یار جنگ شارح دیوان غالب وغیرہ۔

[3] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی مرحوم کے فرزند اکبر۔ خود بھی بڑے علم دوست صوفی منش بزرگ تھے۔

[4] ہندو مسلم فساد کی طرف اشارہ ہے۔

حسن نظامی سے تین سال سے نہیں ملا۔ دل بے چین ہے۔ اس وقت وہ حیدرآباد میں ہوں گے۔ وسط دسمبر میں شاید یہاں آسکیں۔ دیکھئے آپ سے کب ملنا ہوتا ہے۔ مصطلحات علوم و فنون کو جمع کرتے رہیئے۔ لاجواب اور ضروری مجموعہ ہوگا۔ لکھنا تو بہت کچھ تھا مگر کہاں تک لکھ سکتا ہوں۔ اپنی خیریت کبھی کبھی لکھتے رہیئے نہ معلوم۔ میں کیوں اب تک زندہ ہوں۔ حیرت اور فنا۔ امید و غفلت کا مزہ۔

آپ کا دعاگو اکبر

(۹۲)

الہ آباد ۶ر جنوری ۱۹۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ کی خیر و عافیت نہیں سنی مکالمات برکلے کے ترجمے کی داد دیتا ہوں۔[۱] ظاہری داد کی کچھ ضرورت نہیں یہ تو ظاہر ہے کہ اس وقت فلسفیانہ رنگ میں آپ سے زیادہ صاف اور سلجھی ہوئی طبیعت کسی کی نہیں پاتا۔ بیان میں کچھ پیچیدگی ہو تو اصل مدعا ہی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ پڑھنے والے اور سمجھنے والے اور فائدہ اٹھانے والے بہت کم ہیں۔ آپ کہاں سے میں روحانی داد دیتا ہوں۔ غالباً یہی سبب ہے کہ باوجود ظاہری بیگانگی کے خواجہ صاحب آپ کی طرف مائل ہوئے اور میں بھی کچھ ایسا ہی ہوں۔ مجھ پر تو اب زندگی بار ہے۔ عجب تو دیں ہوں۔ عجب وقت ہے۔ اکبر حسین

رعایا و گورنمنٹ کی باہمی کشمکش سخت مضرت رساں ہے لیکن فطرت کچھ کر ہی رہی ہے۔

---

[۱] ترجمہ کی پہلی قسط معارف اعظم گڈھ میں شائع ہوئی تھی۔

(۹۳)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے بالکل بھلا دیا۔ میں نے اپنے خط کا جواب بھی نہ پایا۔ اپنی خیریت لکھئے۔ میں اپنا حال کیا لکھوں۔ چراغِ سحری ہوں۔ آپ کی مفارقت کا افسوس ہے۔ خواجہ صاحب سے کبھی یاد اللہ ہوتی ہے یا نہیں؟

اکبر حسین۔ ۲۷ر فروری ۱۸ء

پرتاب گڈھ میں عشرت کے پاس آیا ہوں۔ کل واپسی کا قصد ہے۔ عشرت سلام شوق کہتے ہیں۔

(۹۴)

الہ آباد۔ ۲ر مئی ۱۸ء

عزیزی حبیبی، سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے دل خوش ہوا۔ خدا آپکو خوش رکھے۔ اس سال میں نے اپنے آپ کو زیادہ ناتواں پایا۔ لکھنؤ نہ جا سکا جیتا رہا تو بشرط توانائی اکتوبر میں قصد کروں گا۔ اگر نہ آسکا تو آپ سے درخواست کروں گا کہ دو ایک دن کو مل جایئے۔ آپ نے بر کلے کو پسند کیا اور میرے دل میں زیادہ جگہ پائی۔ زیادہ لکھ نہیں سکتا۔ حالیؔ کی نسبت آپ نے جو لکھا[۱] وہ بات آپ کی نسبت بھی صادق آتی ہے۔ اس مضمون میں خلم محبت رقم نے آخر میں میرا نام بھی سالک و شیفتہ کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ یا شاید اڈیٹر صاحب کی غیر ضروری مداخلت ہے۔ خواجہ صاحب ۳ سال کے بعد تین دن کو آئے تھے۔ خدا جلد آپ کا دیدار دکھائے اور کیا لکھوں۔ کبھی کبھی یاد کرتے رہیئے۔

اکبر حسین

---

[۱] حالی کا رنگ تغزل۔ اس عنوان سے میرا مضمون رسالہ ذخیرہ حیدر آباد میں نکلا ہے۔

(۹۵)

الہ آباد۔ یکم جون ۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی مفارقت شاق ہے۔ ملنے اور باتیں کرنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ آپ نے دلوں میں محبت کے ساتھ جگہ پائی ہے۔ خدا اس رنگ کو قائم رکھے۔ اپنی خیریت لکھئے۔ پھر مفصل خط لکھوں گا۔ اس وقت گرمی نے حواس غائب کر دیئے ہیں۔ معلوم نہیں مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کس انتظام میں ہیں[1]۔ مدت سے خط نہیں آیا۔ آپ کے بھائی صاحب اب کہاں ہیں۔ میری شکایتیں اس سال ایسی رہیں کہ لکھنؤ نہ جا سکا۔ چراغِ سحری سمجھیئے۔ اکبر حسین۔

(۹۶)

الہ آباد۔ ۱۱ر جون ۱۸ء۔

عزیز مکرم۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں خوش ہوا کہ آپ نے اس مضمون کو حرف بحرف پسند کیا[2]۔ بے ساختہ قلم سے ٹپک پڑا تھا۔ سید سلیمان صاحب شوق و اصرار سے لے گئے تھے۔ میرے پاس تو صدہا قطعات اور مثنویاں موجود ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔ اقبال صاحب نے جب سے حافظ شیرازی کو علانیہ بُرا بھلا کہا ہے۔ میری نظر میں کھٹک رہے ہیں۔ ان کی مثنوی اسرارِ خودی آپ نے دیکھی ہوگی۔ اب مثنوی رموزِ بیخودی شائع

---

[1] حیدرآباد کے مشہور علم دوست ادب نواز اسلام دوست رئیس سابق وزیرِ اعظم

[2] شریعت و طریقت کی جنگ اس وقت بڑے زوروں پر دلی و لاہور کے اخبارات اور رسالوں میں جاری تھی۔ حضرت اکبر نے ایک نظم مصالحانہ و مصلحانہ انداز کی لکھی معارف میں شائع ہوئی۔ میں اس وقت تک اگرچہ ملحد تھا۔ اور شریعت و طریقت دونوں سے بیگانہ تاہم اس جنگ سے تنگ آگیا تھا۔ حضرت اکبر کو اس نظم کی بڑی داد لکھ بھیجی۔

ہوئی ہے۔ میں نے نہیں دیکھی۔ دل نہیں چاہا۔ خط و کتابت ہے لیکن میں ان کے انقلاب طبیعت سے خوش نہیں ہوں۔ ہونا اچھا تھا یا برا۔ بہر کیف کوئی سیریس[1] معاملہ نہیں ہے۔ دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے اور ان روزوں تو طوفان اختلاف برپا ہے

میں سمجھتا تھا براقِ راہ عرفاں   چو دُم برداشتم لیڈر برآمد

خدا آپ سے ملائے تو بہت باتیں ہوں گی۔ آپ نے اپنی نسبت جو کچھ مجھ کو لکھا ہے۔ اس نے مجھ کو اندیشہ ناک کر دیا۔ غصے اور سختی کو ہرگز نہ ڈھیل دیجیے گا[2] ادفع بالتی ھی احسن۔ مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کا خط آیا ہے۔ انکا کوئی لڑکا ہنوز علیل ہے۔ آپ کبھی طباطبائی صاحب سے ملے۔ بڑے قابل بزرگ ہیں مدت سے ان کا خط نہیں آیا۔ اب تو کسی بڑی ممتاز جگہ پر ہیں۔ ظفر علی خاں صاحب[3] سے ملیے تو میرا اسلام شوق کہیے۔ وہ پرجوش مسلمان ہیں لیکن موم کی ناک بھی ہیں۔ ان کی کیا تنخواہ ہوئی۔ کس عہدہ پر ہیں۔ شرر صاحب[4] تو نہایت خوش ہوں گے۔ جنگ اور رنگروٹ اور چندے اور سخت گرانی کے سوا یہاں آجکل کچھ ذکر نہیں اللہ فضل کرے۔ جب آپ کو فرصت ملے دو چار شعر موزوں کر لیا کیجیے۔ اردو[5] پر آپ نے خوب لکھا۔ محسن الملک صاحب کے ایما سے میں نے بھی ایک بڑا مضمون لکھا تھا۔ ایک واقف کار مسلمان کے نام سے چھپا تھا۔ چونکہ میں اس

---

[1] (SERIOUS) یعنی اہم مہتم بالشان

[2] حیدرآباد کے اخبارات میں اس وقت میری مخالفت بڑے زوروں سے ہو رہی تھی۔

[3] مشہور اخبار نویس مترجم اور لیڈر۔ اس وقت حیدرآباد میں بطور مترجم آگئے تھے۔

[4] یعنی مولانا عبدالحلیم شرر۔ وہ بھی اس وقت حیدرآباد میں ایک اونچی خدمت پر مامور تھے۔

[5] اردو رسم الخط کی تائید میں میں نے اس وقت کے مشہور انگریزی روزنامہ نیو انڈیا (مدراس) میں مضامین لکھے تھے اور اردو اخبارات میں بھی ان کا چرچا رہا تھا۔

وقت مرزا پور میں سشن جج تھا۔ اور سر انٹنی میکڈانل کی گورنمنٹ حامی ہندی تھی۔
اس سبب سے میرا نام نہیں ظاہر کیا گیا۔ وہ مضمون قابلِ دید ہے۔ علی گڈھ میں
کہیں ہوگا۔ لیکن ان مضامین سے کیا ہوتا ہے۔ پالیسی اور ہے۔ زمانہ کی رفتار
اور ہے۔ ہندوؤں کی یہ بے امتیازی دیکھ کر ایک بات تسکین دہ ضرور دل میں
آتی ہے۔ وہ یہ کہ ایسی قوم کو غلبہ نہیں ہو سکتا۔ پولٹیکل غلبہ مقصود ہے۔ میں
روز افزوں ضعف محسوس کرتا ہوں۔ چراغِ سحری سمجھئے۔ آپ جیسے عزیزوں سے
کچھ حظِ زندگی ہے۔ خواجہ صاحب سے خط وکتابت رہتی ہے۔ اکبر
ایک صاحب ملنے آ گئے۔ ورنہ کچھ اور لکھتا۔

(۹۷)

الہ آباد۔ ۱۳ر جون ۱۹۱۸ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ظفر علی خاں صاحب اور حضرت شرر
کا ایڈریس کیا ہے۔ شاید مجھ کو ضرورت ہو۔ یہاں بارش شروع ہو گئی ہے۔ وہاں
کیا حال ہے۔ آپ کی صحت کیسی ہے۔ خدا کرے آپ تندرست ہوں۔ آپ نے
جس مضمون کو حرف بہ حرف صحیح تصور فرمایا۔ درحقیقت بے تکلفانہ لکھا گیا تھا۔
کسی کی طرفداری نہیں کی گئی۔ راہ چلتا بھی کہہ دیتا ہے کہ بھائیو دیکھو۔ آپس میں
لڑنے وقت نازک ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ IT HA WOONDED THEIR PRIDE
سلیمان صاحب کی پسند تھی۔ میں خواہانِ اشاعت نہ
تھا۔ بہرحال خیال رکھئے گا۔ ذکر ہو تو میری صفائی کی جائے۔ بے مجھے کیا غرض ہے
اکبر حسین

لہ۔ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۹۶ کا حاشیہ
لہ یعنی ان کے جذبۂ خودی کو صدمہ پہنچا ہے۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب کی طرف اشارہ ہے۔

(۹۸)

الہ آباد - ۲۱ر جون ۱۹۱۰ء

عزیز دل با سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ابھی آپ کا خط پہنچا۔ بے ساختہ مولانا نیاز احمد صاحب قدس سرہ کے ایک شعر پر میں نے تضمین کی ؎

دل میں مرے تو ہو اک امید کا قصیدہ	ماجد کو آپ سمجھیں بیگانۂ طریقت
ارشاد کر گیا ہے اک عبد برگزیدہ	ہیں غالباً مصداق وہ اس شعر با اثر کے
آہوئے دشت ہیم از ناسزا رمیدہ	من پاکباز عشقم ذوق فنا چشیدہ

کچھ صاف نہ معلوم ہوا کہ کیا ہو رہا ہے[1]۔ اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ محسن الملک کی فرمائش سے میں نے سر انٹنی میکڈانل کے زمانہ میں بلا اظہار نام اردو ہندی پر ایک مضمون لکھا تھا۔ انھوں نے پمفلٹ چھپوا دیا تھا۔ ایک مسلمان واقف کار کی رائے۔ یاد نہیں کہ کون سنہ تھا۔ شاید ۹۸ء یا ۹۹ء ہو۔ اس میں کچھ ظریفانہ ریمارک بھی تھے۔ ممکن ہے کہ انقلاب زمانہ کے سبب سے کچھ ریمارک اب غیر متعلق ہو گئے ہوں۔ لیکن بعض خیالات غالباً دلچسپ ہوں گے۔ میں خود بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ شاید علی گڈھ کے دفتر میں کچھ پتہ چل جائے۔ کوئی کاپی مل جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ ڈاکٹر اقبال پندرہ سو کی تنخواہ پر حیدر آباد گئے یا جاتے ہیں۔ خدا جانے صحیح ہے یا غلط۔ انھوں نے تو کچھ لکھا نہیں۔ ظفر علیخاں صاحب کی کیا تنخواہ ہوئی؟ آپکا خیر طلب۔ اکبر حسین

خواجہ صاحب آپ کے محب اور دعاگو ہیں۔ آپ کی نیکی ہے اور سعادتمندی ہے کہ ایسے دلوں میں آپ کو خدا نے جگہ دی ہے۔ امید ہے کہ خدا کے لطف پنہاں سے آپ محروم نہ رہیں۔

---

[1] میری مخالفت حیدر آباد میں ابتک زور شور سے قائم ہے۔ حضرت اکبر نے یہ اشعار عین میرے زمانۂ الحاد میں کہے تھے اور یہی بات یاد رکھنے کی ہے۔

(۹۹)

الہ آباد۔ ۶؍جولائی ۱۸ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مولانا شرر کی تحریر سے معلوم ہوا کہ اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں رہا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آپ عدیم الفرصت ہوں گے۔ ورنہ عرض کرتا کہ کبھی دو چار شعر کہہ لیا کیجیے۔ ۱۳ء میں برگسن کا اکسپلوزیشن شایع ہوا ہے۔ میرا دل تو اب بند نہیں لگتا۔ کہاں تک ذہن کو قلابازیاں کھلاؤں۔ افلاطون سے لے کر کانٹ ہیگل اور ہکسلے تک سب کا عروج و زوال دیکھا۔ لفاظیاں اور خیال آرائیاں ہیں۔ برگسن کی بھی عمر ہے جو دل نشین ہو جائے۔ وہی سب کچھ ہے۔ میں نے تو کہہ دیا ہے۔

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

بہرحال کتاب دلچسپ ہے آپ نے ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ کہتا کہ اپنے دوست کی طرف[1] سے جواب لکھیے۔ مگر نہ موقع نہ ضرورت نہ تعلق۔ آپ میں تو خود ریویو کی قوت ہے۔ ہم لوگوں کی پولیٹیکل حالت بالفعل بہت تاریکی میں ہے۔ خدا رحم فرمائے۔ طبیعت اکثر نادرست ہو جاتی ہے۔ زندہ رہا تو آپ سے مل کر مسرت حاصل کروں گا۔ اپنی خیریت لکھیے۔ اپنا دعا گو سمجھیے۔ اکبر

حبیب الرحمن صاحب[2] سے آپ سے علی گڑھ کی ملاقات ہوگی۔

---

[1] یعنی برگسان مشہور فرنچ فلسفی کی طرف سے۔ کسی نے ان کی تردید و تنقید میں کوئی کتاب لکھی تھی۔

[2] یعنی مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی سے جو بعد کو نواب صدر یار جنگ بہادر ہو گئے۔ اس وقت نئے نئے حیدر آباد صدر الصدور امور دین ہو کر آئے تھے۔

(۱۰۰)

الہ آباد - ۳ر جولائی ۱۸ء

عزیز محترم سلمہ اللہ تعالیٰ! آپ کے معاملہ میں دل لگا ہوا ہے۔ خدا کے حفظ میں دامان میں رہیئے۔ یہ دعا ہے۔ معلوم نہیں ظفر علی خاں سے توسل مراسم رہا یا نہیں۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اس مضمون سے وہ کبیدہ ہیں۔ حالانکہ مجھ کو انکا خیال مطلق نہ تھا۔ ان کی رائے بجا اور معتدل تھی۔ شکایت . . . . صاحب سے تھی جنھوں نے پرائیوٹ مراسلت میں کلیتہً طریقت باطنی کی توہین کی تھی۔ لیکن وہ مضمون درحقیقت ایک مشورہ تھا۔ تصوف کی کوئی حمایت نہ تھی۔ بلکہ ان کے خلاف تھا۔ میں ظفر علی خاں صاحب کا بد اندیش نہیں ہوں۔ بہرحال مطلع رہیئے۔ دنیا اپنے رنگ پر چلتی ہی رہی ہوگی۔ مجھ کو تو اب ایسے تعلقات کی ضرورت ہی نہیں۔ نہ داد کی پروا خدا آپ ایسے دو چار عزیزوں کو سلامت رکھے۔ آپکا ریمارک اپنی نسبت نیرنگ میں دیکھا تھا
خواجہ صاحب سے مراسلت ہوگی۔ آپ کے بھائی صاحب کا بھی خط آیا تھا۔ اشتیاق ملاقات ظاہر کیا ہے۔

اکبر حسین

(۱۰۱)

الہ آباد - ۱۳ر جولائی ۱۸ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کل ظفر علی خاں صاحب کا خط مدت کے بعد آیا۔ بہت محبت آمیز اور خوردانہ پہلو کو لئے ہوئے ہے۔ اطلاعاً آپ کو لکھ دیا خدا خانہ جنگی سے بچائے۔ سب متحد الخیال نہیں ہو سکتے۔ حاجی نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے آگرہ سے لکھا ہے کہ میں آپ کی لائف لکھنا چاہتا ہوں۔ وہیں عشرت منزل میں قیام کروں گا۔ عشرت سلمہ نے اجازت قیام دے دی۔ لیکن میری لائف تو میرے اشعار ہی میں ہے۔ آپ کے ریمارک بہت معنی خیز ہیں۔ کاش آپ بھی کبھی کچھ تحریر فرمائیں۔ یہ فرمایئے وطن آنے کی کب امید ہے۔ دنیائے فانی پر نظر کرتا ہوں تو سب ہیچ نظر آتا ہے۔ آپ کو میں نے اسی عقیدے سے موافق پایا کہ فنا پر آپ کی نظر ہے۔ اسی میں سب کچھ ہے۔ آپ کے سوا کسی نے مجھ کو

اِن اشعار کی داد نہ دی سے دنیا میں جسے جو پیش آیا اکبر۔
بس اس کے مطابق اس کی حالت بھی ہوئی۔ دعا گوئے شما
اکبر حسین

(۱۰۲)

الہ آباد۔ ۲ر اگست ۱۹۱۸ء
عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ کی خیر و عافیت نہیں سُنی۔ یہ کیا تماشا ہوا۔ زخیرہ بند کر دیا گیا۔ ہوش صاحب آپ کے ساتھ کمال ہمدردی ظاہر کرتے ہیں۔ شرق میں آپ کا ڈفنس چھپا ہے[1]۔ امید ہے کہ اب خطرہ باقی نہ ہو۔ میں تو دنیا اور اس کے تعلقات سے بیزار ہو گیا ہوں۔ پریشان ہوں۔ آپ ایسوں سے کچھ مسرت ہوتی ہے۔ مگر آپ ملتے کہاں ہیں۔ بہر کیف اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے۔ کوئی کہتا تھا کہ حضرت جالب بھی حیدر آباد جانے والے ہیں۔ آپ کا دعا گو اکبر حسین

حاجی نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب میری لائف لکھنے پر مصر ہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ لائف ختم تو ہو جائے۔ اشعار سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے میں کیا اور میری لائف کیا۔ فنا فنا فنا۔ آپ کی محبت و عنایت کے خیال سے ایک سرور محسوس کرتا ہوں۔ اکبر

---

[1] شرق کے نام سے ایک مفتہ وار گورکھپور سے حکیم برہم کی اڈیٹری میں نکلتا تھا۔ اس میں میرے دوستوں اور ہمدردوں نے جوابات میری حمایت و نصرت میں لکھنے شروع کئے تھے بعض مضمون خود میرے ہی قلم کے ہوتے تھے۔ کسی دوسرے کے نام سے۔

(۱۰۳)

الہ آباد۔ ۱۰ر اگست ۱۹۱۸ء

عزیزم! میں نے کوئی اجازت اِن کو نہیں دی۔ اپنے نام کے خطوط وہ البتہ چھاپنے والے تھے۔ مجھ سے دیباچہ لکھ دینے کی خواہش کی تھی میں نے انکار کیا۔ یہ جعلسازی کیوں۔ آپ کو اختیار ہے۔ مضامین دیکھ لیجئے گا۔ میں تو ان کے اس کام کو صرف ناجرانہ سمجھا ہوں۔ ایسی وہ میرے پرانے کرم فرما[1] لیکن میں نہیں سمجھتا۔ کہ مطمح نظر میں اتحاد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح کے گزند سے محفوظ رکھے۔ اکبر حسین

(۱۰۴)

الہ آباد۔ ۸ر ستمبر ۱۹۱۸ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مشرق میں میں نے اپنے وہ تین شعر جو آپ کے متعلق جوشِ دلی سے بے ساختہ زبان پر آگئے تھے دیکھے۔ ع

آہوئے دشت ہویم از ناسزا رمیدہ[2]

عجیب مقام ہے۔ خدا میری بات کو سچ کرے میں نے سخن سازی نہیں کی۔ یہی (IMPRESSION)[3] تھا اور ہے۔ آپ کب تشریف لائیں گے۔ اپنی خیریت لکھئے۔ آپ کا دعاگو اکبر حسین

(۱۰۵)

۱۹ر ستمبر ۱۹۱۸ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ! اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے۔ طبیعت

---

[1] رامپور کے نصرت الدین احمد خاں صاحب نے مجھ سے خطوط اکبر اشاعت کے لیے طلب کئے تھے

[2] ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۰۰ [3] یعنی تاثر۔ خیال

کو تعلق ہے۔ اس وقت پرتاب گڈھ میں ہوں۔ عشرت سلمہ کے بنگلے پر۔
خاکسار۔ اکبر حسین

(۱۰۶)

الہ آباد۔ ۲۶ ستمبر ۱۹ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالی۔ آپ لکھنؤ پہنچ گئے۔ مجھ کو اب اطلاع ملی۔ خدا جلد دیدار دکھائے۔ حالت یہ ہے کہ تصور کرنا پڑتا ہے۔ کہ زندہ ہوں۔ معلوم نہیں کہ آپ رخصت پر آئے ہیں یا اب نہ جائیے گا۔ میں تو آپ کو ان میں سمجھتا ہوں۔ جن کی نسبت سعدی صاحب نے فرمایا ہے۔ ؎

گفت خاموش کہ ہر کس کہ جمالے دارد
ہر کجا پائے نہد چشم بر آرندش پیش

دوستوں نے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کو قلم اٹھایا۔ میں نے عاشقان الہی میں داخل کر دیا۔ نجات اللہ کے ہاتھ ہے[1]۔ دل چاہتا ہے کہ چار دن کو آؤں۔ لیکن کہاں نہ ہوں کہ آزادی کے ساتھ آرام ملے۔ کیا آپ تشریف نہیں لا سکتے۔

دعا گو اکبر

(۱۰۷)

۹ دسمبر ۱۹ء

حبیبی عزیزی سلمہ اللہ تعالی۔ نہ مجھ کو اس پیارے بچے کے انتقال کی خبر ملی[2]۔ جس کا نہایت افسوس ہے۔ نہ یہ معلوم تھا کہ آپ لکھنؤ میں ہیں۔ امید ہے

---

[1] ملاحظہ ہوں مکتوبات نمبر ۱۰۰۔ ۱۰۶۔ اللہ اللہ! یہ حضرت اکبر ہی کمال تھا کہ عین میرے الحاد کے زمانہ میں میرے با ایمان ہونے کی پیشگوئی کر دی تھی۔

[2] ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۸۹۔ اپنے اس پہلے لڑکے کا نام بھی حضرت اکبر کے نام پر میں نے اکبر ہی رکھا تھا۔

کہ بانڈے سے واپسی پر یہاں تشریف لائیے گا۔ بڑی مسرت ہو۔ بڑا بار: ل اُتر ے اگر آپ سے ملنا ہو۔ میں خود آتا۔ مگر سردی تیز ہوتی جاتی ہے۔ آرام کے ساتھ قیام کی کوئی صورت ہنوز ذہن میں نہیں۔ افتخار حسین صاحب[1] سے مراسلت ہو رہی ہے۔ نیاز مند دعاگو۔ اکبر حسین

(۱۰۸)

الہ آباد۔ ۱۲ اردسمبر ۱۹۱۸ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بالاخانہ اس موسم میں میرے لئے مناسب نہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔ آپ سے ملنے کا شوق۔ نہ صرف شوق۔ بلکہ اس کی ضرورت ہے۔ بعض نکات علمی یا فلسفیانہ کے متعلق آپ کے خیالات دریافت کرنا ہیں۔ خواجہ حسن نظامی صاحب شاید وہ ایک روز میں مجھ سے ملنے کو تشریف لائیں۔ شرف الدین صاحب رامپوری نے مرزا سلطان احمد صاحب[2]۔ مہاراجہ کشن پرشاد اور اکثر احباب سے خطوط مانگے۔ ان سب نے مجھ کو لکھا۔ دقت یہ ہے کہ میں نے پرائیویٹ خطوط لکھے۔ معلوم نہیں۔ کس میں کیا پہلو ہے۔ شرف الدین صاحب اپنے ہی نام کے خطوں کو چھاپ دیں۔ وہ میری قدر دانی فرماتے ہیں۔ ممنون ہوں۔ لیکن یہ معاملہ ذرا دقت طلب ہے۔ آپ کا دعاگو اکبر حسین

مجھ کو دنیا سے دلچسپی نہیں رہی۔ ناد رستی مزاج۔ انحطاط عمر وغیرہ وغیرہ۔ آپ جیسے چند احباب کافی ہیں۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔

---

[1] سید افتخار حسین کاکوروی بڑے خوش مذاق وصاحب علم ڈپٹی کلکٹر تھے۔ حضرت اکبر کے مخلصوں میں تھے۔ قیصر باغ لکھنؤ میں قیام تھا۔

[2] خان بہادر مرزا سلطان احمد ابن مرزا غلام احمد قادیانی) اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پنجاب اپنے زمانے کے بڑے "کھاڑ" لوگوں میں تھے۔

(۱۰۹)

پرتاپ گڈھ ۔ ۴ر جنوری سنہ ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ آپ کا خط اس وقت پہنچا کہ میں یہاں آنے کی تیاری میں مصروف تھا ۔ آپ کی غزل داغ کی غزل سے ہر اعتبار سے بہتر ہے عشرت سلمہ نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا ۔ بلکہ ایک شعر کی نسبت انھوں نے کہا کہ یہ نہایت اچھا ہے ۔ میں نے اور اشعار بھی منتخب کئے ۔ داغ کے رنگ میں ۔ اگر داغ سے آپ بڑھیں تو آپ کی عالمانہ اور اخلاقی متانت پر داغ آجائے لیکن اس غزل میں تو میری نگاہ میں داغ پھیکے رہے ۔ خواجہ حسن نظامی صاحب ۱۶ر دسمبر سنہ ۱۸ء کو الہ آباد تشریف لائے اور ۱۹ر کو بعد از مدارات بعض مہمانانِ جلسہ ہائے دہلی واپس تشریف لے گئے ۔ آخر جنوری یا وسط فروری میں پھر آنے کا وعدہ کر گئے ہیں اور اس وقت بلاشبہ آپ کی تشریف آوری بہت زیادہ باعثِ انبساطِ خاطر ہوگی ۔ میں بھی ارادہ لکھنؤ کا کر رہا ہوں ، عشرت میاں کے خسر صاحب وہاں مقیم ہیں ۔ ان کے بڑے صاحبزادے علیل ہیں ۔ ان کی عیادت ضروری ہے اگر ہو سکے ۔ آیا تو آپ سے ملتا ہوں گا ۔ میں مسلسل تکالیفوں کے سبب سے سیر و سفر کیا ۔ نوشت و خواند سے بھی اکثر معذور رہتا ہوں ۔ نہ دل ہی نہیں لگتا اور نہ دنیا کو بہت کچھ دیکھ کر دنیا سے اب دل برداشتہ بھی ہو گیا ہوں ۔

آپ کا دعاگو اور مشتاق

اکبر حسین

آپ کی غزل اور داغ کی غزل پر انشاء اللہ مفصل ریویو کر کے آپ کو

اے مدت کے بعد ایک غزل اور کہہ کر اصلاح کے لئے روانہ خدمت کی تھی ۔ یہ داغ کی مشہور زمین "لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد" : ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں ، میں کہی تھی ۔

لکھوں گا یا آپ سے کہوں گا۔ تاکہ وجہ ترجیح آپ کو معلوم ہو۔ اور آپ تو خود سمجھے ہیں۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ اسی زمین میں میری بھی ایک ۔ ۔ ۔ مختصر غزل ہے اس وقت وہ نہ ملی۔

(۱۱۰)

الہ آباد۔ ۲۲ مارچ سنہ ۱۹ء

جلیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی محبت و توجہ سے دلی مسرت ہوئی۔ اگر طول مضمون نہ ہو تو اس کی نقل بخط صاف بھیج دیجیے۔ کم سے کم جو فقرات خاص ہوں۔ کاتب کی اجرت دے دی جائے گی۔ میں دوسرے ہی دن الہ آباد چلا آیا۔ گرمی محسوس ہونے لگی۔ خواجہ صاحب کی آمد ہوگی تو مطلع کر دوں گا۔ ہاں ایک بات بتا دیجیے۔ منشی محفوظ علی صاحب کا ایڈریس کیا ہے۔ یعنی احتشام علی صاحب[۲] جس کوٹھی میں رہتے ہیں۔ جو بلند زمین پر واقع ہے۔ وہ کس محلے میں ہے

اکبر حسین

(۱۱۱)

الہ آباد۔ ۲۷ مارچ سنہ ۱۹ء

عزیز مکرم۔ خدا تندرست و خوش رکھے۔ نیو ایرا کا کچھ زیادہ خیال نہ کیجیے[۳]۔ اس کو دیکھ کر اس کا ماحصل دو سطروں میں اردو میں بشرط فرصت مجھ کو

---

[۳] اقبال نے ایک مضمون اکبر کی شاعری پر نیو ایرا لکھنؤ میں لکھا تھا۔ میں نے اس کی اطلاع حضرت اکبر کو دی تھی۔

[۲] یعنی منشی احتشام علی صاحب کاکوروی مرحوم۔ لکھنؤ میں خیالی گنج میں ان کی کوٹھی مشہور و معروف ہے۔

[۱] وہ پرچہ شاید میری فائل سے گم ہو گیا تھا۔

لکھ دیجئے گا۔ نوٹ کر لوں گا۔ تاریخ ۱۸ اگست ۱۹۱۸ء دریافت ہوگئی۔ کافی ہے۔ ترتیب حصہ سوم کے خیال میں ہوں۔ اس لئے کہ اصرار ہے۔ خود کچھ شوق محسوس نہیں کرتا۔ فنا کا خیال گم کئے دیتا ہے۔ شاید وہی اچھے ہیں جو یہ کہتے ہیں۔

ذہن صاحب، رہیں قیاس کے ساتھ ہم تو فطرت میں ہیں جو اس کے ساتھ

بہر حال بہت مباحث ہیں۔ آپ کا مشتاق اکبر

(۱۱۲)

الٰہ آباد۔ یکم اپریل ۱۹۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں خوش ہوا کہ علمی کام کے سلسلے میں آپ نے رام پور کا سفر کیا اور کتب خانہ کو ملاحظہ فرمایا۔ امید ہے کہ آپ لکھنؤ واپس آگئے ہوں۔ آپ سے ملنا میرے لئے غذائے روح ہے۔ انتخاب اشعار میں بھی مدد ملتی ہے۔ اب تو موسم گرما ہوتا جاتا ہے۔ زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ اکتوبر میں موقع ملے۔ اس سے پہلے بھی ممکن ہے۔ دہلی کی خبر سن کر افسوس ہوا۔ دیکھئے۔ یہ طوفانِ بے تمیزی کب فرو ہوتا ہے۔ یا کون رُخ اختیار کرتا ہے۔

قیاس کرتا ہوں کہ آپ لکھنؤ میں رہیں گے۔ میں صحیح نہیں ہوں امپرومنٹ[1] کا کیا ذکر۔ حالتِ موجودہ قائم رہے۔ یہی غنیمت ہے۔ دعا گوئے شما

اکبر حسین

(۱۱۳)

الٰہ آباد۔ ۹ اپریل ۱۹۱۹ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ افسوس ہے کہ اس سے پہلے آپ کے محبت نامے کا جواب نہ لکھ سکا۔ گرمی موسم کے ساتھ انتشار مزاج بڑھتا جاتا ہے معلوم نہیں آپ نے کیا لکھا تھا۔ جس کے جواب میں مہاراجہ نے یہ لکھا۔ خیر آپ نے

---

[1] (IMPROVEMENT) یعنی افاقہ۔

جو کچھ لکھا ہو۔ آپ کو میرے ساتھ محبت ہے۔ اس کا اثر ہے۔ ورنہ میں یہ حق نہیں رکھتا۔ افسوس ہے کہ ناتندرستی اور ناتوانی ایسے لمبے سفر کی اجازت نہیں[1] دیتی۔ دو سال ہوئے یہ مطلع کہا تھا۔

افسوس یہی ہے کہ وطن دور بہت ہے — خالق ترا اکبر رنجور بہت ہے

راجہ صاحب کا الطاف[2] نامہ ابھی آیا ہے۔ خدا ان کو خوش رکھے کہ ہم غریبوں پر توجہ فرماتے ہیں۔ ان کو بھی نیاز نامہ لکھوں گا۔ آپ دیکھتے ہیں۔ ملک میں کیسی شورش[3] ہے۔ اللہ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ بے حد نازک حالت ہے۔ پھر خط لکھوں گا۔ مراسلت رکھیئے۔

اکبر

(۱۱۴)

الہ آباد۔ ۲۵ اپریل ۱۹ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے۔ عزیز صاحب کو بدریافت خیریت خط لکھا تھا۔ معلوم نہیں۔ ان پر کیا گذر رہی ہے۔ اگر ملاقات ہو تو میرا سلام پہنچائیے۔ یہاں پوسٹ آفس والوں نے اسٹرائک کر دی ہے کئی دن کے بعد ڈاک ملی۔ اپنا حال کیا لکھوں۔ شکایتیں روز افزوں ہیں۔ مئی جون میں زندہ رہ گیا تو شاید کچھ اور جیوں۔ منشی احتشام علی صاحب کی کوٹھی کس محلہ میں ہے۔

اکبر

---

[1] یعنی سفر وطن

[2] یعنی راجہ علی محمد خاں صاحب والی محمود آباد۔ یہ بھی حضرت اکبر کے بڑے قدر دانوں میں تھے۔

[3] پنجاب میں بڑے سخت ہنگامے برپا ہو چکے ہیں۔ کئی جگہ گولیاں چلی تھیں۔ تحریک خلافت و ترک موالات اس کے کچھ ہی بعد شروع ہوئی۔

(۱۱۵)

۱۲؍ مئی ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خواجہ صاحب اس وقت سفر سے محترز رہنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ خدا جلد صورتِ اطمینان پیدا کرے۔ اس وقت یہاں ایک قافلہ عشرت میاں کی سسرال والوں کا ٹھہرا ہوا ہے۔ ان کی سالی علاج کے لئے آئی ہیں، مطلع صاف ہو۔ موسم زیادہ تکلیف دہ نہ ہو تو تشریف لائیے۔ مشتاق بلکہ محتاج ہوں۔ روز بروز دنیا اور اس کے ہنگاموں سے دل گرفتگی بڑھتی جاتی ہے۔

اکبر حسین

(۱۱۶)

الٰہ آباد۔ ۲۱؍ مئی ۱۹ء۔

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے حالات معلوم ہوئے آپ کے ریمارک صحیح ہیں۔ آپ پر میرا یہ شعر صادق آتا ہے۔

ہزار آرائشیں صدقے ہیں ان کی سادہ وضعی پر
نہیں محتاج نیشن علم نے جن کو سنوارا ہے

ان فضائل اور سلامت روی کے ساتھ انشاء اللہ ہمیشہ ممدوح و ممتاز رہئے گا آپ سے ملنے کا آرزومند ہوں۔ لیکن ۲۰؍ جون تک بہت سخت موسم ہے۔ شاید سفر میں آپ کو زحمت ہو۔ میں خود بے حواس رہتا ہوں خواجہ صاحب بہ ضرورت احمد آباد گئے ہیں۔ آخر مئی میں دہلی واپس آئیں گے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ مہاراجہ صاحب[1] کا خط دکن سے آیا ہے۔ آپ کا ذکر خیر اس میں ہے۔ یعنی جبر ے سفر لکھنؤ کا حال آپ ہی سے ان کو معلوم ہوا تھا۔ اپنی خیریت سے مطلع

[1] یعنی یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد سابق وزیر اعظم دکن (نظر ثانی)

فرماتے رہیئے۔ آپ کا دعاگو اور مشتاق۔ اکبر

الہ آباد۔ ۱۰؍جون ۱۹؁ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! وہ پرچہ ردی تھا۔ اس سبب سے واپس منگایا مضمون محفوظ ہے[1] ابھی خدا جانے ایسے کتنے مضمون لکھے جائیں گے۔ خدا ترقی نصیب کرتا رہے۔ گرمی بہت ہے۔ طبیعت بہت مضمحل رہتی ہے۔ اب تک خط نہ لکھ سکا۔ آپ سے ملنے کا آرزومند ہوں۔ رمضان ختم ہو تو کوئی راہ نکلے۔

خبر آئی اسلامیہ میل میں[2] اخوت کو جانا پڑا اجیل میں

ابھی یہ شعر موزوں ہو گیا۔ الفاظ کی مناسبت اور معانی کے پہلو ملاحظہ فرمائیے میں تو بہت (INNOCENT) سمجھتا ہوں[3]۔ دل چاہا تو ہمدم یا اودھ اخبار کو بھیج دوں مگر لکھنے کو جی نہ چاہا۔ یہ خط لکھا۔ تھک گیا۔ ترتیب حصہ سوم[4] کے باب میں بڑی الجھن ہے۔ شاید آپ کی مشورت سے مدد ملے۔ دل کسی کام میں نہیں لگتا۔

اکبر

(۱۱۸)

۱۱۸۔ عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! کیا یہ مولوی برکت اللہ فرنگی محلی برادر مولوی شرافت اللہ مرحوم کے صاحبزادے اور مولوی صبغت اللہ صاحب شہید کے چچا ہیں؟ وہ پرچہ جس کے مضمون کی قدردانی کی تھی میرے پاس محفوظ ہے۔ شبہ تھا کہ میں نے اظہار خیال میں

۱؎ وہ مکتوب نمبر ۱۲۰ پر آگے آ رہا ہے

۲؎ اسلامیہ میل (بمبئی) کے سابق ایڈیٹر عبداللہ خاں کمبھوڑی نے لکھنؤ سے روزنامہ اخوت نکالا تھا اخوت کے کارکن ایڈیٹر فضل الرحمٰن کو سزا ہوئی ہے۔

۳؎ یعنی بے غرض

۴؎ یعنی کلیات اکبر کی

کچھ بے ہنری یا نافہمی تو نہیں کی۔ آپ سے وہ شبہ رفع کرنا تھا۔ اپنی خیریت لکھئے۔
آپ کا مشتاق اکبر

اچھا نہیں ہوں اور اس کا اثر اپنے دماغ و اخلاق پر پاتا ہوں اللہ انجام بخیر کرے۔

(۱۱۹)

میں نے بے ساختہ آپ کی نسبت لکھ دیا تھا۔ ع
آہوئے دشت ہویم از ما سوار میرسد[۱]

میں خوش ہوں کہ اس کی صداقت کے آثار آپ کی صفات اور بلند طبیعت سے نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے مکرم ڈپٹی صاحب مرحوم[۲] کو شاید شبہ و افسوس تھا کہ لڑکا دین سے بیگانہ ہوتا جاتا ہے۔ اب فرشتوں سے یہ سن کر ان کی روح خوش ہوگی کہ وہ لڑکا حقیقت آشنا ہوتا جاتا ہے۔ اور انشاء اللہ بہت جلد کہہ دے گا" بمقامے رسیدہ ام کہ میرس"۔ یہ فلسفہ کہ وجود در حقیقت ذہن ہی میں ہے۔ علم باری میں ہے اور علم باری ہی سب کچھ ہے۔ ایسا صحیح فلسفہ ہے کہ میں اس کو کل من علیھا فان و یبقیٰ وجہہ ربک ذوالجلال والاکرام کی ایک صوفیانہ تفسیر سمجھ سکتا ہوں۔ کل من علیھا فان میں لفظاً تو ظاہر ایسی سمجھا جاتا ہے کہ بالآخر ہر شے کو فنا ہے۔ لیکن ذہن کہتا ہے کہ بالآخر کیا۔ جب غور کرو اور حقیقت پر نظر ڈالو۔ تو کل پر فنا حاوی ہو جاتی ہے۔ صرف علم باری رہ جاتا ہے۔ ہمہ اوست نہیں ہے ہے۔ عزیز مکرم۔ یہ مضمون آپ کو بھیجنا تھا۔ وہی یہ لکھا گیا۔ معاف کرنے کی توانائی نہ پائی۔ گرمی بہت ہے اس کی کچھ ترمیم و توضیح ضرور ہے۔ مکالمات برکلے[۳] کی ایک کاپی میرے

۱۔ ملاحظہ ہوں تحریرہ نمبر ۱۰۱ و ۱۰۶   ۲۔ یعنی میرے والد مرحوم

۳۔ میرا ترجمہ نیا نیا نکلا تھا۔

پاس پہنچی ہے۔ کس نے بھیجی ہے۔ معلوم نہیں۔ ان مباحث سے میں پہلے ہی سے کسی قدر آگاہ تھا۔ اس وقت تو پڑھ نہیں سکتا۔ اس پرچہ کو پڑھ کر واپس فرمائیے۔ پھر صاف کرکے بھیجا جائے گا۔ اسی پر جواب لکھ دیجیے۔ عزیزمن زندگی کا اعتبار نہیں۔ یہ پرچہ واپس ہے۔ اپنے غیر محدود ذہن کے ساتھ اپنی محدود ہستی کو بھی نباہیے۔ (A H)

(۱۲۰)

عزیزم۔ آپ کا خط ابھی ملا۔ لیکن میں نے پرسوں رجسٹرڈ لیٹر میں وہ پرچہ آپکو بھیج دیا۔ مجھ کو خود خیال تھا۔ آپ نے خط میں بڑے دلچسپ مسئلہ کا ذکر کیا۔ ملاقات ہو تو باتیں ہوں۔ آج ہمدم میں اشتہار مجموعہ کلام اکبر قیمتی در از گوجرانوالہ دیکھتا ہوں ذرا خبر لیجیے۔ یہ کیا مضمون ہے۔ کوئی اجازت نہیں دی گئی۔ A - H

(۱۲۱)

الہ آباد۔ ۲۸ جون ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ شرف الدین صاحب کو آپ نے کیوں پرائیوٹ خطوط دے دیئے۔ غالباً سابق میں ایسا اشارہ میں کر چکا تھا۔ ان کی گشتی چھٹی اس سے پہلے مختلف امصار و دیار میں پہنچی تھی۔ از انجملہ مرزا سلطان احمد صاحب پنجاب۔ مہاراجہ کشن پرشاد وغیرہ ان احباب نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے اپنا تامل ظاہر کیا۔ قیاس ہے کہ ان حضرات نے خطوط نہیں دئے۔

ہر کیف میں سید شرف الدین صاحب کو میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور اس وقت پھر لکھ رہا ہوں کہ قبل اشاعت وہ خطوط مجھ کو دکھائیں۔ زمانہ نہایت بدگمانی اور شر آشوب ہو رہا ہے۔ بالخصوص میری حالت نہایت نازک ہے۔ خدا جانے کس بات

لہ۔ ملاحظہ ہوں مکتوب ۱۰۵ و ۱۱۰

کے کیا معنی لیئے جائیں۔ گو جرائد الے صاحب کا حال دریافت کیا چاہتا ہوں۔
مجھ کو فائدہ زر کا کچھ خیال نہیں ہے۔ کام اس طرح ہوا کہ اس وقت تک کوئی
نفع زر محسوس نہ ہوا۔ حالانکہ ہونا چاہیئے تھا۔ اندیشہ غلط اور بڑے انتخاب کا ہے۔
بلا شبہ بے قاعدگی بھی ٹھیک نہیں۔ آپ کا دعاگو۔ اکبر حسین

(۱۲۲)

عزیز مکرم۔ شرف الدین صاحب پر زیادہ سختی کی ضرورت نہیں۔ صرف بلحاظ
حالت زمانہ احتیاط ملحوظ ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ میں نے دیکھ لیا ہے۔ لیکن آپ
بھی دیکھ لیجئے۔ اس لئے خدشہ رہ گیا۔ آپ بھی میرے خیر طلب ہیں۔ مسٹر شرف الدین
بھی۔ میں نہیں جانتا۔ ان خطوں کی کیا قیمت و وقعت ہوگی۔ دعاگو اکبر

(۱۲۳)

الہ آباد۔ ۳ر جولائی ۱۹ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے کسی خط میں لکھا تھا۔ کہ ہندو
فلاسفی دیکھتا ہوں۔ اس خیال سے اطمینان ہے کہ ہماری ہستی کے خادم کو فطرت
ترقی دے گی۔ اس کا بھی کام ہے۔ آپ کی تحریر سے میں محظوظ ہوا۔ یاد آیا کہ کبھی
کبھی یہ خیال میرے اشعار میں مختلف پیرائیہ بیان میں ظاہر ہوا ہے۔ آپ کے
سامنے دو شعر پیش کرتا ہوں۔ شاید ادر یاد آجائیں۔

موت سے وحشت بشر کا اک خیالِ خام ہے
اصل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس شعر کے متعلق ایک طویل بحث ہوئی ہے کبھی سنئے گا۔

نظم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں

خیر یہ سب مضمون آرائیاں ہیں۔ اللہ اپنا فضل کرے۔ ایسا خیال ہو کہ اگست یا جولائی میں عشرت سلمہ کے لڑکے کا مکتب ہوگا۔ پرتاب گڈھ میں۔ غالبًا خواجہ صاحب بھی تشریف لائیں۔ بشرط زندگی میں بھی ہوں گا۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی ہوں۔ آپ کی معیت تو مستقل طور پر چاہتا ہوں۔ اگر میسر آئے۔ معارت کی پالیسی میں جولائی سے کیا تبدیلی ہونے والی ہے۔

دعاگو اکبر

(۱۲۴)

الہ آباد۔ ۶ر جولائی ۱۹ء

عزیز بکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا۔ میں نے کل یا پرسوں آپ کو ایک خط لکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ اس کا جواب ہے یا ہنوز وہ خط آپ کو نہیں ملا۔ ظاہرا زندگی خطرہ میں تھی۔ وہ خطرہ جاتا رہا۔ لوگوں نے کہا کہ اچھے ہو گئے۔ میں کسی قدر مطمئن ہو جاتا۔ اگر آرام ملتا۔ اور دل و دماغ پر کچھ قابو پا لیتا بہرحال زندہ ہوں۔ کسی وقت ذرا طبیعت بحال ہوئی۔ تو اس قسم کی امید خرد سے کہ ادھر جاؤں گا۔ اُدھر جاؤں گا۔ یہ مضمون لکھوں گا۔ یہ بحث پیش کروں گا۔ دل کو کچھ سہارا مل جاتا ہے۔ دوسرے وقت پھر یہ حالت جاتی رہتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ضرور تشریف لائیے۔ بے تکلفانہ وہ چار روز رہئے یا جب تک دل چاہے۔ عشرت یہاں آتے رہیں گے۔ میں بالکل بے سامان ہوں۔ مہمانوں کو کسی تکلف سے راحت نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن آپ اس مد میں نہیں ہیں۔ جب ارادہ ہو۔ ایک دن پیشتر لکھ بھیجئے گا۔ اگر وقت ملے ورنہ خیر۔ حسن نظامی صاحب کی تصنیف[1] سے مجھ کو کچھ تعلق نہیں۔ میں ان مباحث

---

[1] غالبًا یزید نامہ مراد ہے۔

سے اپنے دماغ کو فروتر پاتا ہوں۔ ان کی کوئی مصلحت ہوگی۔ ملئے گا تو باتیں ہوں گی۔ کہئے
گا تو پھر ان کو بلاؤں گا۔ اس وقت تو وہ پشاور میں ہوں گے۔ اکبر

(۱۲۵)

الہ آباد۔ ۲۲ر جولائی ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدت سے آپ سے مراسلت نہیں ہوئی۔
دعوت احباب میں اپنی عدم شرکت کا افسوس[۱] ہوا۔ اب تو دنیا ہی سے کچھ علیحدگی سی
ہے۔ البتہ آپ ایسوں سے دل کو نہیں روک سکتا کیوں روکوں۔ آپ کے باطن کو
اس کی راہ سے اپنے قیاس میں الگ نہیں پاتا۔ یوں تو ابھی آپ کو دنیا کا کورس
پورا کرنا ہے[۲]۔

نفس سے بچنے کی کوئی چارہ جوئی کیا کرے
فطرتی رہبر یہی ہے اس کو کوئی کیا کرے

خواجہ صاحب ۲۵ر جولائی کو الہ آباد آتے ہیں۔ پرتاب گڈھ جانے والے ہیں۔ لیکن یہ
نہیں معلوم کہ کتنے دن رہیں گے۔ کیونکہ وہ ریواں جا رہے ہیں۔ ہاں واپسی پر شاید
زیادہ قیام کر سکیں۔ میری آپ کی اور ان کی یکجائی اُمید ہے کہ ہم سب کے لئے عجیب
ہو۔ مگر کہاں اور کب ان سے مشورہ کے بعد یہ بات طے ہو سکے گی۔ معلوم نہیں۔ عزیز
صاحب[۳] کا کیا حال ہے۔ میرے خطوں کا جواب نہیں آیا۔ معلوم ہو تو تحریر فرمائیے۔ اکبر

۱؎ یعنی مئی یا جون ۱۹۱۹ء میں پیر اعلیٰ وظیفہ حیدر آباد سے مقرر ہوا۔ احباب نے دعوت کا تقاضا کیا۔
خصوصاً سید جالب مرحوم ایڈیٹر روزنامہ ہمدم نے آخر ایک روز چند اہل قلم اور صاحب علم دوستوں کو میں نے
ماحضر پر بلایا۔ جالب صاحب نے روئداد ہمدم میں چھاپ دی۔ اس کو پڑھ کر حضرت اکبر نے یہ مکتوب
تحریر فرمایا۔

۲؎ یعنی عمر کے ۴۰ویں سال میں تھا (نظر ثانی) ۳؎ مرزا محمد ہادی عزیز مشہور شاعر لکھنؤ (نظر ثانی)

(۱۲۶)

پرتاب گڈھ ۹ اگست ۱۹ء۔ بنگلہ سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر[1]

میرے محترم و مکرم عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ! ۔ میں یکم اگست سے یہاں ہوں چار پہر اچھا۔ تو بارہ پہر بیمار۔ اس معذوری نے تباہ کر رکھا ہے۔ قلم اور زبان کو مایوسی ہوتی جاتی ہے۔ ابھی آپ کا خط ملا۔ طبیعت کو ذرا شگفتگی ہوئی۔ مکتب کی تاریخ ۲۷ر جولائی تھی۔ خواجہ صاحب[2] ۵ر کو آئے۔ ان کو لے کر میں ۲۵ر کو پرتاب گڈھ آیا۔ آپ نے لکھا تھا کہ پیشتر سے اطلاع ہو۔ عین وقت پر شاید تیار نہ ہوں۔ اس وجہ سے آپ کو اطلاع نہ دے سکا۔ دل میں حسرت ہی رہی۔ اگر آپ کو زحمت نہ ہو اور بے تکلف تشریف آوری اور قیام میں عذر نہ ہو۔ تو فی الفور تشریف لائیے اور میرے دل منتظر و مشتاق کو خوش کیجیے۔ عشرت دورہ پر ہیں۔ غالباً پرسوں آئیں۔ کئی دفعہ آپ کا ذکر بہت شوق اور اظہار آرزوئے مصاحبت و مکالمت کے ساتھ کر چکے ہیں۔ یہاں شہری زینت نہیں ہے۔ کیمپ لائف ہے۔ لیکن ہوا اچھی۔ منظر اچھا۔ ضرور تشریف لائیے۔ ۹ بجے چلیے۔ بارہ بجے دن کو پہنچ جائیے۔ پہلے سے اطلاع ہو تو سواری کا بندوبست کر دیا جائے۔ ورنہ اسٹیشن پر اکے اور تانگے ملتے ہیں۔ آپ سے بہت کچھ کہنا سننا اور تسکین دل حاصل کرنا ہے۔ یہ بنگلہ بھی سب کو معلوم ہے۔ انٹر کا کرایہ ۹ر سیکنڈ کا ۳ر میں تو انٹر کو اکثر مناسب سمجھتا ہوں۔ بہر حال ٹریولنگ چارج میرے ذمہ۔ خواجہ صاحب اگر فکر معاش کی مد میں یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو اصلاح مشکل ہے۔ بہر حال آپ سے گفتگو کروں گا۔ اس کے متعلق بہت طویل بحث ہے۔ لیکن میں آپ کے خیالات سے بے حد خوش ہوا۔ ماشاء اللہ چشم بددور۔ میں اپنے ایک رنگین سفر سے جو حصہ سوم کی

---

[1] عشرت صاحب وہیں ڈپٹی کلکٹر تھے (انظر تانی) [2] خواجہ حسن نظامی مراد ہیں۔

ترتیب میں بقدر اپنی بساط کے مدد دے رہے ہیں۔ ایسے ہی امور کے متعلق آج کل
خیال کر رہا تھا کہ آپ کا خط پہنچا۔ میں ے رکا نوٹ ملفوف کرتا۔ لیکن خط بھیجنے
کی جلدی تھی اور نوٹ تک اس وقت نہ پہنچ سکا۔ امید ہے کہ بہ لحاظ تعلق
بزرگی و خردی کے آپ میری بے تکلفانہ طلب پر خفا نہ ہوں گے۔ میرا آپ کا
حساب ایک ہونا چاہیے۔

اکبر حسین

میں نے یزید نامہ طبع جدید نہیں دیکھا۔ مل سکے تو لیتے آئیے گا۔ میں
اب زیادہ وقت ان باتوں میں ضائع نہیں کرتا۔ مکتب برائے نام تھا۔ ۵-۷ سب
اہل کار سرکار آئے تھے۔ خدا مخالف اثر دل سے بچائے تو سب کچھ ہے۔ ورنہ
کچھ نہیں۔ میں سخت تشویش میں ہوں[1]۔

(۱۳۷)

الہ آباد۔ ۱۱ جولائی سنہ ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میرے بھانجے منشی ممتاز احمد جو ہائی کورٹ
میں مترجم اور بہت نیک آدمی ہیں۔ اپنی لڑکی کو جو حال میں وہاں گئی ہے۔
دیکھنے جاتے ہیں۔ لیکن ابھی سمدھیانے میں قیام نامناسب سمجھتے ہیں۔ اسی لئے
چاہتے ہیں کہ کہیں بستر لگانے کو ایک گوشہ مل جائے۔ کھانے وغیرہ اور
مہمانداری سے کچھ مطلب نہیں۔ ایک یا دو دن قیام رہے گا۔ مجھ سے وہ مدد کے
طالب ہوئے۔ میں نے آپ کا خیال کیا۔ اگر ممکن ہو تو کوئی جگہ تجویز کر دیجئے گا
تکلف قطعاً نہ ہو۔ جہاں ملازم بیٹھتے ہیں۔ وہ جگہ کافی ہو گی۔ احتیاطاً حاجی عابد حق

---

[1] اکبر کا سمدھیانہ ضلع پرتاب گڈھ کے ایک شیعہ گھرانے میں تھا اور بہو شیعہ تھیں۔ بڑی فکر حضرت
اکبر کو اپنے آخر زمانہ میں اس کی ہو گئی تھی کہ ان کے اثر سے کہیں صاحبزادے اور پوتے سب
شیعہ نہ ہو جائیں۔ بار بار خطوط میں تشویش اس سے متعلق ظاہر کرتے تھے۔

صاحب کو بھی لکھ دیا ہے۔ ضرورت ہو تو آپ بھی تحریک کر دیجئے گا۔[1] اکبر

(۱۲۸)

پرتاب گڑھ۔ ۱۱ر اگست ۱۹۱۶ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں بہ ضرورت کل الہ آباد جاتا ہوں۔ عشرت تو آپ کے مشتاق ہیں اور مسرت سے خیر مقدم کہیں گے۔ لیکن میرے نہ ہونے سے شاید آپ کو بے لطفی ہو۔ ابھی کیا معلوم کہ آپ نے تشریف آوری کا فیصلہ کیا۔ اگر چہار شنبہ تک بھی آپ تشریف لاتے تو ممکن تھا کہ میں ٹھہرا رہتا۔ بہرحال اگر آپ تشریف لائیں تو یا تو مجھے فوراً اطلاع ہو۔ میں الہ آباد سے واپس آؤں۔ لیکن وہ شنبے کے قبل دقت ہوگی۔ سب سے بہتر یہ ہو تا کہ آپ براہ راست الہ آباد تشریف لاتے۔ بہ اطمینان و آرام وہاں قیام فرماتے۔ پھر پرتاب گڑھ ہوتے ہوئے اور عشرت سے ملتے ہوئے لکھنؤ واپس جاتے۔ اتوار کو عشرت میاں بھی الہ آباد جائیں گے۔ لیکن چند گھنٹوں کے لئے۔ خواجہ صاحب نے کسی کو لکھا ہے کہ وہ ۱۰ر کو اپنے سالے ابن عربی کو ندوے میں داخل کرنے کو لکھنؤ آئیں گے۔ اور وہ شنبہ کو چلے جائیں گے خاکسار اکبر

(۱۲۹)

عزیزم سلمہ۔ آپ کے خط سے اطمینان ہوا۔ عین اس وقت پہنچا کہ میں اسٹیشن ریل پر جانے کو تیار بیٹھا ہوں۔ خدا سب باتیں خیر و خوبی سے انجام کو پہنچائے۔ انشاء اللہ الہ آباد تشریف لائیے۔ وہیں سے مراسلت ہوگی۔

۱۲ر اگست ۱۹۱۶ء اکبر حسین

بھائی صاحب کی خدمت میں سلام شوق۔ گھر میں تسلیم اور دعا۔

---

[1] تواضع و انکسار تو اکبر کا ہی جوہر تھا۔ لیکن اس خط میں انھوں نے تواضع کی حد ہی کر دی۔

(۱۳۰)

الہ آباد۔ ۲۴ر اگست سنہ ۱۹ء

عزیز مکرم۔ گھر میں کی خیریت لکھئے۔ میں نے نزلے اور دانت کے درد سے شدید تکلیف اٹھائی۔ ہنوز پورا افاقہ نہیں ہوا۔

آپ سے ملنے کا مشتاق اکبر

(۱۳۱)

الہ آباد۔ ۲۷ر اگست سنہ ۱۹ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ لڑکی کو بہ نسبت لڑکے کے اس زمانہ میں بہتر سمجھتا ہوں۔ داماد اپنا ہوتا ہے۔ بیٹا غیر کا ہو جاتا ہے۔ اللہ عمر عطا فرمائے۔[۱] میں اس وقت سخت بیمار ہوں۔ دانت کا درد، دو دن کے بعد رخصت ہو گیا زکام شروع ہوا۔ تین چار دن جاری رہا۔ لیکن اس کے بعد شدید اعضا شکنی بخار کے ساتھ رہی۔ اب تین دن سے بھوک ہے نہ پیاس ہے۔ دوران سر اس قدر کہ دو قدم چلنا دشوار ہے۔ ایک خفقان کی سی کیفیت ہے۔ ناتوانی کی حد نہیں۔ اگر زندگی ہے تو شاید چار پانچ روز میں افاقہ ہو۔ آپ سے ملنے کا بہت آرزو مند ہوں لیکن اس وقت کیا لطف مکالمت۔ سخت پریشانی میں ہوں اور یہ دیکھ کر کہ عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں[۲]۔ امید فردا کا کچھ حوصلہ نہیں ہوتا

---

[۱] اگست سنہ ۱۹ء میں میرے ہاں لڑکی کی ولادت ہوئی تھی۔ عزیز لکھنوی نے تاریخ کہی تھی

ہو مبارک یہ دختر مسعودہ
سنہ ۱۹۱۹ء

[۲] جوان عمر کے ناظرین حضرت اکبر کی زبان سے بار بار ان کی علالت، ناتوانی کا ذکر پڑھ کر اکتا نہ جائیں۔ جب ۷۳ سال کی عمر کو اکبر کی طرح پہنچیں گے۔ تو خود ان کی کیفیتوں کا تجربہ ہو جائے گا۔

انشاء اللہ حواس درست ہوں تو جلد آپ کو خط لکھوں گا۔ اکبر حسین

عزیز صاحب سے ملنا ہو تو میری علالت کا حال کہہ دیجیئے گا۔ زندگی کا شائق نہیں ہوں۔ لیکن تکلیف سے گھبراتا ہوں۔ دعاء خیر کا طالب ہوں۔ نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔

(۱۳۲)

الہ آباد۔ ۱۱ر ستمبر سنہ ۱۹ء

پیارے ماجد۔ اللہ آپ کو جیتا رکھے۔ آپ ایسی محبت میرے ساتھ رکھتے ہیں۔ اگر اناتہ کیا معنی بے چینی میں ذرا سی کمی ہو جاتی اور لطف مکالمت کی امید ہوتی تو میں فوراً آپ کو لکھتا۔ آپ تو میرے لئے روحانی قوت ہیں۔ لیکن ہنوز بہت تکلیف میں ہوں۔ ۲۲ دن ہوئے رغبت سے غذا نہیں ہوتی۔ زبان کا مزا خراب ہے۔ تلوں کا حاب ہے۔ سینے پر ایک التہاب ہے۔ جس سے ہر وقت تکلیف رہتی ہے اور کسی وقت سانس رکنے لگتی ہے۔ میں ایسا ضعیف ہوں گر یہ شدائد مریض پھر زندہ۔ خدا کی قدرت ہے۔ حسن نظامی عید کرنے گھر گئے۔ کہہ گئے کہ بہت جلد چلا آؤں گا۔ لیکن وہاں ان کے بچے بیمار ہو گئے ہیں۔ بہر حال دعا فرمایئے کہ اللہ ان کو تکالیف سے نجات دے۔ انشاء اللہ بشرط زندگی پھر لکھوں گا۔ خبر لیتے رہیئے۔ گھر میں دعا۔ بچی کو دعا۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ اپنی والدہ صاحبہ کے حضور میں سلام عرض کر دیجئے۔ اور التماس دعا۔ اکبر

برن صاحب کی چٹھی اظہار شوق ملاقات میں آئی ہے۔ میرا یہ حال ہے۔

(۱۳۳)

الہ آباد۔ ۱۵ر ستمبر سنہ ۱۹ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! ۔ میں ہنوز معذور اور فریبا صاحب

خراش ہوں۔ ۲۶ روز سے معمولی غذا ہے۔ ساگو۔ حریرہ وغیرہ بے رغبتی سے پی لیتا ہوں۔ کسی خلط ناسد کا ہیجان ہے اور ضعف کے سبب سے تنقیہ کامل نہیں ہو سکتا۔ شدید دوران سر کی تکلیف میں مبتلا رہتا ہوں۔ عشرت سلمہ سنیچر اتوار کو آتے رہتے ہیں۔ اگرچہ آپ کو زحمت ہوگی لیکن دل چاہتا ہے کہ آپ سے ملوں اور کچھ باتیں کروں۔ مقصود یہی ہے کہ عشرت سے آپ سے زیادہ تعارف ہو جائے وہ بھی آپ کے مشتاق ہیں۔ اگرچہ غالباً عشرت آپ سے بڑے ہیں لیکن میری خواہش ہے کہ ان کے معین و مشیر ہوں اور کبھی کبھی ملاقات و مراسلت ہوا کرے۔ اس خط میں دس روپے کا نوٹ ملفوف ہے۔ انٹر کے لیے کافی ہوگا۔ آمد و رفت کو لیکن زیادہ خرچ ہوگا۔ سو وہ بھی حاضر کر دیا جائے گا۔ آپ سے خاطرت نہیں آپ عزیز ہیں۔ اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو آپ تشریف لائیے۔ پنجشنبہ یا جمعہ کو یہاں پہنچ جائیے۔ سنیچر کو عشرت آ جائیں گے اور دوشنبہ کو ۱۰ بجے دن کو واپس جائیں گے۔ سنیچر کو بھی صبح یا دوپہر تشریف لا سکتے ہیں۔ لیکن ایک دن پیشتر آ جائیے تو بہتر ہے۔

اکبر

(۱۳۴)

۱۰ ستمبر ۱۹

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی معذرت بجا ہے۔ سید سلیمان صاحب کا تو میں بھی بے حد مشتاق ہوں۔ صاحب معنی ہیں۔ لیکن میں جس حالت میں ہوں دیکھوں کہ اپنا وقت دل حبیبی کے ساتھ صرف کر سکتے ہیں۔ میرا ابھت بہت سلام

کے کئی سال بڑے تھے۔

میں نے معذرت نامہ لکھا تھا کہ ایک تو خود ہی علیل ہوں۔ دوسرے مولانا سید سلیمان وغیرہ آئے ہوئے ہیں۔

کہہ دیں۔ گو کہ امید زیست نہ تھی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ شاید کچھ دنوں اور زندہ
رہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں مگر بمشکل۔ حواس بجا نہیں۔ میں آپ کو ۲۰ر کو لکھوں گا
کہ ۲۷ر کو خواجہ صاحب ہوں گے یا نہیں۔ عشرت غالباً ہوں گے۔ میری ہی
خواہش ہے کہ وہ آپ سے ملیں۔ آپ کے مشتاق بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ پرتاب
گڑھ میں ٹھہر جائیں۔ پھر مجھے ملئے۔ بہر حال بشرط زندگی ۲۰ر کو لکھوں گا۔ اکبر

(۱۳۵)

الہ آباد۔ ۲۴ر اکتوبر سنہ ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ایسا سخت ہیجان خیالات فاسد کا ہوا تھا کہ
اس وقت تک منہ کا مزا ابھی خراب ہے اور مقدار غذا ابھی معمول پر نہیں پہنچی۔
اور روٹی نہیں کھا سکتا۔ دوران سر کی شدت سے اکثر دو چار قدم چلنا بھی دشوار
ہوتا ہے۔

میں حسن نظامی صاحب سے یہ سن کر خوش ہوا تھا کہ سید سلیمان صاحب بھی
آپ کے ساتھ یہاں آنے کو آمادہ تھے کیا اچھا ہوتا اگر دو ایک روز ایسے احباب
کی یکجائی ہوتی۔ کچھ کام کی بھی باتیں ہوتیں۔ معلوم نہیں اس جلسے میں شریک
ہوئے تھے یا نہیں۔ مذہبی خلافت ٹرکی[1]۔ عشرت اپنے انتظام محرم میں
مصروف ہیں۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد آنے کی تاریخ معین کر سکے اطلاع
دوں گا۔ ماجد صاحب کو بھی اطلاع دے دیجئے گا۔

واضح رہے کہ آپ کے خلاف مزاج میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ نہ
آپ کا خرچ کیا چاہتا۔ آپ کی مانگ اور آپ کی دل چسپی دیکھیں کیا کام ہے۔
جالب صاحب نے میرے خطوط کا جواب نہ لکھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ خدمت نامہ نگاری میں

[1] خلافت کمیٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ لکھنؤ میں اس کا پہلا عظیم الشان جلسہ ہوا

قصور پا کر خفا ہیں۔ لیکن میں واجب الرحم ہوں۔ اگر آپ سے ملتے ہوں تو میرا
سلام کہہ دیجئے گا مع شکایت۔ میرے حقیقی بھانجے سید زاہد حسین (خانصاحب
خطاب)، اسسٹنٹ سرجن ہو کر لکھنؤ گئے ہیں۔ بلرام پور ہسپتال اکبر

(۱۳۶)

الہ آباد۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے کارڈ نے مانوس کیا۔ خدا کرے آپ پورے طور پر توانا اور تندرست ہو جائیں۔ مجھے تو اب یہ اُمید ہی فضول ہے۔ آپ کی اتنی توجہ بھی میری جانب میری عزت افزائی ہے۔ انشاء اللہ اگر بہ شرط زندگی لکھنؤ آنا ہوا تو خود آپ سے مل کر مسرت حاصل کروں گا۔

خاکسار اکبر حسین

(۱۳۷)

عزیز من! میں نے آپ کو لکھا کہ عزت افزائی کے لئے آپ کی توجہ کافی ہے۔ یہ لکھنا رہ گیا کہ مسرت اور انبساط دل کے لئے ملاقات ہی کی ضرورت ہے۔ ہم لوگ آپس میں نہ ملے اور تبادلۂ خیالات نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا۔ البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ہم لوگوں میں مجھ کو بھی محبوب ہونے کا حق ہے یا نہیں

بہر حال صحت مقدم ہے۔ آپ کی صحت ہمیشہ نازک رہی ہے۔ ناتندرستی زندگی تلخ کر دیتی ہے۔ میں تو اس کی نذر ہو گیا ہوں ؎

خلق مجھ سے طالبِ پابندیٔ اخلاق ہے
میری یہ حالت کہ نجھ پر چھینک بھی شاق ہے

آپ نے خواجہ صاحب کے روزنامچے کے آخر صفحات ۱۲۹ سے ملاحظہ کئے ہیں یا نہیں؟ اس سے زیادہ متعلق ہوں۔ میرے بھانجے ڈاکٹر سید زاہد حسین خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن غالباً امین آباد پارک نمبر ۲۸ میں ہیں وہی بالاخانہ جہاں مقیم تھا۔

اکبر حسین

(۱۳۸)

الہ آباد۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹ء

نہ لکھیئے ہاتھ کانپ گیا۔ ہندسہ کی شکل بگڑ گئی۔ لیکن دماغ میں بھی غلط قیاس پیدا ہوتے رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اخلاقی حالت طبعی حالت سے ملی ہوئی ہے۔ لیکن بہت دور جا کر اس کا انکشاف ہوتا ہے۔ میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ میری نسبت ہمدردی قائم رکھیے۔ صبح کو غالباً آپ کو خط لکھا ہے۔ یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے ارادہ فسخ کیا۔ بلکہ بلاشبہ صحت مقدم ہے۔ اللہ آپ کو تندرست رکھے۔ لیکن ممکن ہے کہ اس کا صرف یہ مطلب ہو کہ ایک ہفتہ کے بعد آؤں گا۔ آپ کی صحت بھی اچھی نہیں۔ میں تو اس عمر میں ایسی تکلیفیں اٹھا رہا ہوں کہ تعجب ہوتا ہے کہ یہ حواس دائیں آجاتے ہیں۔ اپنی خیریت جلد لکھیے۔ اپنا مشتاق سمجھیئے۔ مشتاق بے معنی نہیں ہے۔

اکبر

(۱۳۹)

الہ آباد۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹ء

عزیز مکرم۔ آپ نے شکایت نادرستی مزاج لکھی تھی۔ اس کے بعد آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ میں نے دو خط لکھے۔ طبیعت کو تعلق ہے خدا کرے آپ اچھے ہوں۔ ۲۲ر اکتوبر تک تو میں الہ آباد میں ہوں۔ اس کے بعد اگر قوت سفر ہوئی تو عزم سفر ہوگا۔ دردِ سر۔ تبخیر سوداوی اور ضعف مثانہ شدت اوہام سے بہت تکلیف اٹھا رہا ہوں اگرچہ بہ نسبت پہلے کے اب

لے رعشہ بھی کسی قدر پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ تاریخ کے ہندسے مشکل ہی سے پڑھے جا سکتے تھے۔

غذا کچھ ہونے لگی ہے۔ آپ سے مراسلت باعثِ انبساطِ خاطر ہے معاف فرمائیے گا کہ باعثِ زحمتِ تحریر ہوتا ہوں
اکبر حسین

(۱۴۰)

الہ آباد۔ ۵ر اکتوبر ۱۹ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مجھ کو آپ کی اس نادرستیٔ مزاج کا خیال نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جلد صحت و قوت عطا فرمائے۔ آپ نے نوٹ واپس کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ جب آپ کے علم و متانت پر نظر کرتا ہوں تو اپنا آپ سمجھتا ہوں کہ آپ اس محبت سے پیش آتے ہیں اور ایسا ذاتی تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن میں اس بات پر رضامند نہیں ہوں کہ آپ کے والد صاحب مرحوم کی نیازمندی کی وجہ سے جو بزرگانہ درجہ مجھ کو حاصل ہے۔ اس میں خلل پڑے۔ میں جب وہاں ہوتا ہوں تو آپ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں کہ اپنے گھر میں ہوں۔ آپ کی خالص اور ارادتمندانہ محبت کا دل پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ جو عزت افزائی آپ فرماتے ہیں۔ وہ بھی دل کو بہت خوش کرتی ہے۔ آپ اس ناچیز نوٹ کو جہاں تھا رہنے دیجئے[1] جو چاہے کیجئے۔ مطلب ملنے سے تھا۔ ملنا ہو ہی جائے گا اگر زندگی ہے یہ نہیں تشریف آوری کی کچھ قید نہیں ہے۔ بیماری اور زندگی سے بے تعلق ہو جانے نے بہت ہی دل شکستہ کر دیا۔ حلاوتِ حیات اور امیدِ فردا کے فقدان نے زیست کو بار کر رکھا ہے۔ آپ ہی ایسے خیالات کے احباب سے دل کو کچھ تقویت پہنچتی ہے۔ اس سبب سے یہ آرزو پیدا ہوئی تھی اور ایک اور مقصودِ خاص بھی تھا۔[2] بہرحال یہ مطلب نہ تھا کہ آپ اس رقم کے ذمہ دار

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۳۵ [2] مکتوب نمبر ۱۲۶ کی آخری سطر کا حاشیہ

اور امانت دار ہیں۔ آپ کی صحت کے لئے بقدر اپنی بساط کے ایسی بہت رقمیں نثار کرنے کو موجود ہوں۔ آپ پر شاید بار ہو۔ لیکن وایسی مجھ پر شدید بار ہے۔ اور نہایت بدنما اور مکروہ بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر قابل سفر ہوا تو خود حاضر ہوکر آپ سے ملنے کی مسرت حاصل کروں گا۔ میری یہ عزت کیا کم ہے کہ آپ میری قدر کرتے ہیں۔ خدا آپ کو صراطِ مستقیم پر رکھے۔ یہی بڑی خوشی ہے۔ ینگ ورلڈ کا مجھ کو گرم جوشی کی کی خواہش دیوانگی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے ذمے ابھی بہت فرائض ہیں۔ بہت امور کو ملحوظ رکھنا ہے۔ میرا یہ حال ہے۔

زندہ ہوں تو مجھ پہ ہنسنے والے ہیں بہت

مرجاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہے

گھر میں آداب اور دعا۔ بچی کو پیار۔ بھائی صاحب کو تسلیم۔ خواجہ صاحب کو تار دیا تھا۔ اب بھی کسی وقت دورہ ہوجاتا ہے۔ مقدمہ ترجمہ مکالمات برکلے آپ ہی کا لکھا ہے نا۔ جس میں آپ نے ایک اعلیٰ ہستی کا خیال دلایا ہے۔ زاہد میاں سے مل لیجئے گا۔ بہت ذہین شخص ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ میری تحریر سے کچھ مستنبط کرکے آپ نے نوٹ واپس کیا۔ اگر ایسا ہوا۔ تو میں نے ایسا لکھا ہوگا۔ بہرحال براہ سعادت مندی اب یہ ذکر جانے دیجئے۔ جب آپ سے ملیں گے۔ تو وجہ عجلت معلوم ہوگی۔ آپ سے بعض ضروری باتیں کرنی ہیں یعنی میں ان کو ضروری سمجھتا ہوں انشاء اللہ وقت پر ہوں گی۔ اکبر

(۱۴۱)

دہلی۔ ۱۶ر نومبر ۱۹ء

درگاہ حضرت نظام الدین اولیا۔ ڈاکخانہ عرب سرائے۔

ماجد صاحب کیوں نہیں آئے۔ میری خیریت کیوں نہ پوچھی۔ میرے لکھنؤ

نہ آنے پر نظر کیوں نہ کی۔ آپ کے مختصر اور بلیغ الطاف نامے نے سب خدشے رفع کر دئے۔ میں دہلی آرہا تھا۔ جلد جواب نہ لکھ سکا۔ شکایت امراض بدستور ہے ہنگامہ قلعات سے اکتا کر دیرانۂ دہلی میں دہلی سے تین میل پر پناہ لی ہے۔ خواجہ صاحب کے ریبن بسیرے[۱] میں مقیم ہوں۔ زندہ رہا تو کبھی آپ سے ملاقات ہوگی۔

نیازمند اکبر حسین

(۱۴۲)

دہلی۔ درگاہ سلطان المشائخ۔ ۲۵ر نومبر ۱۹ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی علالت سے بہت حرج ہے خدا جلد صحت دے۔ داد کا شکر گذار ہوں CONTINUITY OF SOWL کا مضمون[۲] آپ نے خوب سمجھا۔ میں تو جانتا ہوں۔ چند دہریوں کے سوا سب اس پر متفق ہیں کہ روح معدوم نہیں ہوتی۔ ہاں مسلم کہتے ہیں کہ برزخ میں رہے گی۔ ہندو (CONTINUTY OF SOUL) کے قائل ہیں۔ ڈاکٹر اقبال صاحب مرزا سلطان احمد صاحب وغیرہ نے لکھا ہے کہ ملنے آئیں گے۔ خدا جانے کب تک رہ سکوں گا۔ پرسوں حاجی اسمٰعیل خاں آگرہ سے آرہے ہیں۔ اہلِ دہلی بہت آتے

---

[۱] ریبن بسیرا خواجہ حسن نظامی کے مہمان خانہ کا نام تھا

[۲] اکبر کا تازہ کلام چھپا تھا۔

فلسفی تجربہ کرتا تھا ہوا میں رخصت   مجھ سے وہ کہنے لگا آپ کدھر جاتے ہیں
کہہ دیا میں نے ہوا تجربہ مجھ کو تو یہی   تجربہ ہو نہیں سکتا ہے کہ مر جاتے ہیں

میں نے اس کی داد کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ اس سے ایک پہلو روح کے تعاد تسلسل کا نکلتا ہے یعنی روح کے درجے اس عالمِ ناسوت میں پورے نہیں ہو سکتے اسکی ترقی و تکمیل کا سلسلہ بعد کو بھی قائم رہتا ہے۔

ہیں۔ مجھ کو تو صرف درگاہ پر نماز و قرآن میں لطف آتا ہے[1]۔ اپنی خیریت لکھئے۔ خواجہ صاحب سلام کہتے ہیں۔ اکبر حسین

(۱۴۳)

دہلی۔ درگاہ حضرت نظام المشائخ۔ ۲ر دسمبر ۱۹ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خدا کرے اب آپ کی طبیعت اچھی ہو۔ ایک روپئے کا زردہ تمباکوئے خوردنی خشکی دانہ دار سولہ روپے سیر والا پوسٹ پارسل کے ذریعہ مجھ کو بھجوا دیجئے[2]۔ امین آباد پارک میں دکان ہے۔ خود دوکاندار بھیج دے گا۔ میرا ایڈریس اور آرڈر اس کو بھیج دیجئے۔ وی پی ایبل کردے یا بہتر تو یہ ہوگا۔ ایک روپیہ اس کے حوالے کیجئے۔ میں لفافہ میں ایک نوٹ بھیج دوں گا۔ اس وقت تو کارڈ اٹھالیا ہے۔ اگرچہ میں معذرت کرتا ہوں کہ یہ زحمت آپ کو دی ہے۔ لیکن اُمید یہ ہے کہ آپ تحکم یا بے تکلفی سے خوش ہوں گے میں نے کھانے پینے کے متعلق دہلی کے بازار پر لکھنؤ کو ترجیح دی۔

اکبر حسین

(۱۴۴)

دہلی۔ ۷ر دسمبر ۱۹ء

ایک لڑکے نے جو خواجہ صاحب کی خدمت میں ہے۔ ناک میں دم کر رکھا ہے۔ خواجہ صاحب سے یہ سُن کر کہ ان کی ہر بات قابل تحریر ہے۔

---

[1] حضرت اکبر درگاہ حضرت نظام الدین اولیا کے جوار میں ٹھہرے ہوئے رہے لیکن درگاہ جو عین صحن مسجد میں واقع ہے۔ وہاں جا کر بجائے رسوم بدعت میں شرکت کے بعد بس نماز اور قرآن ہی پڑھتے رہتے۔

[2] اکبر صاحب حقے میں خوشبودار تمباکو کے بڑے شائق تھے۔

اس نے بے امتیازی سے خرافات اور بے معنی لکھنا شروع کیا ہے۔ میں نے کچھ اجزا اس کو نقل کر دیے ہیں۔ شبہ ہے کہ بلا اطلاع نقل لکھ کر خود ہی لے لے اور خرافات ریویو لکھ کر اخباروں میں بھیجے۔ اب اس سے واپس لے لوں گا۔ خطیب کے مضمون کی مجھ کو خبر نہیں ہے۔ خواجہ صاحب میرٹھ گئے ہیں۔ واپس آئیں تو کہوں کہ اس لڑکے کو قطعی ممانعت کر دیجیے۔ میں ویرانہ دہلی میں نغمۂ دل کی آواز کو ذرا باعثِ تفریح پاتا ہوں۔ کیا عجب ہے کہ جلد وابس آؤں اور لکھنؤ میں کچھ دن رہوں۔ اب جینا ہی کے دن ہے۔ یہاں تماشا بنا ہوا ہوں۔ پنجاب سے کچھ لوگ آنے والے ہیں۔ لیکن پورے وطن کہاں ہم کو آپ سے زیادہ مناسبت ہے۔ ہونا ہی چاہیے۔ بھائی عزیز نے سچ کہا کہ لکھنؤ پر دہلی کو کیوں ترجیح دی۔ خدا کرے عزیز اچھے ہوں میرا اسلام زیادہ کیجیے۔ وہ آپ کے بھی بڑے قدر دان ہیں۔ تمباکو پہنچے گا جنگی ٹیکنکس میں شہر سے تین میل ہوں کل حاذق الملک صاحب یہیں تشریف لائے تھے

دعاگو اکبر حسین

(۱۴۵)

آپ لوگوں[1] نے کیوں کر سمجھ لیا کہ ملفوظاتِ خطیب میں میرے الفاظ ہیں اور میرا مدعا ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ بالکل غلط اور ناقص تحریر ہے۔ مجھ کو اس کا علم بھی نہیں ہوا۔ خواجہ صاحب کے ایک نیک لیکن بے امتیاز ملازم طالب علم نے اپنی بساط کے موافق اپنے الفاظ میں لکھ دیا۔ میں مجبور ہوں۔ خواجہ صاحب خدمتِ خلق میں مصروف ہیں۔ زبان کا مزا ہے۔ عمیق خیالات کا بوجھ نہیں اُٹھاتے۔ باتیں درویشانہ معاشرت نمایاں ہے۔ ایک صاحب نے

---

[1] یعنی میں اور عزیز لکھنوی

پنجاب میں انتخاب چھاپا ہے۔ ایسے رکیک اشعار جو میرے نہیں ہیں، نہ جن کا علم مجھ کو ہے۔ اس میں داخل کر دئے ہیں۔ طوفان بے تمیزی ہے۔ میں معاودت کی فکر میں ہوں۔ دل نہیں لگتا۔ خدا کرے آپ بالکل تندرست ہوں خطیب کو پڑھ کر میں نے جناب سید صاحب کو لکھا تھا کہ اس میں بعض خیالات آپ کے مرتبہ سے پست ہیں۔ اسی کی نقل انھوں نے تحریر کی ہے۔ میں ان کو علیحدہ خط لکھوں گا۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۰ء اکبر حسین

(۱۴۶)

پرتاب گڈھ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ سردی روز افزوں ہے۔ امراض لاحقہ سے اندیشہ ناک ہو کر براہ راست ۱۲ دسمبر کو الہ آباد پہنچا۔ ارادہ تھا کہ لکھنؤ ہوتا ہوا آؤں۔ لیکن ایک درجہ مذروڈ تہ صرف کرنا پڑا۔ رات کا وقت تھا، ایک دن کے لئے پرتاپ گڈھ آیا تھا۔ آج واپس جاتا ہوں۔ آپ سے ملنے کا بہت آرزومند ہوں۔ خدا جلد ملائے۔ شکایت خانہ نے نہایت معذور کر دیا ہے۔ زندہ رہا تو بعد جنوری کے شاید سفر کر سکوں۔ آپ کیسے ہیں۔ اپنی خیریت لکھئے۔ خواجہ صاحب کو میرے چلے آنے کا سخت افسوس ہے۔ بلکہ کل اہل دہلی کو۔ مگر کیا کرتا۔ طبیعت اب دنیا سے اکتا گئی۔ بھائی صاحب کو تسلیم تمباکو کا شکر گذار ہوں۔ اکبر حسین

(۱۴۷)

الہ آباد۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے بہت خوشی ہوئی۔

جب میں نے یہ کہا تھا کہ آپ اس کے مصداق ہیں ؎

من پاکباز عشقم ذوقِ فنا چشیدہ
آہوئے دشت ہویم از ماسوا رمیدہ

اس وقت میں نے دیکھ لیا تھا کہ آپ کی وہ طبیعت آپ کو کدھر لے جائے گی۔ آپ ہنوز راہ میں ہیں۔ لیکن سیدھی راہ ہے۔ ابھی آپ نہیں جانتے۔ کیا نعمتیں آپ کو ملنے والی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک شعر قابل داد ہے ؎

دو سہ گام اگر پئے دل رہِ حق وزیدہ باشی
نہ چہا گذشتہ باشی بچہا رسیدہ باشی

آپ نے آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس سے بھی کمال مسرت ہوئی۔ بشرطیکہ محض ایک بار آتار نے کا خیال نہ ہو۔ ورنہ میں ہرگز آپ کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اُمید ہے کہ آپ خود اپنے ایک مشتاق معذور کے شائق ہیں۔ خطیب والے صاحب ملفوظات میاں .... دہلی سے میرے ساتھ ہو لئے ہیں عجیب شخص ہیں۔ وہ بے انتہا خوش ہوئے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں۔ میں چاہوں گا کہ وہ آپ کے ملفوظات پر متوجہ ہو جائیں۔ وقت تشریف آوری لکھیے گا اکبر

(۱۴۸)

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اپنے قصد تشریف آوری اور خیریت مزاج سے، فوراً مطلع فرمائیے۔ اگر بلا تغیر ہو تو وقت کا نوٹس بھی بہتر ہو گا۔ خدا کرے آپ اچھے ہوں۔ یکم جنوری ۲۰ء اکبر

(۱۴۹)

الہ آباد۔ ۱۴ار جنوری ۲۰ء

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ۔ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

ہرگز حسد نہ بردم بر منصبے و مالے الّا براں کہ دارد با دلبرے وصالے

مجھ کو کسی کے جاہ و دولت پر حسد نہیں ہوتا۔ لیکن محبوب دلستاں سے جسکو وصل ہوتا ہے۔ اس پر عزو رشک و حسد ہوتا ہے۔

علی برادرز[1] کا معاملہ تو عجیب کرشمہ ہے۔ لیکن حضرت سلیمان ندوی سے آپکے ملنے پر رشک آتا ہے۔ میں اس صحبت سے محروم رہتا ہوں۔ یہ رشک اس تصور سے کچھ کم ہو جاتا ہے کہ زیادہ تر ایڈیٹرانہ و تاجرانہ پہلو ہوتا ہوگا۔ یہ بحث نہ ہوتی ہوگی ہم کیا۔ خدا کیا۔ مقصود زندگانی کیا۔ بہترین عمل کیا۔ کاش سلیمان صاحب بھی آپ کے ساتھ آتے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ ابھی ان کے کام کرنے کے دن ہیں۔ طولِ امل اور امید فرداضروری ہے۔ بہرحال سلام شوق زبانہ کیجئے گا۔ میرا تو یہ حال ہے۔

عمر و آلام نے کیا پامال کوئی رگ دل میں اب جہندہ نہیں
سانس لینا ہی زندگی ہے اگر تو میں زندہ ہوں ورنہ زندہ نہیں
نہ حدوں کا یاں ہے نشاں کہیں نہ محل صرت و بیاں کہیں
مرا عشق ہے ترا حسن ہے، مری آنکھ ہے، تری شان ہے

مجھ کو اپنا ایک اور شعر یاد آیا۔ جو حدت زندگانی کے متعلق ہے ؎

میرے اس مصرعے پہ سب کی واہ ہے
ہوش میں ہوں زندگی اللہ ہے

یہ شعر بھی وہی پہلو لئے ہوئے ہے ؎

یہ چلتے ذرے جہانِ خاکی کے اپنی شکلوں میں جلوہ گر ہیں
خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بے خبر ہیں

---

[1] یعنی مولانا محمد علی شوکت علی۔ اب میرے تعلقات ان دونوں بھائیوں سے بڑھ رہے تھے۔ خصوصاً محمد علیؒ سے

علی برادران کی رہائی پر خوشی کا ایک پہلو تو یہ بھی ہے کہ انگریز اپنی فتح پر مطمئن ہو گئے اور اس کی ضرورت نہ رہی کہ اپنے نامہربانوں کو محبوس رکھیں۔ لیکن میں تو صرف اس امید سے خوش ہو سکتا ہوں کہ برادران ممدوح مسلمانوں کی روحانی اور اخلاقی ترقی میں بدل توجہ فرمائیں گے۔ معلوم نہیں۔ اس زمانہ میں کچھ فکر شعر کی بھی فرصت ملی یا نہیں۔ اکبر

(۱۵۰)

۱۲ر جنوری ۲۰ء

عزیزمن۔ آپ کے خیال نے اور میرے شعر کو سند میں لانے کی خبر نے مجھ کو بے حد مسرت بخشی[۱]۔ اللہ روز افزوں نصرت و ترقی باطنی عطا فرمائے۔ اس وقت زیادہ نہ لکھ سکا۔ اکبر

(۱۵۱)

الہ آباد۔ ۲۳ر جنوری ۲۰ء

عزیزمن سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ میں ہرگز گمان نہ کر سکتا تھا کہ آپ اس بلندی پر پہنچ گئے ہیں۔ آیہ عُلوّاً فی الارض[۲] مدت سے پیش نظر ہے۔

---

[۱] میری فلسفۂ جذبات کا دوسرا ایڈیشن نیا نیا نکلا تھا۔ اسی میں ایک جگہ سنداً حضرت اکبر کا یہ مطلع بھی نقل ہوا تھا۔

ایک صورت سرمدی ہے جس کا اتنا جوش ہے
ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

[۲] خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں اب سرگرمی سے جاری تھیں۔ سارے ملک میں ایک بد مست ہیجان برپا تھا۔ میں نے ایک عریضہ میں لکھا تھا کہ ان کمیٹیوں اور جلسوں جلوسوں میں بڑا حصہ حب دنیا کا ہے اخلاص وخدا پرستی خال خال ہی ہے، حالانکہ مطلوب تو یہی ہے اور شہادت میں سورۂ قصص کی آیت تلک الدار الآخرۃ ۔ ۔ ۔ ۔ علواً فی الارض (باقی صفحہ ۱۵۶ پر)

خاموشی کے ساتھ باطنی ترقی میں مصروف رہیئے۔ لقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقناکم اول مرۃ یاد رکھئے۔ کاش آپ سے جلد ملاقات ہو۔ آیئے ہم لوگ اللہ کے واسطے حق کے واسطے۔ روحانیت کے واسطے۔ عقل سلیم کے واسطے۔ متانت ووقار کے واسطے۔ ایک جماعت ہوں۔ ایسے لوگ کم ہیں۔ میں اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ ابتدا ہی میں اس نے آپ کی نسبت مجھ کو اس مصرعہ کو متعلق کرنے کا الہام فرمایا۔

آہوئے دشت ہوہم از ماسوا رمیدہ

آپ بوڑھے نہیں مفسر نہیں۔ آیۃ علوا فی الارض پر نظر پہنچ جانا حیرت انگیز ہے۔

اکبر

(۱۵۷)

الہ آباد۔ ۱۱ر فروری سنہ ۱۹۲۰ء

عزیز محترم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کا ۲۲ر جنوری کا کارڈ اب تک پیش نظر ہے آسمان حقائق ومعانی پر آپ کو چمکا رہا ہے۔ متواتر سردی کم نہیں ہوئی۔ الہ آباد آنے کی زحمت میں آپ کو نہیں دیا جاتا۔ لیکن آخر فروری میں پرتاب گڈھ آیئے عشرت کو فرصت نہیں اور وہ آپ کے مشتاق ہیں اور میری مصلحت ہے کہ آپ اُن سے ملتے رہیں۔ اگر اس سے پہلے میں لکھنؤ آسکا تو دو چار دن کو میں اور آپ پرتاب گڈھ آسکیں گے حصہ سوم مجھ پر بار ہے۔ پبلک کا تقاضا ہے۔ شوق تو رہا نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۵) پیش کی تھی یہ ۱۹۲۰ء ہے میں بحمد اللہ اب از سر نو مسلمان ہو رہا تھا۔ حضرت اکبر میرے ان باطنی انقلابات سے پوری طرح باخبر نہ تھے (حالانکہ ان انقلابات میں خود ان کے اصلاحی اثرات کو بھی خاص دخل تھا) میری زبان سے آیت قرآنی سے استشہاد سن کر حیرت کے ساتھ داد دے رہے تھے۔ یہ فیاضانہ بلکہ خسروانہ ہمت افزائی زیادہ تر اس بنا پر ہے کہ مجھ سے اس وقت ان خیالات کی توقع کسی کو نہ تھی۔

ملاحظہ ہو مکتوب ۱۲۶ کی آخری سطر کا حاشیہ۔

انقلاب اور فنا اس قدر پیش نظر ہے کہ لذت زندگی اور طول امل قریباً مفقود ہے
حواس کا پاس اور سوسائٹی کی خاطر ہے۔ چاہتا ہوں کہ لکھنؤ میں چھپوا دوں۔
عزیز صاحب سے اس بات میں تحریک ہوئی ہے۔ اپنی خیریت سے اطلاع
دیجیے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں سلام۔ وکٹوریہ فٹن کے لئے مجھ کو ایک
گھوڑا چاہیے۔ چلا چلایا ہو۔ موٹر سے بھڑکتا نہ ہو۔ آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔
اگر لکھنؤ میں تلاش کر دیجیے۔ قیمت جو کچھ ہو۔ بغیر سواری کے بہت دقت ہوتی ہے
اور اگر ضرورت ہوئی تو صرفہ سفر میرے ذمہ۔ اکبر حسین

(۱۷۳)

الہ آباد۔ ۲۳ / فروری سنہ ۲۰ء

عزیز اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ کے کارڈ کا جواب اس وقت لکھ رہا
ہوں۔ ہوائے سرد نے اعضا کو بہت مضمحل کر دیا تھا۔ احساس فنا اور یہ نوبت
عمر۔ اس خیال سے عملی زندگی میں بہت حرج ہوتا ہے۔ کہ معلوم نہیں۔ کس
وقت شمع حیات گل ہو جائے۔ جب کبھی تبخیر کم ہوتی ہے۔ تو البتہ پھر حواس دنیا
سے مانوس ہو جاتے ہیں۔

آپ کے آبزرویشنز ۲ اس طوفان بے تمیزی کے متعلق جو اس وقت برپا ہے۔
نہایت صحیح ہیں۔ علم و حکمت آپ کو دعا دیتے ہوں گے آپ ان کا حق ادا کرتے
ہیں۔ میں شاید مارچ میں قصد لکھنؤ کا کر سکوں۔ اگر رتاب کدھا گیا اور موقع ہوا تو

---

۱ میں جب الہ آباد میں حضرت اکبر سے ملا ہوں۔ فٹن اور گھوڑا ان کی سواری میں تھا۔ اس
وقت کے معیار سے ایک اچھی خاصی امارت کی علامت تھی۔

۲ OBSERVATIONS یعنی خیالات۔ معارف میں شذرات اس زمانے میں
میرے ہی ہوتے تھے یہ اشارہ انھیں کی جانب ہے۔

ایک دن کے لئے ضرور زحمت گوارا کیجیئے گا۔ عشرت سلمہ ابھی دورے پر ہیں۔
گھوڑے کی قیمت آپ کی رائے پر منحصر ہے۔ بہرکیف دہائیوں سے زیادہ یعنی سینکڑوں تک ہو۔ موٹر سے نہ بھڑکے۔ مضبوط ہو۔ اکبر

(۱۵۴)

الہ آباد۔ ۱۹ ر مارچ سنہ۲۰ء

عزیز اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے دل خوش ہو گیا عبدالباری صاحب[1] کا لکچر دیکھا۔ ان کی وقعت نظر میں بہت زیادہ ہو گئی۔ الحمد للہ کہ وہ آپ کے دوست ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ وہ آپ اور میں یکجا ہوں۔ میں غالباً ۲۲ ر کے بعد پرتاب گڈھ جاؤں۔ وہاں سے لکھنؤ کا ارادہ ہے۔ زندگی و توانائی ختم ہو رہا ہے۔ ناتندرستی و ناتوانی نے معذور کر دیا ہے دل و دماغ میں انتشار رہا کرتا ہے۔ یاران موافق میسر نہیں آتے۔ خدا آپ سے جلد ملائے۔ انتظار بیش کروں گا۔ کاش آپ سنو لے انتخاب کرتے۔ ڈاکٹر اقبال ملنے آئے تھے۔ تین دن رہ کر گئے۔ کہتے ہیں میں آپ کے ساتھ رہتا تو ایک مجموعہ مرتب کرتا۔ خط لکھتے رہیئے۔ خدانخواستہ نہ آسکا تو آپ کو یہاں پرتاب گڈھ آنا ہو گا۔ اگرچہ ابھی تو آپ بہت کچھ لٹریری ہیں مگر انشاء اللہ بہت کچھ روحانی ہو جائیے گا۔ بڑے اثر اور نام وری کے ساتھ۔ بیٹھا تھا کہ بہت کچھ لکھوں۔ لیکن نہ لکھ سکا۔

(۱۵۵)

پرتاب گڈھ۔ ۲۵ ر مارچ سنہ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس عمر اور ان امراض کے ساتھ انتشار

[1] مولوی عبدالباری ندوی اور بعد میں مولانا۔ حاجی۔ شاہ۔ ان کے لکچر کا عنوان مذہب و عقلیات تھا۔

طبع پر کیا تعجب کروں۔ اگر سفر کرنا ہے تو ایسی حالت بیماری میں سارے خطرات اُٹھا کر سفر کروں۔ دنیا اپنے ضروری کاموں میں مصروف ہے۔ کس کس کو بلاؤں۔ ہاں آپ ان سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی آپ سے درخواست تشریف آوری کر سکتا ہوں۔ پرسوں میں یہاں پہنچا۔ دو ہی گھنٹہ کا سفر تھا۔ لیکن بار ہوا۔ عشرت کہتے تھے کہ آپ کو بلاؤں۔ میں نے چاہا ہے۔ ممکن ہو تو خود آؤں۔ اس وقت مولوی عبدالباری صاحب کا بھی خط آیا ہے کہ ۲۶ر کو ماجد میاں صاحب کا مہمان ہوں گا۔ میں کوشش کروں گا۔ اگر نہ آسکا تو آپ صاحبوں سے درخواست تشریف آوری کروں گا۔ بہت جگہیں ہیں۔ جہاں لوگ امید کرتے ہیں کہ میں ٹھہروں گا۔ لیکن غالباً سید زاہد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن نیا گاؤں کے یہاں اوّل جانا ہو۔ میری حقیقی بھانجی گھر میں ہیں۔ اُن کا شکوہ ہوگا

اکبر حسین

(۱۵۶)

پرتاب گڈھ۔ بنگلہ سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر۔

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آج میں نے ارادۂ سفر کیا تھا لیکن ابر و باد اور ضعف و خطرہ اشتداد علالت سے رک گیا۔ آپ سے ملنے کا شوق بہت ہے۔ عشرت میاں بھی آپ کی تشریف آوری کے متر صد ہیں۔ دو دن کے لئے خود ہی زحمت گوارا کیجیے۔ احباب لکھنؤ کو بہت مایوسی ہوگی۔ لیکن کیا کروں۔ زندگی ہی غنیمت سمجھیں۔ یہ ممکن ہے کہ آپ کے ساتھ لکھنؤ پہنچ سکوں۔ مولوی عبدالباری کو بھی ساتھ لیجیے۔ میں خوش ہوا کہ انھوں نے الٰہ آباد ہی آنے کا ارادہ کر لیا تھا اطلاع مل جائے تو اسٹیشن پر سواری موجود رہے۔ ۹ بجے وہاں سے چلیئے تو یہاں قریب ایک،

بجے دن کو پہنچیے۔ اچھا وقت ہے۔ اگر تار دیجیے تو تاریخ معلوم ہو جائے۔
دس روپے کا نوٹ علی الحساب ہے جو کچھ ہو گا۔ دے دیا جائے گا۔ آپ ہی کا ہے۔ اکبر حسین

(۱۵۷)

عزیز من سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اپنی خیریت لکھیے۔ عزیزی صبغۃ اللہ صاحب[1] آپ کی مدح کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ آپ روحانی ترقی میں سرگرم ہیں۔ رعیت[2] میں آپ نے مضمون کی تمہید خوب لکھی تھی۔ افسوس ہے میں اب خواجہ صاحب کے ساتھ پورے طور پر نہیں چل سکتا۔ تفصیل اس کی بروقت ملاقات سنیے گا۔ ۲۷ مارچ ۲۰ء اکبر

زندہ رہا تو رمضان کے بعد پھر قصد لکھنؤ کروں گا۔ اچھا ہے دہیں مردل آپ کے ہاتھ سے مٹی پاؤں۔ رعیت میں بجز ایک شعر "اللہ کے ہوتے ہوئے" باقی اشعار بے جوڑ اور نامناسب چھپے۔ خدا جانے خواجہ صاحب کو کہاں سے ملے۔ ان کا محل نہ تھا۔ نہ میرے دیوان میں ہیں[3]

(۱۵۸)

پرتاب گڑھ۔ ۳۰ مارچ ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کا انتظار ہے۔ سواری اسٹیشن پر

---

[1] یعنی مولوی صبغۃ اللہ صاحب شہید فرنگی محلی۔ اُن کے دادا مولوی ترافت اللہ صاحب مرحوم سے حضرت اکبر کے خاص تعلقات تھے۔

[2] رعیت کے نام سے ایک روزنامہ اخبار خواجہ حسن نظامی صاحب نے دہلی سے نکلوایا تھا۔

[3] حضرت اکبر خوش مذاق کی مد میں بہت سے ایسے شعر بھی کہہ جاتے تھے جنھیں صرف تخلیہ کی صحبتوں میں احباب تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ عام اشاعت ہرگز نہ گوارا کرتے رعیت میں کچھ کلام اس قسم کا بھی چھپ گیا تھا۔

پر جائے گی۔ عشرت میاں نے سب انتظام کر دیا ہے۔ مولوی عبدالباری صاحب کا ہونا باعث لطف مزید ہوتا۔ لیکن آپ کا آنا ان کی معیت پر مشروط نہیں۔ آپ چلے آیئے۔ وہ یہاں براہِ راست تشریف لا سکتے ہیں۔ میں کل بہت علیل ہو گیا تھا۔ ڈر تھا کہ آپ سے بات نہ کر سکوں گا۔ لیکن آج پھر بحال ہو گیا ہوں۔

دعاگوئے شما اکبر حسین

(۱۵۹)

پرتاب گڈھ۔ ۲ر اپریل سنہ ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آج آپ کی تشریف آوری کا انتظار تھا۔ عشرت سلمہٗ آپ کی فرودگاہ کی درستی میں خوشی سے مصروف رہے اگرچہ اپنے کام میں بھی مشغول تھے۔ چپراسی سواری لے کر بارہ بجے سے اسٹیشن پر حاضر تھا۔ گاڑی لیٹ تھی۔ پونے چار بجے چپراسی واپس آیا کہ آپ تشریف نہیں لائے۔ سب کو مایوسی ہوئی۔ دعا ہے کہ آپ خیریت سے ہوں۔ آج ڈاک اول وقت نہیں آئی۔ شاید اس وقت آپ کا کوئی خط ملے۔ امید ہے کہ کل آپ تشریف لائیں۔ عبدالباری صاحب نے روک لیا ہوگا۔ کہ میں بھی چلوں گا۔ اکبر حسین

(۱۶۱)

الہ آباد۔ ۲ر مئی سنہ ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ حاذق الملک صاحب نے بھی حرا والے شعر کو بہت پسند کیا۔ لیکن آپ صاحبوں کو مشاغل حرا کا بھی

لہ۔ شعر یہ تھا سہ رفتار اور رحمت میں ہو رہی ہوا کی ہو ؎ لے قصہ گو سے بدر و حنین و حرا کی ہو
پرتاب گڈھ حاضری دے آیا ہوں۔ اپنی زبانی حضرت اکبر نے یہ شعر سنایا تھا (باقی صفحہ ۱۶۲ پر)

کچھ خیال چاہیئے۔ آپ کا مزاج کیسا ہے۔ مئی۔ جون۔ جولائی کی گرمی نے اگر جان چھوڑی تو انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ اس گھوڑے کا کیا حال ہے۔ جب کوئی نقص ہوتا ہے۔ اسی وقت لوگ جانور کو علیحدہ کرتے ہیں لیکن فی الواقع مضبوط جانور ہو اور موٹر سے بھڑکتا نہ ہو۔ گاڑی میں صاف چلتا ہو۔ خرید کیا چاہتا ہوں۔ عشرت کو بھی ضرورت ہے۔

اکبر حسین

(۱۶۱)

حبیبی عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ زاہد صاحب نے لکھا کہ گھوڑا بک گیا۔ خیر خیال میں رہے۔ عشرت سلمہ کی بھی خواہش ہے۔ واپسی تمدن[1] کا نکتہ خوب ہے جزاک اللہ اس کی نسبت کچھ کہا ہے پیش کر دوں گا۔ طبیعت کو انتشار ہے۔ تبخیر بہت شدت سے ہوتی ہے۔ جب ہو سکے تو دو چار دن کے لئے یہاں آیئے قلم یہاں تک کام دے سکتا ہے۔ جالب صاحب کی خدمت میں تسلیم

۱۵ر مئی سنہ ۲۰ء اکبر حسین

(۱۶۲)

الہ آباد۔ ۶ر جون سنہ ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ جو مضمون آپ لکھا چاہتے ہیں قریباً اسی خیال سے چند روز ہوئے یہ شعر موزوں ہوا تھا[2]

(باقی ۱۶۴) اور میں جھوم جھوم گیا تھا۔ شعر بالکل میرے دل کا ترجمان تھا۔

حاذق الملک سے مراد حکیم اجمل خاں مرحوم ہیں۔

[1] خلافت و ترک موالات کی کمیٹیوں نے طے کیا کہ گورنمنٹ کے خطابات سب لوگوں کو واپس کر دینے چاہئیں۔ میں نے معارف شذرات میں لکھا کہ اصل واپسی تو خود مغربی تمدن کی ہونا چاہیئے۔

[2] میں نے لکھا تھا کہ بچنے کی اصل چیز انگریزیت ہے۔ نہ کہ انگریزی قوم۔

حسنِ بت دیر میں کھینچے لئے جاتا ہے تمھیں
کیا نتیجہ ہے برہمن سے کھنچے رہنے کا

گرمی شدید ہے ورنہ اصرار کرتا کہ دو چار دن کو آئیے۔ کچھ کام کی باتیں ہوتیں میں تو گھر سے نکلا نہیں۔ لیکن بہت بزرگوار ملنے تشریف لائے[1]۔ اگرچہ رفتارِ زمانہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ معلوم نہیں کیا شدنی ہے لیکن بظاہر بہت باتیں بے فائدہ بلکہ مضر نظر آتی ہیں۔

سالونیکا والا شعر کئی برس کا کہا ہوا الغو اور صرف پلے ایان وَرڈز[2] ہے۔ خدا جانے رعیت نے کہاں سے نقل کر لیا۔ میں نے ان کو شکایت لکھ دی ہے۔ مدت ہوئی۔ ترک وہاں سے بے دخل کر دئے گئے۔ صبغۃ اللہ صاحب بیچارے نہیں جانتے کہ کدھر کے ہو رہیں۔ آپ کو تو اب وہ بڑے واصلانِ حق میں داخل کرتے ہیں۔ انشاء اللہ یہی ہوگا۔ انشاء اللہ کسی وقت اور کچھ اشعار لکھوں گا یادداشت میں بہت کچھ ہے۔ گرمی زیادہ ہے لکھنا بار ہے اکبر حسین

(۱۶۳)

الہ آباد۔ ۲۱ر جون سنہ ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ معلوم نہیں۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہاں تو

---

[1] خلافت کانفرنس کا اجلاس الہ آباد میں ہوا۔

[2] PLAY UPON WARDS یعنی رعایت لفظی۔ سالونیکا کے موقع پر ترکوں اور بلقانی مسیحی سلطنتوں سے بڑی سخت جنگ ہوئی تھی۔ اکبر نے اسی وقت کہا تھا ؎

مغرب کی لیڈیاں بھی ترکی حرم میں آئیں ملحوظ رکھے دنیا اس رشتۂ بہم کو
پھر ان پہ کر کے قبضہ کہہ دیں یہ ترک ان سے سالونیکا سے اب تو سالونکالو ہم کو

اکبر ایسے کلام کو اپنے دیوان میں جگہ دینے کے روادار نہ تھے۔

گرمی ایسی شدید ہے کہ حواس درست نہیں۔ سلیمان صاحب کا خط آپ کے نام سرسری نظر سے دیکھا تھا۔[1]

دعائیں کر رہے ہیں ہم یہاں مسجد کی دریوں پر
مبارک ہو سلیمانی نظر پیرس کی پریوں پر

کچھ خبر ہے کہ یہ حضرات کب تک واپس آئیں گے۔ اپنی خیریت لکھئے۔ اسلام صاحب کو میرا اسلام فرما دیجئے گا۔ زندہ رہا تو شاید جولائی میں ملتا ہوں۔ اکبر

(۱۶۴)

الہ آباد۔ ۱۶ر اگست ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ آپ کو خوش اور تندرست رکھے۔ میں نے کئی خط آپ کی واپسی کے متعلق اطلاع حاصل کرنے کو لکھنؤ بھیجے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ آپ سے محبت ہے اور ملنے کو دل چاہتا ہے۔ آپ سے کام بھی ہے۔ حصہ سوم کا انتخاب اور اس کی اشاعت آپ ہی کے ذریعے سے ہو تو بہتر ہے۔ عشرت سلمہ سے طے کروں گا اگر مالی نفع ہو تو اس میں آپ کی توجہ اور صرف وقت کے عوض میں آپ بھی شریک ہوں۔ بہر حال ضروری کام ہے۔ اور آپ کے مذاق کے موافق ہے۔ بیسیوں خط اہلِ پنجاب کے آئے ہیں۔ لیکن میں کسی کو اس کام کا اہل نہیں سمجھتا۔ خدا کرے آپ بہت جلد صحیح و توانا ہو کر لکھنؤ واپس آسکیں۔[2] میں منتظر ہوں۔ بہ شرط زندگی و توانائی آپکی واپسی پر لکھنؤ پہنچوں گا۔ انشاء اللہ۔ خواب مبارک ہو۔ جب ملئے گا تو اسکے

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی مولانا محمد علی کے ہمراہ وفد خلافت میں یورپ گئے ہوئے تھے۔ ان کے خطوط میرے نام کے ہمدم میں چھپ جایا کرتے تھے۔ اس وقت مولانا پیرس میں تھے۔

[2] میں کئی ہفتہ کے سفر پر حیدرآباد و اورنگ آباد گیا ہوا تھا اور وہاں بیمار ہو گیا تھا۔

متعلق آپ سے کچھ کہوں گا۔ کرشن صاحب بڑے شخص گزرے ہیں[۱]۔ انتخاب اشعار مجھ پر بار ہے۔ اس موسم میں دورانِ سر کی شکایت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ کل کوشش کروں گا کہ آپ کے معارف کے لئے کچھ اشعار انتخاب کروں۔

مسلمانوں پر جو باخبر اور صاحب دل ہیں۔ اس وقت بڑی مصیبت ہے۔ ان کو عظیم خطرات کا سامنا ہے۔ پولٹیکل پہلو پر تو بہت شور و شغب ہے لیکن اخلاقی و روحانی پہلوؤں کی طرف کم خیال ہے۔

آپ سے زبانی گفتگو ہوئی ہوگی۔ عجب نہیں کہ حسن نظامی صاحب بھی آپ کی واپسی کے زمانے تک تشریف لائیں۔ اپنی خیریت برابر لکھتے رہیئے۔ میری نسبت جو کچھ آپ نے خیال ظاہر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس حسنِ عقیدت سے بہرہ مند کرے۔

اکبر حسین

(۱۶۵)

الہ آباد۔ ۲۸ر اگست ۲۰ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ! الحمد للہ کہ آپ خیر و عافیت سے لکھنؤ پہنچ گئے۔ سال کا یہ موسم میرے لئے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ انشاء اللہ دو ہفتے بعد قصد سفر کر سکوں گا۔ آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے آپ کی طبیعت صحیح نہیں۔ ورنہ کہتا کہ یہاں یا پرتاب گڈھ تشریف لائیے کیا کچھ اشعار نہ بھیج دوں۔

اکبر حسین

---

(۱) میں نے خواب دیکھا تھا جس کا کچھ تعلق زیارت نبوی سے تھا اور اسی سلسلہ میں کرشن جی کے ایک ہم نام خواب میں نظر آتے تھے۔

(۱۶۶)

۲۳ ستمبر ۲۰ء معارف صفحہ ۸۲ لندن میں رشنلسٹ ایسوسی ایشن۔ اس پر جس نے ریمارک لکھا ہے۔ خوب لکھا ہے۔ پارسال اسی موسم میں خدمت سے بیمار ہوگیا تھا۔ اس وقت بھی تکلیف ہے۔ خدا کرے آپ سے جلد ملنا ہو۔

آپ کا مشتاق
اکبر حسین

(۱۶۷)

پرتاب گڈھ۔ ۲۰ دسمبر ۲۰ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کل میں یہاں آیا۔ ڈیڑھ گھنٹے کا سفر بھی مشکل سے طے ہوا۔ ارادہ ہے کہ دو ہی تین دن میں الہ آباد واپس جاؤں۔ معلوم نہیں آپ گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخر ستمبر میں انشاء اللہ بشرطِ زندگی لکھنؤ کا قصد کردں۔ اپنی خیریت سے مطلع فرمایئے۔ آپ کے احبابِ[1] انگلستان سے کب واپس آئیں گے۔

اکبر حسین

(۱۶۸)

پرتاب گڈھ۔ ۱۶ ستمبر ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ طبیعت کو بے حد قلق ہے۔ اپنی خیریت سے مطلع فرمایئے۔ افسوس ہے کہ ضعف نے اجازت نہ دی۔ ورنہ آپ کی عیادت کرتا۔ زندگی باقی ہے تو آخر ستمبر یا شروع اکتوبر میں قصد کروں گا۔ ہر روز درد سر کا دورہ ہوتا ہے گھنٹوں رہتا ہے۔ تبدیل موسم سے کچھ اصلاح کی امید ہے۔ کاش ایسی صورت نکلتی کہ میرا مستقل قیام لکھنؤ میں ہو سکتا۔ اپنے بھائی صاحب کی خدمت میں میرا سلام فرما دیجئے۔ آپ کے گھر میں دعا۔ خواجہ صاحب کمبئی[2] نہ

[1] یعنی مولانا محمد علی، مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ ارکان وفد خلافت برائے یورپ (نظر ثانی)
[2] اس حقیر ہی کی یہ تحریر تھی۔

حیدرآباد گئے ہوئے ہیں۔ پرتاب گڈھ میں بھی کچھ شورش کا خدشہ تھا اور ہے[1]۔
عشرت بہت مشغول و مصروف ہیں۔ اکبر حسین

(۱۶۹)

پرتاب گڈھ۔ بنگلہ سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۲۱ ستمبر ۱۹۲۰ء

حبیبی و عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں نے دو خط بدریافت مزاج آپ کو لکھے ہیں۔ جواب نہیں ملا۔ بے حد تعلق خاطر ہے۔ آپ نے صرف آپریشن کی خبر دی تھی۔ امید ہے کہ اب آپ بالکل اچھے ہوں گے۔ براہ مہربانی بواپسی ڈاک خیریت سے مطلع فرمایئے۔ حالات موجودہ نے آپ کے ساتھ دلی تعلق کو اور بھی زیادہ کر دیا ہے۔ آپ نے اشعار مانگے تھے۔ یاد نہیں کہ آپ کو بھیجے یا نہیں۔ کاش آپ خود منتخب کرتے۔ ہمت سفر باندھ رہا ہوں۔ ضعف و افسردگی غالب ہے۔ اکبر حسین

(۱۷۰)

پرتاب گڈھ۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۲۰ء

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خدا کرے آپ جلد توانا ہو جائیں۔ میں خود آپ سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں لیکن بہ وجہ عوارض لاحقہ خاص انتظام قیام ضروری ہے جو ہنوز نہیں ہوا اور شاید ایک دفعہ مجھ کو الہ آباد بھی جانا ہے۔ ۴ یا ۵ اکتوبر تک غالباً قصد نہ کر سکوں۔ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ حصہ سوم جلد طبع ہو جائے تو بہتر ہے[2]۔ کیا آپ دو ایک دن کو تشریف نہیں لا سکتے۔ آپ کو سمجھا دوں۔ عزیز صاحب بھی معین ہوں گے۔ ضرورت کا نوٹ بھیج دوں گا۔ آمد و رفت

---

[1] بسلسلہ تحریک خلافت۔ ترک موالات (نقوش ثانی)

[2] افسوس ہے کہ یہ آرزو مرحوم کی زندگی میں نہ پوری ہو سکی۔

کے لئے آپ کو کافی ہو جائے گا۔ عزت یار بھی آپ کے مشتاق ہیں۔ بے تکلفانہ یہ خواہش ظاہر کی۔ معلوم ہے کہ آپ کی صحت اچھی نہیں۔ خیر اگر نہ آسکئے تو جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ ممکن ہے کہ عزیز صاحب کو یہاں آنے کی تکلیف دوں۔ لیکن ان کو خانہ داری کے تعلقات سے بمشکل فرصت ہوگی۔ جواب جلد دیجئے۔ اشعار جلد بھیج دوں گا۔ انتخاب دشوار ہے۔ اکبر حسین

(۱۷۱)

الہ آباد۔ ۹ر اکتوبر ۲۰ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے معارف[۱] میں خوب مضمون لکھا ہے۔ جس میں میری نظم بھی درج فرمائی ہے۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ مدارج عالی پر پہنچائے۔ صفائے بیان۔ صحتِ خیال بلند نظری آپ کے حصہ میں ہے کیا کہوں اب تک جرأت سفر نہیں کر سکا۔ آپ سے ملنے پر میرے بہت سے کام منحصر ہیں۔ پرتاپ گڈھ میں راجہ صاحب سے مہمان ہونے کا وعدہ کر لیا ہے۔ مگر اسی نازک ستی مزاج کا خیال کر کے تامل کر رہا ہوں بہر حال بشرط زندگی اسی اکتوبر میں آنے کا قصد ہے۔ سید سلیمان صاحب[۲] سے میرا بہت بہت سلام فرما دیجئے گا۔

دعائیں مانگتے تھے ہم یہاں مسجد کی دریوں پر
مبارک ہو سلیمانی نظر پیرس کی پریوں پر

نواب علی صاحب پروفیسر بڑودہ کالج کا یہ مطلع مجھ کو نہایت پسند آیا تھا۔ اس پر مصرعے لگا دئے ہیں۔ معارف میں طبع کر دیجئے ؎

نواب اور علی سے ترکیب نام کی ہے مقبول طبع خوبی ان کے کلام کی ہے

---

[۱] معارف کے ان شذرات میں ترک موالات کے اخلاقی و روحانی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔

[۲] مولانا یورپ سے واپس آ گئے تھے۔

کیا لاجواب مطلع کل آپ نے سُنایا — سالک نے راہ پائی عارف کو وجد آیا
اترے ہیں جو زمیں پر روشن دماغ لے کر — وہ ڈھونڈتے ہیں مجھ کو دل کا چراغ لے کر

اکبر

(۱۷۲)

الہ آباد۔ ۵ ر اکتوبر ۲۰ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خدا کرے اب آپ بالکل اچھے ہوں۔ میں غالباً ۲۲ ر اکتوبر کے بعد سفر کو اٹھوں۔ بشرط زندگی و توانائی۔ حصہ سوم کی بڑی نکہ ہے۔ آپ سے شوکت علی صاحب سے ملاقات ہو تو میرا اسلام شوق پہنچا ئیے۔ ملنا ہوتا تو بعض ضروری باتیں گوش گذار کرتا۔ حصہ چہارم میں اپنی ایک نظم رکھی ہے

جس بات کو مفید سمجھتے ہو خود کرو — اوروں پہ اس کا بار نہ اصرار سے دھرو
کافی ہو بس یہ وعظ کہ غیرت ضرور ہے — تقویٰ بہت ضرور ہو اللہ سے ڈرو
حالات مختلف ذرا سوچ لو یہ بات — دشمن تو چاہتے ہیں کہ آپس میں لڑ مرو

بہت نظمیں ہیں۔ خدا جلد وہ موقع لائے کہ آپ دیکھیں اور منتخب کریں اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے۔ — اکبر حسین

(۱۷۳)

پیارے ماجد صاحب اللہ سلامت رکھے۔ معلوم نہیں۔ آپ کیسے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔ یہ فرمائیے کہ شوکت علی صاحب اور محمد علی صاحب سے آپ سے ملاقات ہوئی۔ اور باتیں ہوئیں یا نہیں۔ سید سلیمان صاحب کہاں ہیں معارف کا چارج لیں گے۔ یا سہ ماہ اج میں کام کریں گے۔ میں ارادہ لکھنؤ کا کر رہا ہوں ضعف اور انتشار طبع اور بیماری نے ہنوز اجازت نہیں دی۔ بہت حرج ہو رہا

ہے۔ زندگی کا اعتبار نہیں۔ خدا کرے جلد فارغ ہو کر با اطمینان منتظر اجل ہو جاؤں بلکہ مشتاقِ اجل، جواب جلد لکھیے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۶ر اکتوبر ۲۰ء

پرتاب گڈھ میں دم لے کر لکھنؤ آؤں یا براہِ راست۔ ہنوز نہیں کہہ سکتا۔ ظفر الملک[1] صاحب کے مصائب کا افسوس ہے۔ عزیزی صبغۃ اللہ تمہیں ملیں تو میری دعا کہہ دیجئے گا۔

(۱۷۴)

عزیزی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ایسے شدید اور غیر معمولی تردّدات پیش آ گئے ہیں کہ اب تک نہ آ سکا۔ دنیا عجب جگہ ہے۔ ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ تو وہ ہم کو نہیں چھوڑتی۔ حصہ سوم کا مسودہ تیار ہے۔ اگر کہئے تو آپ کو یا عزیز صاحب کو بھیج دوں۔ چھپنا شروع ہو جائے۔ دیر ہو رہی ہے۔ پبلک کا تقاضا ہے آپ نے خوب لکھا تھا کہ روحانیت کی مدد ہو تو میں بھی ان کا شریک ہو جاؤں۔ بالفعل تو مطلع تاریک ہے۔ خدا روشن کرے۔

اپنی خیریت لکھئے۔ مجھ کو ان آفات سے نجات ملے تو بشرطِ زندگی حاضر ہوں۔ نقصان مالی ہوا ہے[2]۔ اور ایک مطالبہ ناواجب در پیش ہے۔

سلیمان صاحب کہاں ہیں؟ الہ آباد ۱۱ر نومبر ۲۰ء اکبر حسین

(۱۷۵)

الہ آباد۔ ۱۷ر نومبر ۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ روح خوش ہو گئی کہ آپ نے مجھ سے

---

[1] مولوی حاجی ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر کو ایک سیاسی جرم میں دو سال کی سزا ہوئی تھی۔

[2] غالباً بنک فیل ہو گیا تھا اور حضرت اکبر کا روپیہ کئی ہزار کی تعداد میں ڈوب گیا تھا۔

اس خیال سے اتفاق کیا ع عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہے گی
افسوس ہے کہ ایسے محب روحانی سے جدا ہوں۔ خدا جلد تردداتِ سے نجات
دے۔ تعلقات سے بیزار ہوں۔ لیکن جو پھندے پڑ چکے ہیں۔ اور جن کی
اخلاقی ذمہ داری مجھ پر قطعاً نہیں ہے۔ ان کے قانونی اثر سے جان چھڑانے
کی کوشش کر رہا ہوں۔ گو کتنا ہی نقصان[1] ہو۔

اس وقت یہ خط برسوں کا لکھا ہوا نظر آیا۔ یاد نہیں کہ آپ کو دوسرا خط
لکھا یا یہی لکھا تھا پڑا رہ گیا۔ اکبر حسین

(۱۷۶)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ایک یورپین مدعی فلسفہ کا مضمون میں آپ کو
بھیجتا ہوں۔ بہت دن ہوئے۔ میں نے ایک مطلع کہا تھا۔ حصہ سوم میں
درج ہوگا ؎

حیرت میں ختم ہو گئی انتہائے زندگی حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی

لیکن اس مصنف یا مضمون نگار کا خیال صریحاً غلط ہے۔ امید ہے کہ
آپ خود اس کی غلطی کو سمجھ لیں گے۔ افسوس ہے کہ بعض بد دیانت حریصوں
کی بد اندیشی نے مجھ کو شدید تردداتِ میں مبتلا کر دیا ہے۔ خدا جلد نجات
دے۔ اسی سبب سے ہنوز نہیں آسکا۔ لیکن ارادہ ہے کہ تردداتِ کے
رفع ہونے کا انتظار نہ کروں اور اسی پر عمل کر سکوں ؎

سکونِ دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا۔ اپنی خیریت
لکھیے۔ اکبر حسین
۲۴ر نومبر ۱۹۰۶ء

---

[1] حضرت اکبر کے تعلقات اپنے پہلے محل سے شروع ہی سے بہت کشیدہ رہے اور اب تو سالہا سال
سے نوبت بے تعلقی کی تھی اب دعویٰ غالباً ان کی یا ان کی اولاد کی طرف سے ہوا تھا۔

لکھیے۔ اکبر حسین ۲۴ر نومبر ۱۹۲۰ء

شاید میں جلدی نہ آسکوں تو کیا آپ پرتاب گڑھ ایک دن کو آسکیں گے ممکن ہے کہ آپ کے ساتھ ہی ہو لوں اور لکھنؤ پہنچوں۔ الہ آباد محمڈن بورڈنگ ہاؤس کے تمام لڑکوں نے بورڈنگ ہوس چھوڑ دیا ہے۔ مصر ہیں کہ مہتمم امیر علی کو نکال دیا جائے۔ زاہد میاں کے لڑکے بھی ان میں شامل ہیں۔

(۱۷۷)

الہ آباد۔ اار دسمبر ۱۹۲۰ء

عزیزی ماجد میاں اللہ آپ کو خوش رکھے اور مدارج عالی پر پہنچائے۔ آپ نے میرا شعر خوب یاد رکھا۔ جزاک اللہ۔ بہ امید ثواب اثر غم قبول کرتا ہوں۔ آپ کے صفائے باطنی اور اندازِ روحانیت کو اللہ قائم رکھے۔ شمسؒ تبریز صاحب نے تو مشاہداتِ ایمانی میں قدم رکھا تھا۔ لیکن نیاس بھی اس مغربی مضمون نگاری کی تائید نہیں کرتا ہے۔ تعجب ہو کہ فلاسفروں میں مصنف نے اس کو شمار کیا۔ شمع کا وجود شعلہ پر مقدم ہونا مسلم نہیں ہے۔ شعلہ وجود شمع کو گھٹاتا جاتا ہے۔ روح جسم کو بڑھاتی جاتی ہے۔ دل میں آیا تھا کہ ایک مدلل آرٹیکل لکھوں۔ لیکن غیر ضروری سمجھا۔ آپ سے ریویو ٹاکر دینا کافی تھا۔ ایسے مجرموں کے لئے آپ بہت ہیں۔ لکھنؤ آنا چاہتا ہوں۔ لیکن ان روزوں ضعف مثانہ کی یہ خدمت ہے کہ شب و روز میں شاید ۲۰-۲۵ مرتبہ چوکی پر جانا ہوتا ہے۔ سردی بھی زیادہ ہو گئی۔ بہرکیف آنا ضروری بھی ہے۔ اور آپ سے ملنے کا آرزومند بھی ہوں۔ اللہ مدد کرے۔ ہنوز پرتاب گڈھ

لے میں نے دیوان شمس تبریز سے (جو مولانائے رومیؒ ہی کا کلام ہے) کوئی شعر لکھ بھیجا تھا۔

بھی نہیں جا سکا۔ کاش آپ مسودات دیکھ کر کچھ اور اشعار منتخب کر لیتے اور حسب موقع اخبارات کو بھیجا کرتے۔ میں نہ آسکوں تو کیوں نہ پرتاب گڈھ آئیے۔ کل غالباً خواجہ صاحب الہ آباد تشریف لائیں۔ اکبر حسین۔

(۱۷۸)

عزیز من۔ اگرچہ میں آپ کو خط نہیں لکھ سکا۔ کیونکہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ لیکن دل ہر وقت آپ کے ساتھ ہے۔ آپ کا مشتاق ہے۔ اس سال ضعف مثانہ و ضعف قوت باصرہ کی شکایت اس قدر زیادہ ہے کہ بے چین اور مغموم رہتا ہوں۔ نہیں سمجھتا کہ اس حالت کے ساتھ زندگی زیادہ دنوں تک چل سکے گی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ماجد صاحب نے راجہ صاحب کو خوب پیش کش کیا[1] میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ خواجہ صاحب الہ آباد آنے والے ہیں۔ پھر پرتاب گڈھ جائیں گے۔ آپ جائیں تو آپ بھی تشریف لائیے۔ یہاں یا پرتاب گڈھ۔ تعین تاریخ ہو جائے گا۔ قصد تو میں کر رہا ہوں کہ لکھنؤ آؤں تا بتندرستی اور بشرائط انتظام قیام سے رکتا ہوں۔ بھائی صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام۔ اپنے گھر میں سلام و دعا۔ میں نے مولانا محمود الحسن صاحب کی تاریخ وفات نظم کی ہے[2]۔ سید سلیمان صاحب لے گئے ہیں امید کہ معارف میں طبع ہو۔ اکبر الہ آباد۔ ۲۱ جنوری سنہ ۲۱ء

---

[1] راجہ صاحب محمود آباد، حکومت صوبہ کے ہوم ممبر مقرر ہوئے تھے۔ ہندوستانی کو یہ عہدہ پہلی بار ملا تھا۔ بہت سے لوگوں نے تہنیت نامے، قصیدے وغیرہ پیش کئے ایک مطبوعہ پیش کش میں نے بھی نذر کیا تھا۔ تمام آیتوں، حدیثوں اور اقوال سعدی وغیرہ کا مجموعہ۔ [2] شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی وفات اسی زمانہ میں ہوئی تھی۔ حضرت اکبر عقائد میں اکابر دیوبندی کی تحقیق کے قائل تھے۔

(۷۹)

الہ آباد۔ ۶؍ فروری ۲۱ء

عزیزی وحبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ سردی زیادہ ہے۔ نہ آپ کو بلانے کی جراءت ہوئی نہ خود حاضر ہو سکا۔ دو ہفتہ سے یہ شکایتیں بہت زیادہ ہیں۔ رات مشکل سے کٹتی ہے ضعف مثانہ سے بارہا طہارت کی ضرورت پوس ماگھ کی پچھلی راتیں میرے لیئے اُٹھنا بہت سخت ہیں۔ ایک انبار اشعار کا موجود ہے۔ آپ سنیں اور انتخاب فرمایئے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ خود کہیں بھیجوں۔ اگرچہ لوگ باصرار خواستگار ہیں۔ آپ کے ساتھ میری محبت ہمیشہ سے ہے۔ آپ کی تحریریں اور بھی شگفتہ کر لیا کرتی ہیں کیئی دن ہوئے۔ سید سلیمان صاحب ملنے آئے تھے۔ وہ چار شعر لکھ لے گئے۔ آپ کا ذکر خیر بھی رہا۔ میں نے ان کو ناتواں پایا۔ علیل ہیں۔ افسوس ہے کہ وقت کم تھا۔ آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ بلکہ ملنا ضروری ہے۔ معلوم نہیں۔ آپ کی صحت کا کیا حال ہے۔ فوراً جواب مرحمت ہو عسرت کا دورہ مارچ تک رہے گا۔

اکبر

(۸۰)

الہ آباد۔ ۲۲؍ فروری ۲۱ء

پیارے ماجد صاحب اللہ آپ کو خوش رکھے کہ آپ نے مجھ کو یاد کیا۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ آپ سے ملنے کا مشتاق ہوں اگرچہ بہت علیل ہوں۔ ایسا کہ حواس کو انجوائے[1] نہیں کر سکتا۔ میں اس وقت زیادہ نہ لکھ سکا۔ امروز فردا میں پھر لکھوں گا۔ آپ کے لکھنؤ نہ ہونے سے

---

[1] (ENJOY) لطف اُٹھانا۔

میری نظر میں لکھنؤ کو بے لطف کر دیا۔ کیا آپ مجھ سے ملنے کو اور دس پانچ دن قیام کرنے کو یہاں یا پرتاب گڈھ آسکیں گے؟ اکبر حسین

(۱۸۱)

الہ آباد۔ ۲۰ مارچ سنہ ۲۱ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کچھ خبر نہیں کہ آپ کہاں ہیں۔ دو خط بھیجے جواب نہ آیا۔ اپنا حال کیا لکھوں۔ عوارض لاحقہ نے معذور کر رکھا ہے۔ اپنی خیریت لکھئے۔ اگر آپ تک پہنچ سکتا تو ضرور آتا۔ بشرطیکہ آپ کی راحت میں کچھ اضافہ ہو سکتا۔ مولوی محمد کریم صاحب کی خدمت میں تسلیم۔ معلوم نہیں مسٹر احمد کریم آج کل کہاں ہیں[۲]۔ اکبر حسین

(۱۸۲)

الہ آباد۔ یکم اپریل سنہ ۲۱ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اگرچہ لکھنؤ مستحق تھا کہ آپ کا قیام وہاں رہتا۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کی تکمیل کے لئے خواہ مخواہ ایسے اسباب مہیا ہوئے کہ آپ وہاں کے ہنگاموں سے علیحدہ ہو جانے پر مجبور ہوئے[۱]۔

بہرحال آپ جہاں ہوں۔ میرے دل میں اور آنکھوں میں آپ کی جگہ ہے۔ معارف میں تصوف پر آپ کی تحریر دیکھ کر روح تازہ ہو گئی[۲]۔ کاش میں

---

[۲] میرے دو قریبی عزیزوں کے نام ہیں، حضرت اکبر کے پرانے ملنے والے ہیں۔

[۱] میں اب لکھنؤ کی سکونت ترک کر کے اپنے وطن قصبہ دریاباد (بارہ بنکی) میں منتقل آگیا تھا۔ اعزہ واحباب کی کثرت اور دعوتوں پارٹیوں کی افراط نے لکھنؤ میں علمی کام ناممکن بنا دیا تھا۔

[۲] اس مضمون کا عنوان تھا "حکماء مغرب اور فلسفۂ تصوف"

آپ یکجا ہوتے۔ میں علیل ہوں۔ آج پھر تلیین ہے اگر زندگی ہے تو شاید کچھ روز تو حواس میں رہ سکوں۔ تسکایات لاحقہ نے بے حواس کر دیا ہے آپ نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔ میں تنہائی اور بے کسی کی حالت میں ہوں۔ معلوم نہیں۔ آپ کے گھر میں کہاں ہیں۔ ان کو دعا

اکبر حسین

(۱۸۳)

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں بیمار ہوں۔ بہت تکلیف ہے۔ ہر دوسرے تیسرے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ نزع قریب ہے۔ پھر ذرا افاقہ ہو جاتا ہے۔ عشرت بلا رہے ہیں۔ ہنوز نہیں جا سکا۔ اسی انتظار میں آپکو خط نہیں لکھا۔ زندہ رہا تو اتوار کو پرتاب گڈھ کا قصد ہے۔ دیکھیے کیا حالت پیش آتی ہے۔ میرے دل کو آپ کے تصور سے تسکین ہوتی ہے اپنی خیریت لکھیے۔ اکبر ۲۷ر اپریل سنہ ۲۱ء

(۱۸۴)

الہ آباد ۔ ۱۱ر مئی سنہ ۲۱ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بہت علیل ہوں۔ ہیجان مادۂ سوداوی نے دماغ کو پریشان کر رکھا ہے۔ کبھی معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ نزع قریب ہے۔ کبھی پھر امید زیست بندھ جاتی ہے۔ ادھر اقارب کا تعزاریہ کے معاملات پیش رہتے ہیں۔ پرتاب گڈھ کا ارادہ کر رہا ہوں۔ زندگی و توانائی اور حواس نے اجازت دی اور پہنچا۔ آپ کو فوراً اطلاع دوں گا۔ میرے پاس جو معتمد ملازم تھا۔ وہ چلا گیا ہے۔ بہت دقت ہے۔ خواجہ صاحب کی آمد کی امید نہیں ہے۔ موسم بھی بہت سخت ہے۔ مولوی محمد کریم صاحب

نے مجھ کو خط لکھا تھا کہ ماجد میاں کو تصوف اور عبادتِ الٰہی کا شوق ہو گیا ہے۔ میری روح کو بالیدگی ہوئی۔ میں نے لکھ دیا کہ ان سے زیادہ کوئی میرے دل سے قریب نہیں ہے۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ میری موجودہ دنیاوی پریشانیاں رفع کرنے کے لئے ہمت بند دعا کیجئے۔

تیسرا حصہ بدایوں میں چھپ رہا ہے۔ شاید جون میں تیار ہو جائے۔ آپ سے مجھ کو ملنے کی سخت ضرورت ہے۔ آپ کا دعا گو اکبر

(۱۸۶)

الہ آباد ۱۲ مئی ۲۱ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بہت انتظار کے بعد خط ملا۔ امراض و آلام اور حوادث نے اتنا پریشان کیا ہے کہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کل کیا کروں گا کہاں رہوں گا۔ رہوں گا بھی یا نہیں اور حواس میں رہوں گا یا نہیں۔ آپ میرے لئے نعمت ہیں۔ امید ہے کہ آپ کو مجھ سے ذاتی محبت ہے اور آپ ہمدردی کو موجود ہیں۔ یہ نہ بھی ہو تو آپ کا مذاق اور طرزِ خیال مجھ سے اس قدر موافق ہے کہ مجھ کو راحت محسوس ہوتی ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ طریقت سے بے خبر نہیں ہیں۔ انشاء اللہ جلد یہاں یا پرتاب گڈھ میں تشریف آوری کی درخواست کروں گا۔ خواجہ صاحب کی صاحبزادی بہت بیمار ہیں۔ وہ دہلی آ گئے۔ آپ کی فرمائش پر میں بھی صاد کرتا ہوں۔ ان کو لکھ دیا ہے۔ خدا کرے ایسا موقع ہو کہ میں آپ دونوں کو یکجا دیکھوں۔ امید ہے کہ ایسا ہو۔ آپ سے بہت باتیں کرنا ہیں۔ بہت اشعار جمع ہو گئے ہیں۔ دیکھیے اور انتخاب کیجئے مولوی محمد کریم صاحب کا خط آیا ہے۔

دعا گوئے شما
اکبر حسین

(۱۸۷)

پرتاب گڈھ۔ ۲۵ مئی ۱۹۲۱ء

حبیبی و عزیزی۔ میں کسی نہ کسی طرح آج پرتاب گڈھ پہنچا انشاء اللہ یہیں قیام ہوگا۔ گرمی نے حواس کھو رکھے ہیں۔ بیماری مستزاد۔ اپنی خیریت لکھیے۔

اکبر حسین

(۱۸۸)

پرتاب گڈھ۔

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط نے دل کو نہایت لذت بخشی اس وقت میں ایسی حالت میں ہوں کہ آپ سے زیادہ کسی کو اپنے دل کے قریب نہیں پاتا۔ مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس زمانہ میں اپنے قرب کے لیے منتخب کیا۔ امید ہے کہ مجھ کو آپ سے بہت مدد ملے۔ کچھ بکثرت شدید مصائب اور ترددات میں مبتلا ہوں۔ خانہ ویرانی، بے سامانی، بے کسی الاقارب کالعقارب اس پر امراض لاحقہ ایسے کہ قریب حالتِ نزع میں ہوں ضعف کی حد نہیں۔ عمر اتنی ہو چکی کہ ہر نفس کو نفسِ آخر سمجھتا ہوں۔ خوادث نے اس حلقہ میں رہنے پر مجبور کیا ہے۔ جس کو ہم سے مذاق و خیال میں تباین کلی ہے۔ ابھی اس وقت شدید گرمی ہے۔ انشاء اللہ بعد چند یوم درخواست تشریف آوری کروں گا۔ غالباً آپ بھی خوش ہوں گے۔ اگر مجھ کو مدد دے سکیں بقیہ زندگی کو جہاں تک ممکن ہو سکون کے ساتھ بسر کر سکوں۔ عشرت سلمہ آپ کے میلان طبع اور ترقی روحانی پر عش عش کرتے ہیں۔ علم کا یہی اثر ہونا چاہیے۔ اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں میرا سلام فرما دیجیے۔ انھی کی برکت ہے کہ آپ کو یہ

روحانی ترقیاں اور شہرت[1] ہے۔

(۱۸۹)

پرتاب گڈھ ۱۰ر جون سنہ ۲۱ء

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میری رائے میں منشی ممتاز احمد صاحب[2] کو یہ تعلق رکھنا چاہیئے۔ عبدالباری صاحب سے ملا ہی نہیں۔ لیکن ان کی نسبت میری نظر میں بہت ہے۔ میں نے ممتاز احمد کو لکھ بھیجا ہے کہ اگر چاہیں تو انکو دیکھ بھی لیں۔ عشرت میاں نے بھی اتفاق رائے کیا ہے کہ نسبت ہو جائے۔ آپ نے میری غزلوں کا خوب انتخاب کیا۔ اگرچہ مجھ پر اب زندگی بار ہے۔ کیونکہ لذتِ زندگی اور رزق فردا سے مایوس ہوتا جاتا ہوں۔ لیکن آپ کی روحانی ترقی سے ایسی موانست ہو گئی ہے کہ آپ کے خیال سے انبساط ہوتا ہے۔ اور اس امید میں کہ آپ سے ملنا ہوگا۔ مزا آتا ہے۔ خدا نے اپنے لئے آپ کے مذاق کو منتخب کیا ہے۔ بلا دلیل اس کے ہو رہیئے۔ اس زمانہ میں تو بالخصوص بڑی نعمت ہے۔

اکبر حسین

امراض لاحقہ سے سارا جسم ضعیف ہے۔ گرمی کی شدید تکلیف ہے۔ دریاباد سے یہاں تک کا کیا کرایہ انٹر کا ہے۔ کس راہ سے آنا ہوگا۔ شاید براہِ فیض آباد۔

(۱۹۰)

پرتاب گڈھ۔ ۲۳ر جون سنہ ۲۱ء

پیارے ماجد میاں۔ اللہ آپ کو مسندِ علم و عزت پر متمکن رکھے۔ میں

---

[1] "روحانی ترقیاں" تو خیر شاعری تھی۔ لیکن اس پر تو میرا ایمان ہے کہ جو کچھ بھی مجھے حاصل ہوا اس میں بڑا دخل میری مخدومہ والدہ ماجدہ مرحومہ (متوفیہ سنہ ۱۹۴۱ء) کی دعاؤں کو ہے۔

[2] حضرت اکبر کے عزیز قریب تھے۔ ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

پہلے ہی اندیشہ ناک تھا، رات کے پانی نے اس مکان کو بالکل ناقابل آرام کر دیا - اس کا بنانے والا نہایت ناتجربہ کار تھا - تمام احاطہ پانی میں ہے۔ میں آج یا کل انشاء اللہ الہ آباد جا رہا ہوں - انشاء اللہ وہیں آ جائیے عشرت بھی وہیں پہنچ جائیں گے - وہاں پہنچ کر آپ کو خط لکھوں گا - آپ سے بہت باتیں کرنا ہیں۔

اکبر حسین

(۱۹۱)

عزیزی و حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ! - آپ کہاں چلے گئے تھے۔ آپ کا خط راجہ میاں کو بھیجا جا رہا ہے۔ غالباً وہ جلد جانے کا قصد کریں۔ دوسرے ورق پر مختصر حالات، قرابت راجہ میاں کے لکھ کر بھیجتا ہوں۔ یہ احتیاط رکھیے۔ اب جلد ان کی طرف سے باضابطہ درخواست ہونا چاہیے۔ کیونکہ ادھر طرف بھی خیالات ہیں۔ راجہ میاں کا پتہ یہ ہے:- الہ آباد - احاطۂ عشرت منزل کوئیں ٹولہ مکان نمبر ۱- شیخ ممتاز احمد صاحب عرف راجہ میاں مترجم ہائی کورٹ الہ آباد

میں امراض لاحقہ اور ضعف سے بہت معذور رہوں۔ دیکھئے کب تک زندگی ہے۔ کل تو خوب پانی برسا۔ آپ کب قصد کر سکیں گے۔ عشرت نے مکان بدل دیا ہے۔ یہ مکان ان کے خسر کا ہے۔ اسٹیشن ریل سے قریب ہے لیکن وسعت کم ہے۔ مولوی عبدالباری صاحب کو میرا سلام شوق پہنچا دیجیے۔ سید سلیمان صاحب کہاں ہیں؟

شیخ محمد علی صاحب رئیس الہ آباد شرفائے دیوبند سے تھے۔

شیخ برکت علی صاحب

شیخ غلام امام صاحب خان بہادر لسان العصر ریٹائرڈ جج کی حقیقی بہن کے شوہر

شیخ ممتاز احمد عرف راجہ میاں
مترجم ہائی کورٹ :-

ان کی حقیقی بہن سردار بیگم زوجہ سید زاہد حسین خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن جن کے صاحبزادے سید تیر حسین خاں صاحب بی اے ابھی حال میں فرخ آباد میں انکم ٹیکس آفیسر مقرر ہوئے ہیں۔ زاہد حسین خاں صاحب لسان العصر کے حقیقی بھانجے الہ آباد میں مالک مکانات وسیع کے ہیں۔ سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر بی اے کے حقیقی بھتیجی کے لڑکے ہیں۔

دختر خواندہ سلیقہ شعار نیک منظر نوجوان جس کی نسبت مطلوب ہے

اس لڑکی کی ایک بہن لکھنؤ میں منسوب ہے۔ شوہر نیک شریعت قانون گو ہیں۔ خرچ بیار ہیں۔ لڑکی کے بڑے بھائی نثار احمد بی اے ہیں۔ سررشتۂ تعلیم میں سو روپے یا اس سے زائد کے ملازم ہیں۔

ان کی بی بی آگرے کے ایک نہایت شریف پیرزادوں کے خاندان کی لڑکی ہیں

راجہ میاں کے لڑکے اور لڑکیاں اور بھی ہیں۔ دو لڑکے چھوٹے ہیں۔ تعلیم پا رہے ہیں۔ راجہ میاں کی ایک لڑکی سید محمد عباس صاحب کو منسوب ہے جو لسان العصر کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ ٹیلیگراف میں دو سو کے ملازم ہیں۔

(۱۹۲)

الہ آباد۔ ۲۴ر جون ۲۱ء۔ عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کل میں الہ آباد آ گیا۔ یہ فرض کر کے آپ ہمارے ہمدرد، خیر طلب اور معین ہیں اور عشرت میاں سے محبت برادرانہ

رکھتے ہیں۔ چند باتوں میں آپ سے مشورت اور ہو سکے تو شرکت و اعانت مطلوب ہے
از انجملہ حصہ اول و دوم کا پھر چھپوانا جس کی مانگ ہے اور اب کوئی کاپی باقی نہیں
ہے۔ اگر ہرج نہ ہو تو الٰہ آباد تشریف لائیے۔ عشرت میاں کہتے تھے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ
نواب گڈھ ہوتے ہوئے۔ ایک دن ان کے پاس قیام کر کے یہاں آئیے وہ
ہونگے کہ الٰہ آباد تشریف لائیے۔ عشرت بھی شریک ہوں۔ آخر جولائی میں انشاءاللہ
ہوگا۔ آپ پھر بھی تشریف لا سکتے ہیں۔ میں تو اپنی حالت دیکھ کر زندگی کو غنیمت
سمجھتا ہوں۔ طولِ امل اور امید فردا بہت کم ہے۔ عزیزی ممتاز احمد صاحب
اعظم گڈھ گئے ہیں۔ انٹر کا کرایہ دریاباد سے الٰہ آباد تک کا لکھ بھیجئے۔ تکلف
نہ کیجئے۔ معاملہ واحد بھیجئے۔ جیسے عشرت ویسے آپ۔ اکبر حسین

(۱۹۳)

الٰہ آباد۔ ۱۱ر جولائی سنہ ۲۱ء

سلمہ اللہ تعالیٰ۔ راجہ میاں رات لکھنؤ گئے۔ ۲۴ر کو آپ کو منتظر
رہوں گا۔ اگر زندہ رہا۔ آپ کی محبت و ہمدردی سے دل کو قوت پہنچتی ہے۔
خدا قائم رکھے۔ امید ہے کہ اپنی مشکلات کے حل میں آپ سے بہت کچھ مدد
ملے۔ چونکہ عشرت میاں کے دل میں آپ پر بہت اعتماد اور آپ کی محبت پاتا
ہوں۔ اس سبب سے یہ امید ہے۔ اپنا حال کیا لکھوں ؎

خیالِ مرگ نے اس عمر میں زائل کیا اس کو
حلاوت زندگی کی تھی فقط امید فردا سے

واپسی منی آرڈر سالٹ و سکیٹ کی مد میں ہوئی ہوگی۔ لیکن یہ خیال بھی کر سکتا
ہوں کہ میرے ساتھ ہمدردی ہے اور بہت دل خوش کن ہے۔ بہرحال
رنج و راحت، فکر و فارغ البالی میں ہمارا آپکا معاملہ واحد ہونا چاہیئے۔ اکبر حسین

(۱۹۴)

عزیز من سلمہ اللہ تعالیٰ۔ تفسیر مواہب الرحمٰن۔ مولانا امیر علی مرحوم۔ سابق پرنسپل ندوۃ العلماء لکھنؤ قیمت ۵۰؍ علاوہ محصول ڈاک۔ اس کا اشتہار "دین دنیا" میں دیکھا ہے۔ کیا آپ اس کتاب سے واقف ہیں یا واقف ہو سکتے ہیں۔ کیسی کتاب ہے اور اسی قیمت کی مستحق ہے؟

الہ آباد۔ عشرت منزل ۱۴؍جولائی ۲۱ء۔ سید اکبر حسین

(۱۹۵)

الہ آباد۔ ۱۷؍جولائی ۲۱ء

میرے پیارے ماجد میاں۔ راجہ میاں نے آپ کے واجد علی شاہی ٹھاٹھ اور مصارف اور انجمن آرائی اور تکلفات کی وہ تصویر کھینچی کہ اگرچہ بہت مسرت ہوئی۔ لیکن یہی سمجھا کہ آپ کو فراغ اور فرصت کہاں کہ میری طرف عزت توجہ کیجئے۔ واجد علی شاہی سے خدانخواستہ عیاشی مراد نہیں۔ آپ کی سعادت مندی اور خوش اخلاقی کا شکر گذار ہوں کہ ۲۴؍کو وعدہ تشریف آوری ہے۔ عبدالباری صاحب سے ملنے کا بہت مشتاق ہوں لیکن اپنا قطعہ یاد آتا ہے

لکھا تھا کہ مشتاق ملاقات بہت ہوں ... یاد آں جو اجازت تو دم چند کو آ دُں
آیا یہ جواب آئیے جب چاہیئے لیکن ... افسوس کہ میں آپ کا مشتاق نہیں ہوں

خیر زندگی باقی ہے تو ملنا ہو ہی جائے گا۔ عشرت سلمہ یکم اگست سے دس

۔ میں اس زمانہ میں قوالی سنتا تھا۔ لکھنؤ میں ایک محفل صبح کے وقت بعد چائے ناشتہ کے بعد قوالی ہوئی۔ اور قوالوں کو حسب دستور کچھ ملا بھی گیا۔

راجہ میاں بھی اتفاق سے اس میں شریک تھے۔ ان کی روایت پر حضرت اکبر کا یہ والانامہ آیا۔

ان کی رخصت لینے والے ہیں۔ انشاء اللہ یہاں بھی آئیں گے۔ آپ اگر زیادہ قیام نہ کر سکیں۔ تو پرتاب گڈھ ان سے ملتے ہوئے واپس جائیے گا۔ کیونکہ وہ آپ کے مشتاق و معتقد ہیں۔

اکبر حسین

میں بشرط زندگی وسط اگست میں لکھنؤ کا قصد رکھتا ہوں اور وہیں قیام کا قصد ہے یہاں بالکل سناٹا ہے اگر یاد رہے اور مل سکیں تو ۱۵۔ ۲۰ آم تخمی شیریں پتلے یا گاڑھے رس کے لیتے آیئے گا غلطی نہیں۔ حاجی عبدالحق صاحب سے کہہ دیجئے گا ابھی انھوں نے ۱۵ آم راجہ میاں کے ہاتھ بھیج دئے ہیں۔ انکا مزا لکھا ہے۔

(۱۹۶)

۲۲ جولائی سنہ ۲۱ء

عزیز من سلمہٗ۔ مجھ سے واجد علی شاہی کے لفظ میں شدید غلطی ہوئی عرف بلحاظ مصارف و تکلف کے یہ لکھ دیا تھا۔ راجہ میاں نے کہا کہ ماجد میاں نے خوب روپیہ قوالوں کو دیا اور مہمانوں کو پُرتکلف دعوت دی۔ اسی پر میں نے لکھا کہ آپ کی توجہ ادھر کم ہوگی۔ اس کی تصریح کر دوں گا۔ بہرکیف مطمئن رہیے۔

اکبر حسین

اگر آپ کی نسبت سوء ظن ہوتا تو میں مشتاق طالب کیوں ہوتا۔

(۱۹۷)

عزیزم سلمہٗ۔ آپ نے پھر مجھ کو نہ یاد کیا۔ رشید مع الخیر کا خط بھی نہ آیا۔[1] خواجہ صاحب نے سنا کہ آپ شاید عید میں ان سے ملنے آئیں۔ خدا ایسا کرے[2]

اکبر الہ آباد
۱۳ اگست سنہ ۲۱ء

---

[1] میں الہ آباد جا کر آخری بار دیدار سے مشرف ہو آیا تھا۔ آہ کیا خبر تھی کہ اس حکیم و عارف کی یہ آخری زیارت ہے۔

[2] اس کے چند ہی ہفتہ بعد وہ وقت آ گیا جس کے انتظار میں حضرت اکبر سالہا سال سے تھے۔

خطوط محمد علی

یا

جوہر نامہ[1]

دیباچہ

خط و کتابت میرے اُن کے درمیان اس وقت شروع ہوئی جب میں تمام تر "مسٹر" تھا اور "صاحبیت" میں غرق اور محمد علی بھی پوری طرح "مسٹر" سے "مولانا" میں تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ گو چہرہ پر نورِ ایمان، داڑھی کی شکل میں اس وقت ظاہر ہو چکا تھا۔ یہ ۱۹۱۳ء تھا۔ ان کی حیثیت وقت کے سب سے بڑے اور نامی اردو روزنامہ کے چیف ایڈیٹر کی تھی اور میری حیثیت طالب علم قسم کے ایک ہونہار مضمون نگار کی۔

۱۹۱۶ء میں زمانہ نے پلٹا کھایا۔ میں "مسٹر" اب بھی تھا۔ لیکن طالب علمی ختم کر کے اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی فلسفہ کی ایک کتاب کا مصنف تھا۔ اور محمد علی اب ایڈیٹر سے زیادہ ایک لیڈر کی حیثیت سے شہرت حاصل کر کے چھندواڑہ میں نظر بند تھے۔ اب وہ شاعر تھے۔ انگریزی کے مسلّم و ممتاز ادیب اور ایڈیٹر تھے

---

[1] مولانا محمد علی کا تخلص جوہر تھا۔

لیڈر تھے اور سب سے بڑھ کر۔ کہ ایک زبردست مسلمان تھے۔ "مولانا" بن چکے تو نہیں تھے بن رہے تھے۔ میرا ان کا رشتہ مذہبی یا سیاسی نہیں۔ صرف علمی و ادبی تھا۔ اس دور کے خطوط اسی نظر سے ملاحظہ کیجیے۔

کئی سال کے وقفہ کے بعد ایک مکتوب سنہ ۱۹۲۱ء کا ملتا ہے۔ (اس ساری طویل درمیانی مدت میں ایک تو رہی بھی کم۔ دوسرے دو ایک خطوط جو سنہ ۱۷ء یا سنہ ۱۸ء میں آئے وہ افسوس ہے کہ محفوظ نہ رہے) محمد علی اب ملک کے مسلم سردار تھے۔ باقاعدہ مولانا اور علم پر "زمین کو مقدم رکھنے والے" پرجوش مجاہد و مبلغ۔ جامعہ ملیہ کے بانی۔ میں بھی اس وقت بحمد اللہ "نامسلم" نہیں نو مسلم تھا۔ گو مولانا کو اس وقت تک میرے تجدید ایمان کی خبر نہ تھی۔

دسمبر سنہ ۲۳ء سے ستمبر سنہ ۳۰ء تک مسلسل ایک دور ہے۔ میں ایک ادنیٰ نیاز مند تھا اور وہ ہر طرح میرے مخدوم و محترم۔ سن میں بھی وہ مجھ سے ۱۴ سال بڑے تھے۔ ان کے اخلاقی۔ روحانی۔ دماغی عظمت کے علاوہ کچھ تھوڑا سا دخل انکی بزرگ داشت میں سن کے اس تفاوت کو بھی تھا۔

خطوط اس مجموعہ میں تعداد میں زیادہ نہیں۔ لیکن بعض بہت ہی مفصل ہیں گویا ایک رسالہ کے سادہی الحجم۔ اور محمد علی کی روح کے ترجمان تو سب کے سب ہیں۔ محمد علی کی خطوط نویسی کا طریقہ بھی یہی تھا۔ وہ خط زیادہ نہیں کم لکھتے ۔ زیادہ لکھنے کی انھیں فرصت ہی کب ملتی؟ لیکن جب بھی لکھتے دل کھول کر رکھ دیتے دل کو بند رکھنا، زبان کو روک رکھنے کی طرح تو وہ جانتے ہی نہ تھے۔

محمد علی کی زندگی تاریخ امت کے حادثوں میں سے ایک حادثہ (ٹریجڈی) ہے۔ موافق حالات اور سازگار فضا میسر آجاتی تو خدا معلوم وہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے۔ کیا کچھ کر ڈالتے۔ کیا انقلاب برپا کر جاتے۔ لیکن مشیت کو یہ منظور نہ

تھا۔ کل ۵۳ سال کی عمر میں نہ ہر طرف سے مایوس ہر طرح سے دل شکستہ دنیا سے سدھار گئے یہ عمر بھی کوئی عمر ہے! قوم کے طنز و تعریض نے دل چھلنی کر ڈالا تھا کوئی الزام مشکل سے بچ رہا ہوگا۔ جو اس غریب پر نہ تھوپ دیا گیا ہو۔ "غدار" "قوم فروش" "خائن" "ہندو نواز" "جاہ پرست" "خوشامدی" غرض ہر تیر کا ہدف محمد علی کا دل و جگر تھا! یقین نہ آئے تو آج بھی اس وقت کے اخبارول کے فائل تلاش کر لئے جائیں۔ مخالف و معاند ماحول نے تو علی مرتضیٰ اور عثمان غنیؓ جیسے سردارانِ امت اور اجل صحابہ تک کو "ناکام" رکھا تو محمد علی غریب کا کیا ذکر! پھر کہاں وہ زمانہ خیر القرون سے متصل۔ اور کہاں یہ بیسویں صدی عیسوی کا عہد ظلمات۔

ابتدا کے خطوط کیسی زندہ دلی، شگفتگی کے مرقع ہیں اور آخری خطوط کیسی اداسی اور مظلومیت کے خاکے۔ جلے ہوئے دل سے اگر کچھ کلمات بعض معاصرین کے ہاتھ میں تند و تلخ و نا ملائم نکل گئے ہوں تو شاید وہ زیادہ قابلِ ملامت نہ ہوں لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم الا من ظلم کا استثناء آخر اللہ ہی کا تو فرمان ہے اس پر بھی جن جن احباب کا دل دکھے۔ ان سے دست بستہ معافی کا خواستگار ہوں۔

اپنی زندگی میں میں نے اچھے اچھے فاضل محقق علماء دین دیکھے۔ بزرگ و درویش۔ عابد و زاہد بھی، ایک نہیں کئی ایک دیکھے لیکن تجربہ (پارٹی اور جماعت کے اثرات سے ناتمام) ہی اکثر دیکھنے میں آیا۔ جراءت وصداقت اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈرنے کی۔ یہاں تک کہ امر حق میں اپنے پیر و مرشد اور عزیز ترین دوستوں اور محترم ماں اور بزرگ بھائی، کسی کا بھی اثر نہ قبول کرنے کی جو مثال محمد علی نے دکھائی۔ وہ ان آنکھوں نے تو اب تک

کہیں اور نہیں دیکھی۔ غیر مسلموں میں گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال چوٹی کے لیڈر ہیں اور حق گوئی و صداقت پرستی کے اوتار سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن تجربہ وہ بتلا رہا ہے کہ بالکل پیچھا اس نے وہاں بھی نہیں چھوڑا ہے۔ حق گوئی کے دربار کی رونق بس محمد علیؒ کے دم تک تھی۔

ہاں یہ خیال رہے کہ ۱۹۱۶ء کے دونوں طویل خط انگریزی میں تھے یہاں ان کا اردو ترجمہ درج ہو رہا ہے۔

دریاباد۔ بارہ بنکی　　　　عبدالماجد
نومبر ۱۹۴۴ء

خطوط محمد علی

(۱)

آغاز مئی ۱۳ء

مکرمی۔ السلام علیکم۔ ہمدرد ۴ صفحہ کا نکلتا ہے اور انشاء اللہ کیم جون سے آٹھ صفحہ کا نکلنا شروع ہوگا۔ اب ضرورت ہے کہ میں آپ سے قلمی امداد کے لئے عرض کروں۔ اس سے غالباً آپ کو بھی عذر نہ ہوگا کہ ہمدرد[۱] آپ کی امداد کا حاجتمند بھی ہے اور مستحق بھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اصل ہمدرد کے ابتدائی پرچوں سے آپ کے مضامین نکلنے شروع ہوجائیں اس لئے اگر ابھی دو ایک مضامین عنایت کریں گے تو اور بھی زیادہ میری مشکوری کا باعث ہوگا۔ والسلام

نیازمند۔ محمد علی

(۲)

چھندواڑہ سی۔ پی۔ ۲۲ مئی ۱۶ء

مکرم! کوئی مہینہ بھر ہوتا ہے۔ کہ انگریزی کتاب سائیکالوجی آف

---

۱ یہ ایک گشتی خط ہے۔ ہمدرد کے اجراء اول کے وقت میری طرح اور بہتوں کے پاس گیا ہوگا۔ شروع شروع میں چار صفحہ والے پرچہ کا نام ہمدرد نہیں نقیب ہمدرد تھا۔ اصل ہمدرد آٹھ ہی صفحہ پر نکلا۔

لیڈرشپ مطبوعہ ٹی نشر انوان ؑ (لندن) کا ایک اشتہار موصول ہوا تھا۔ لفافہ کے اندر سوا اس اشتہار کے اور کچھ نہ تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اشتہار آپ کے ایما سے یا کم از کم آپ کے علم سے میرے پاس روانہ کیا گیا تھا۔ اگر کتاب آپ ہی کی تصنیف سے ہے تو یقیناً دل آویز ہوگی۔ متعدد ولایتی اور ہندوستانی اخبارات کی مدحیہ رائیں اس اشتہار میں پڑھ ہی چکا تھا کہ ایک مفصل ریویو منسر بسنٹ کے روزنامہ نیو انڈیا میں نظر سے گذرا جو بہت ہی مداحانہ تھا۔

اچھا تو میں اب بجائے مشتہر صاحب کے براہ راست آپ ہی کو لکھتا ہوں کہ کتاب کی ایک کاپی میرے نام وی۔ پی بھجوا دیجئے۔ اس وی، پی کی فرمائش کو کتاب کا نسخہ مفت ہاتھ آنے کے لئے حسن طلب نہ سمجھئے گا مجھے یہ دل سے ناپسند ہے کہ مصنف کے احباب اس سے کتاب وصول کرنے کی گھات میں رہیں۔ اب وہ زمانہ تو ہے نہیں کہ مصنفین غریب کو شاہانہ سرپرستیاں حاصل ہوں۔ کتابیں اگر فروخت نہ ہوں تو آخر طبع و اشاعت کے مصارف کہاں سے نکلیں گے۔ اور اس میں اگر دوست احباب ہی بخل کرنے لگیں۔ تو پھر امید کس سے رکھی جائے۔ اس جبریہ تعطیل کے زمانے میں مجھے پڑھنے کے لئے تھوڑا بہت وقت مل

PSYCHOLOGY OF LEADER SHIP (FISHER - UNWIN) ؎

میری پہلی انگریزی کتاب دسمبر ۱۹۱۵ء میں لندن میں وقت کے ایک مشہور پبلشر کے ہاں سے شائع ہوئی اور ایک ماہ بعد ہندوستان پہنچی۔

مل جاتا ہے۔ اور سائیکالوجی آف لیڈرشپ (نفسیات قیادت) سے بڑھ کر موزوں موضوع بھی مطالعہ کے لئے کیا ہوگا۔ خصوصاً اس لئے کہ آج ہندوستان میں کوئی قابلِ ذکر لیڈر رہے ہی نہیں۔[1] خدا معلوم آپ نے ہمارے پیغمبر (روحی فداہ) کی سیرت کا مطالعہ قائدِ اعظم کی حیثیت سے کیا ہے یا نہیں۔ مکہ کو فتح کرنا جانی دشمنوں کے عفو میں لاتثریب علیکم الیوم کے مشہور فرمان کے ساتھ اور انصار مدینہ سے اس بغیر کشت و خون والی اور بغیر مالِ غنیمت والی فتح کو قبول کرالینا یہ قیادت کے عظیم الشان کارنامے ہیں۔ لیکن یہ سب میں قبل از وقت لکھ رہا ہوں۔ پہلے کتاب تو دیکھ لوں۔ پھر رائے قائم کروں۔ جملہ احباب کی خدمت میں سلام۔

(ترجمہ انگریزی) مخلص۔ محمد علی

(۳)

(دستخط سنیر) یکم اگست ۱۶ء - چھندواڑہ - ۲۵ جولائی ۱۶ء

مکرمی اچھی ہال۔ جیسا کہ آپ نے یاد دلایا ہے۔ آپ کی سائیکالوجی آف لیڈرشپ" میرے پاس میری ہی فرمائش پر آئی اور آپ کے اس فقرے کو میں اپنے لئے باعثِ عزت افزائی سمجھتا ہوں کہ میں ان گنے چنے لوگوں میں ہوں۔ جن کے تبصرے کی آپ کوئی پرواہ اور وقعت رکھتے ہیں۔ کتاب اگر ہدیتہً نہ موصول ہوئی ہوتی۔ جب بھی اغلب یہ ہے کہ میں اس کے موضوع پر ضرور آپ کو کچھ لکھتا۔ لیکن اخبارات میں میں نے پڑھا کہ آپ کی شادی ہوئی اور آپ شاید موڈ پر نہیں یا ہر

---

[1] محمد علی اپنی پہلی نظر بندی کے سلسلہ میں اس وقت چھندواڑہ (سی پی) میں نظر بند تھے۔

[2] یہ گاندھی جی کے دور سے پہلے کا زمانہ ہے۔

[3] میں اس وقت دورِ الحاد سے گذر رہا تھا۔ مذہب کے قریب ہو کر بھی گذرنا نہیں چاہتا تھا لیکن محمد علی کو اپنے جوشِ تبلیغ میں اس کی کیا پرواہ تھی۔

جشنِ عروسی منانے روانہ ہو گئے۔ اور میں نے خیال کیا کہ کم از کم "ماہِ جشن" بھر تو "فلسفۂ محبت" کے آگے "فلسفۂ قیادت" کا تذکرہ بہت ہی بے محل و نامناسب ہو گا۔ اس لئے اب تک خاموش رہا۔ امید ہے کہ یہ عذر مقبول ٹھہرے گا۔

خیر اب بھی۔ کتاب مصنف کی حسن غور و فکر۔ و سرعتِ مطالعہ اور زبر دست قوتِ مشاہدہ کی شہادت دے رہی ہے۔ اس کے لحاظ سے میں داد دیتا ہوں۔ ہمارے پڑھے لکھوں سے غور و فکر کی طرح ذوقِ مطالعہ بھی عنقا ہو گیا ہے اور اتنا بھی مادہ باقی نہیں رہا ہے کہ دوسروں ہی کے خیالات سمجھ کر پڑھ لئے جائیں۔ لیکن آپ نے مختلف رجحانات نفسیاتی کی جو مثالیں درج کی ہیں۔ ان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں صرف دوسروں کے خیالات پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔ میں داد و ستائش کی زبان میں اور بہت کچھ لکھ سکتا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہو کہ آپ کو مطلوب میری تقریظ نہیں بلکہ "تنقید" ہے۔ آپ سے ملاقات ہوتی تو زبانی میں بہت تفصیل سے اپنے خیالات ناقص عرض کرتا۔ ایک خط کے حدود کے اندر ایک فلسفے کی کتاب پر تفصیلی ریویو کیوں کر آ سکتا ہے۔ آپ کو صرف مختصر اشارات پر قناعت کرنی ہوگی۔ یہ محض خاکے کے طور پر آئیں گے اور آپ غالباً ان سے یہ سمجھیں کہ کتاب کا مطالعہ محض سرسری اور متفرق مقامات سے کیا گیا ہے۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ میں عموماً مطالعہ بہت آہستہ آہستہ کرتا ہوں اور آپ کی کتاب کا بغور مطالعہ تو میں نے کئی دن میں کیا۔ بہر حال میرے منتشر نوٹ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عبارت

موجودہ فلسفیانہ زبان پر آپ کو جو قدرت بلکہ عبور حاصل ہے۔ اس پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ بیان ہر جگہ صاف ہے اور جو شخص نفسیات جدیدہ سے واقف ہے۔ اسے آپ کے مفہوم کے سمجھنے میں کہیں دقت نہیں

ہو سکتی۔ لیکن اس ضرورت کو تو آپ بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ پڑھنے والوں کی ایک
تعداد اہل "اجتماع" کی بھی ہوگی اور آپ ان "عوام" کی داد تحسین سے خواہ کتنے
ہی بے نیاز ہوں۔ لیکن ان کی ضرورتوں سے تو آپ قطع نظر نہیں کر سکتے اور
ان کی ضرورتوں کا تقاضا یہ ہے کہ زبان میں مصطلحات ذرا کم استعمال کی جائیں
یا یوں کہئے کہ نفسیاتی زبان کے ساتھ ساتھ توضیحات اور مثالوں کا حصہ ذرا
زیادہ ہو۔ ممکن ہے کہ میں کچھ زیادتی کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے خود طوالت
کی لت پڑی ہوئی ہے۔ اور محض اپنا خیال پڑھنے والے کے سامنے پیش
کر دینے پر بس نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح زبردستی اس کے دل کے اندر
بھی اتار دوں۔ تاہم میرا خیال ہے کہ بغیر طوالت کے عیب کے بھی آپ اپنی
کتاب کو اس کی موجودہ ضخامت سے دو گنا تو کر ہی سکتے ہیں۔

۲۔ مغز

مغز کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ اجتماع سے تو آپ نے بڑی تفصیلی
بحث کی ہے۔ لیکن "قائدین" (لیڈروں) میں اسی قدر اجمال سے بھی کام
لیا ہے۔ یہ بالکل درست ہوتا کہ آپ اجتماع کی نفسیت پر بحث کر کے لیڈروں
کے متعلق ایک منفیانہ پہلو اختیار کرتے یہ کہہ کر کہ اجتماع میں جن اوصاف
کی کمی ہوتی ہے۔ وہ اس کے افراد میں پوری طرح پائے جاتے ہیں لیکن
یہ یاد رکھئے کہ جس عمومی حیثیت سے آپ اجتماعات پر بحث کر سکتے ہیں۔ وہ
اس کے لیڈروں کے لئے کافی نہیں کتاب کی نظر ثانی کے وقت
میں آپ سے بزور سفارش کرتا ہوں۔ کہ لیڈروں کے متعلق اپنے اس
تناسب کو بدل دیجئے۔ کتاب کا یہ حصہ زیادہ تفصیل کا مستحق ہے۔ اور اس
حصے میں مزید شرح و بسط کی گنجائش نہیں۔ ضرورت بھی ہے۔

۳۔ اجتماع

اجتماعات سے متعلق میں آپ کے نظریات سے اجمالاً متفق ہوں۔ لیکن یہاں بھی مزید تفصیل و تقسیم کی ضرورت تھی۔ نظم و ضبط کی اہمیت کو تو آپ نے بھی تسلیم کیا ہے اور مانا ہے کہ اجتماع جب اس وصف سے متصف ہو جاتے ہیں تو ان کی قوت زبردست بھی ہو جاتی ہے اور مفید بھی۔ لیکن "اجتماع" کا مفہوم آپ کے ذہن میں بس ان بڑے بڑے جلسوں اور مظاہروں ہی کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ جو ہندوستان میں ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں نہ کہ ان "مجلسوں" اور "کانفرنس" کا جہاں دھوم دھام شور بجائے تمہید کے ارشاد ربانی کی تعمیل ہوتی رہتی ہے اور جہاں آزادانہ بحث و مباحثہ نظر و فکر کے بعد "اجتماع" کے فیصلے اکثر افراد کے فیصلوں سے زیادہ معقول اور "اجتماع" کا عمل بھی افراد کے عمل سے زیادہ منظم ہو جاتا ہے۔ آپ کے طرز تحریر سے ظاہر ہے کہ "اجتماع" (بھیڑ) کی حقارت آپ کے ذہن میں بیٹھی ہوئی ہے۔ (خود یہ لفظ تحقیر آمیز ہے۔ عربی لفظ "جمعیتہ" اس سے کہیں بہتر ہے) کیا میرا یہ خیال صحیح ہے کہ آپ "اجتماع" کی تحقیر کر رہے ہیں یا یہ ہے کہ آپ اپنے خیالات پوری طرح واضح نہیں کر سکتے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مجھے اس طرف (بلکہ یوں کہیے کہ آج سے پندرہ مہینے قبل، نظر بندی کے وقت تک) جمہور سے خوب خوب سابقے رہے اور ممکن ہے کہ آپ مجھے بھی ان عوام پسند زعموں میں شمار کر رہے ہوں۔ جو زبان سے تو اپنے معتقد مته الناس کی بڑی تعریف کرتے رہتے ہیں۔ مگر دل ہی دل میں ان عوام کو کالانعام اور چوپایہ سمجھتے رہے ہیں۔ لیکن حقیقتہً میں جہاں تک اپنے جذبات اور خیالات کا اندازہ لگا سکا ہوں۔ میرے خیال میں نسبتاً سب سے بہتر بلکہ اکثر تو بہترین

فیصلے جماعات ہی کے ہوتے ہیں نہ کہ افراد کے۔ گو سرعت عمل کے قطعاً ...
لئے افراد ہی کی قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن خیر یہ تو ایک الگ بحث
ہے۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ مجھے آپ سے توقع یہ تھی کہ آپ مختلف اجتماعات کی
مختلف نفسیتوں پر نظر رکھیں گے۔ مومنین کی وہ آزاد جماعت جو محمد رسول اللہ
صلعم کی ۲۳ سالہ مدت نبوت اور خلافتِ راشدہ کے ۳۰ سالہ زمانے میں موجود
رہی۔ ایک ایسے ہی اجتماع کی مثال ہے جو اپنے قائدین کی سلیم ترین متبع
ثابت ہوئی۔ کیا عزیز[1] کے متبعین میں کبھی بھی ایسا ہوا ہے کہ نکتہ چیں نہ رہے
ہوں اور پھر آجکل کے بھی کسی ایسے "اجتماع" کی بابت جیسا کہ برٹش
ایسوسی ایشن[2] ہے۔ جو ہر سال برطانیہ اور اس کے علاقوں میں اپنے اجلاس
کرتی رہتی ہے۔ آپ کیا رائے دیں گے۔؟ ابطور جملہ معترضہ مجھے اس سے
مسرت ہو رہی ہے کہ اب آپ کو اس کا موقع حاصل ہے کہ جس "اجتماع" کو
ہمارے قدیم دوست آفتاب[3] بارہ چودہ سال سے برابر ہانکتے چلے آتے
ہیں۔ اب اسے صحیح معنی میں کانفرنس بنانے میں مدد دے سکیں[4] لیکن آپکو
یہ کرنا ہوگا کہ آپ "اجتماع" پر اعتماد کریں اور احتیاط سے بھی کام لیتے رہیں۔
نہ یہ کہ ان کی طرح اس سے بے اعتمادی قائم رکھیں اور اس سے خوف

---

[1] محمد علی اب تبصرہ نگاری میں تبلیغ دین پر آگئے۔

[2] برطانیہ میں سائنس کی ممتاز ترین علمی مجلس

[3] یعنی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم سکریٹری مسلم ایجوکیشنل کانفرنس محمد علی اور انکے
مسلک میں بڑا اختلاف تھا اور معاصرانہ چشمک برابر چلے جاتی تھی۔

[4] صاحبزادے صاحب نے مجھے بطور لٹریری اسسٹنٹ کے رکھ لیا تھا میں اس
وقت اتفاق سے کانفرنس کے دفتر ہی میں تھا۔

خوف کھاتے رہیں۔

۴- قیادت

آپ کے فحوائے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ قیادت جس کا نام ہے۔ وہ محض ایک تسلسل ہے۔ جالبازیوں اور فریب کاریوں کا۔ احمق عوام الناس کے احمق بنائے جاتے رہنے کا۔ سکیلین اور کک کی طرح شعبدہ بازیوں کا۔ محض ایک طلسم ہے بابا! کا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ نے یہ لفظوں میں کھل کر نہیں کہا ہے بلکہ کہیں کہیں تو آپ نے قیادت صادقہ اور قیادت کاذبہ کا امتیاز بھی قائم کیا ہے۔ لیکن نفسیات کے اندر صدق و کذب کا فرق بھی ہے؟ نفسیات کے نقطۂ نظر سے تو جو کچھ بھی ہے حقیقت ہی ہے۔ لیکن محرکاتِ عمل ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں اور اخلاقی حیثیت سے بعض قابلِ ستائش ٹھہریں گے اور بعض قابلِ مذمت۔ مجھے تو توقع تھی کہ آپ مختلف انواع کے قائدین کے اعمال۔ خیالات و جذبات پر تفصیلی بحث کریں گے اور فرق دکھائیں گے کہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو عمداً دوسروں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں اور کچھ ایسے جو غیر ارادی فریب دہی سے قبل خود فریبی کا شکار ہو چکتے ہیں۔ اور پھر کچھ ایسے بھی جو پہلے تو ارادتاً دوسروں کو فریب دیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ خود فریب نفس میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ بہت ہی سرسری ہے اور اتنا مجمل ہے کہ مطالعہ نفسیات میں مدد نہیں مل سکتی۔

۵- نظائر

مثالیں اور نظیریں جیسا میں پہلے کہہ آیا ہوں۔ میری رائے ناقص میں کافی تعداد میں موجود نہیں ہیں اس کے علاوہ ان کی تقسیم بھی نامساوی و نامتناسب ہے شبلی مرحوم کا نودہ والا واقعہ اور کلکتہ کے بدمعاشوں کے ہاتھ سے دو عیسائی مبلغوں کا پٹنا۔ یہ چیزیں اس قابل نہ تھیں کہ انھیں ایسی کتاب میں بطور مثال درج کیا

جائے۔ جس میں آپ نے کثرت سے اہم تاریخی واقعات بیان کیے ہیں جو ناظرین کے لئے عموماً معروف و معلوم ہیں۔

۵۔ پیغمبر خدا کا ذکر

میری تنقید کا آخری عنوان آپ کے ان تذکروں سے متعلق ہے جو آپ نے پیغمبر خدا اور قرآن مجید کی تمثیل لاتے وقت کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ پکے اور حقیقی مسلمان ہیں۔ اس بنا پر مجھے سخت حیرت ہو رہی ہے کہ آپ نے ایسی مقدس شخصیت اور ایسی مقدس آسمانی کتاب کا ذکر کس ہلکے پن سے کیا ہے۔ کیا یہ آورد و تصنع اپنی "ناطرفداری" اور "خالص علمی تحقیق" کے اظہار کے لئے ہے یا کیا؟ یہ سوال میں ایک نقاد نفسیات کی حیثیت سے نہیں کر رہا ہوں جو ایک مسلمان مصنف سے کتاب اللہ و رسول ؐ کے تذکرہ کے وقت ادب و احترام کی توقع رکھتا ہے۔ میں اس سے بے حد خوش ہوا کہ آپ نے محض دنیوی قائدین کی مثالیں دینے پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ ہمارے اولوالعزم نبی محترم کی شخصیت سے بھی قیادت اور نفسیات قیادت کی مثال میں کام لیا۔ لیکن آپ کے لب و لہجہ میں تو صاف عیسائی مشنریوں کی بو آ رہی ہے جو یہ دکھانا چاہتے ہیں یا کم از کم پڑھنے والے کے ذہن کو اس جانب منتقل کر دیتے ہیں کہ محمدؐ (جن کے دین پر میں اور سارا کنبہ قربان ہو) نعوذ باللہ ایک پیغمبر کاذب یا محض انسان تھے بلکہ آپ تو یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ قریش اور یہود جو رسول اللہ کے گرد محض ان کی اہانت و تحقیر کی غرض سے جمع ہوتے تھے اور ان کی بدتمیزیوں پر قرآن مجید میں احکام صادر ہوئے ہیں۔ آپ نے ان احکام پر نقد شروع کر دیا ہے۔ اگر آپ کوئی سی بھی سیرۃ اٹھا کر دیکھ لیتے تو آپ کو رسول اللہ کے حضور میں ادب سے گفتگو کرنے کی آیات کی شانِ نزول مل جاتی۔ اسی طرح سعد بن عبادہؓ کا بھی وہ واقعہ کہ تقسیم غنیمت کے سلسلے میں جب انصار کو مہاجرین سے شکایت پیدا ہوئی اور سعدؓ نے رسول اللہ کے سامنے انصار کے جذبات

کی ترجمانی کی اور رسول اللہ نے اس وقت تقریر فرمائی۔ آپ نے اس واقعہ کو بھی توڑ مروڑ ڈالا ہے۔ کیا آپ کے خیال میں رسول اللہ کی یہ تقریر محض لفاظی اور شعبدہ بازی تھی؟ مجھے امید نہیں کہ آپ کا ایسا خیال ہو۔ لیکن آپ کا لہجۂ تقریر یقیناً اسی خیال کا اظہار کر رہا ہے۔ آپ کی بحث قیادت پر مجموعی حیثیت سے مجھے یہ کہنا ہے کہ بہتر ہوتا اگر آپ لے قیادت کی اصطلاحی پہلو کو صفات قیادت سے الگ رکھا ہوتا۔ عملی زندگی میں کم و بیش ہم سب کچھ نہ کچھ تصنع سے کام لیتے ہیں۔ بناوٹ ہم سب میں ہے۔ اسی لئے ہمارے خدمت گار، اور ان سے بڑھ کر ہماری بیویاں ہمارے دھوکے میں نہیں آتیں۔ لیکن ہمارے پیغمبرؐ نے اپنی عمر کے پورے ۴۰ سال مکے والوں کے درمیان ایک عام انسان کی حیثیت سے گذارے اور اس طویل مدت میں انھیں ان کی صداقت کے جانچنے کے ہر طرح کے موقعے حاصل رہے۔ جب ۴۰ برس کے بعد انھیں "امین" کا لقب حاصل ہو گیا اور اپنے مقدس فرض کی ادائی کے لئے تیار ہو چکے۔ جب جا کر ان پر اللہ کی وحی نازل ہوئی اور جب بھی انھوں نے ۔ ۔ ۔ ۔ اسے قبول کیوں کر کیا؟ تم کے ساتھ ڈرتے ہوئے جھجکتے ہوئے اور سب سے پہلے ایمان اُن پر کون لایا؟ سب سے پہلے ان کی چہیتی بیوی۔ پھر کمسن چچا زاد بھائی۔ پھر ان کا عزیز ترین اور قدیم ترین دوست۔ فریب باہر والوں کو دیا جا سکتا ہے اور تصنع اور ابن الوقتی سے ان کے سامنے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ حال تھا کہ تصدیق کرنے والے اور تسلی دینے والے وہی تھے جو خلوت کے محرمانِ راز تھے، کم از کم یہ ہستی تو چالبازیوں سے بالاتر تھی، یہی صحیح ہے کہ خدا نے ان کے سامنے سب کو خاموش رہنے یا مودب گفتگو کرنے کا حکم دیا تھا لیکن یہ اس "رعب" و "سطوت" و "جاہ" کے قیام کے لئے نہ تھا[1]۔ جس کی دھن میں سبھی ہو

---

[1] مولانا کی تنقید کا یہ حصہ تمام تر صحیح ہے۔ میں زندگی کے اس دور میں واقعی فرنگی محققین و مستشرقین کا ہم عقیدہ و ہم زبان مقلد و پیرو تھا۔

پردیسی لاکھوں کروڑوں پر حکومت کرنے کے لئے لگے رہتے جو اس جاہ و اقتدار کے بھوکے ہیں وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا کبھی اعتراف نہیں کرتے لیکن قرآن تو ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے۔ جن میں پیغمبر کو کہیں تو تنبیہہ ہے کہ دیکھو فلاں غلطی نہ کر بیٹھنا۔ جس کے بہت قریب پہنچ گئے ہو اور کہیں یہ فہمائش ہے کہ فلاں بات جو کر چکے ہو۔ خبردار آئندہ نہ ہونے پائے ہر مفسر و تفسیر داں آپ کو بتا سکتا ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے جن بعض افعال سے قرآن میں اپنی جس ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اس کے لئے خاص اصطلاح ہے۔ یا پھر جب پیغمبرؐ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا ہے اور سورج میں گرہن اسی وقت پڑا ہے اور عرب کے لوگ گرہن کو اسی سانحہ ہی کا نتیجہ قرار دینے لگے تو اس موقع پر کوئی جاہ پسند شخص ہوتا تو اس حسن اتفاق سے کیا کچھ فائدہ اُٹھاتا۔ لیکن قرآن جو وہم پرستیوں کا خاتمہ کرنے آیا تھا۔ اس نے اس موقع پر بھی اپنا فریضہ خاص طور پر ادا کیا۔ ایک طرف ذرا دیانند کے مدعی تقدس آوریں۔ گلنڈ وورس کا یہ دعویٰ ملحوظ خاطر رہے کہ میری پیدائش کے وقت آسمان گرجا اور دوسری طرف قرآن کو دیکھئے کہ اس قسم کے اوہام کو کس کس طرح مٹایا ہے۔ آدین گلنڈ وورس کو بالآخر یورپ ہی میں جواب یہ ملا تھا کہ یہ موسمی کڑک اور گرج تو اس موسم میں اس وقت بھی ہوتی ہے جب کوئی بلّی بچہ جننی ہوتی اور وہ خود بچہ پیدا ہوتا نہ ہوتا۔ لیکن ادھر دیکھئے۔ اللہ نے خود پیغمبرؐ کی زبان سے اس خیال باطل کو جو طبعاً شدت کے ساتھ ہو گیا تھا۔ یوں دور کرایا کہ آفتاب اور ماہتاب میں گرہن اپنے اپنے مناسب موسم میں پڑا کرتے ہیں۔ انھیں انسانوں کی شادی اور غمی سے کوئی واسطہ نہیں" ایک اور مثال لیجئے صحابہ کے خیال میں یہ جما ہوا تھا کہ آنحضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس عقیدے پر وہ منتظر و مجبور تھے۔ اور جب آپ کی وفات کا واقعہ پیش آیا تو جن کا ایمان سب سے زیادہ

قوی اور مستحکم تھا۔ وہ فرطِ صدمہ سے دنگ اور ششدر رہ گئے۔ انھیں خیال بھی نہیں آتا تھا کہ کوئی ایسا زمانہ بھی آئے گا۔ جب پیغمبرِ خدا اس دنیا میں موجود نہ ہوں گے جن کا ایمان اس درجہ کا نہ تھا یا جن کی عقلوں پر عقیدت مندی غالب تھی۔ ان کا تو ایمان ہی متزلزل ہو چلا۔ عمرؓ خود اس درجہ متاثر ہوئے کہ جہاں ایک سردار اعظم اور عملی انسان ہونے کی حیثیت سے انھوں نے ان لوگوں کی روک تھام کی فوری ضرورت محسوس کی۔ وہاں کوئی عملی تدبیر سوا اس تخویف کے ان کے ذہن میں نہ آئی کہ "خبردار" اگر کسی نے پیغمبرِ خدا کو متوفی کہا تو اس کا سر اُڑا دوں گا۔" عین اس وقت وہ شخص جسے بجا طور پر صدیق کا لقب ملا تھا۔ اٹھا اور اس نے تسلی دلا سا دے کر لوگوں کو مطمئن کیا۔ لیکن یہ کیوں کر؟ محض ان آیاتِ قرآنی کو سنا کر جنھیں خود حضرت محمدؐ (میری ماں اور باپ اور اولاد سب ان پر قربان) نے دنیا تک پہنچایا تھا۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، فان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔ اور محمد کیا ہیں۔ بجز ایک رسول کے ان سے قبل اور بھی رسول ہو گذرے ہیں۔ اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر (کفر کی طرف) واپس چلے جاؤ گے؟

حضرت ابوبکرؓ نے بالکل صحیح طور پر حضرت عمرؓ کو ٹوکا۔ محمدؐ کی وفات ہو چکی تھی لیکن ربِ محمدؐ کی وفات نہیں ہوئی تھی اور وہ حی و قیوم زندہ تھا۔ یہ تھا اس انسان کی ساری زندگی کا حاصل وعظ۔ جس نے کبھی اپنی عبدیت کے باب میں شک و شبہ بھی نہیں پیدا ہونے دیا۔

"جاہ و سطوت" کا جو مفہوم آج شائع ہے وہ تو یہ ہے کہ نہ صرف فرمانروا معصوم ہے بلکہ حکام بھی اس معصومیت کے حصہ دار ہیں، نہ صرف "قانون" اور اطاعت و عبد اور

معصوم ہے۔ (قانوناً تو قانون معصوم ہی ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ کوئی جرم نہیں کرسکتا۔ قانوناً بادشاہ سے برتر کوئی قوت نہیں۔ اس لئے بادشاہ کا جرم پیش کس کی عدالت میں ہو؟) بلکہ اس قانون کے نافذ کرنے والے بھی امکانِ خطا سے ماوراء ہیں۔ ہمارے نبی نے اس عقیدے کو شرک قرار دیا۔ جس سے دنیا کو نجات دلانے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ وہ خود معصوم بے شبہ تھے۔ مگر اس حیثیت سے کہ پیغمبر الٰہی تھے۔ اور پیغامبر بھی اگر معاصی کا شکار ہو سکتا تو خود پیام کی صحت مشتبہ ہو جاتی۔ لیکن آپ نے اس کی صاف تشریح کر دی ہے کہ جس وقت میں اپنے منصب رسالت سے الگ ہوں۔ اس وقت میری حیثیت تمہاری یکساں ہے انتم اعلم بامور دنیاکم یہ وہ الفاظ ہیں جو آپ نے بحیثیت ایک تجارت پیشہ مکی کے مدینہ کی زراعت پیشہ آبادی سے اس وقت فرمائے۔ جب ان لوگوں نے ایک فصل میں آپ کے مشورے کے بموجب اور اپنے دیرینہ معمول کے خلاف اشجار خرما میں قلم نہیں لگائے تھے۔

لیجئے۔ یہ خط بہت زائد طویل ہو گیا اور یہ اس لئے ہوا کہ مجھے خواہ غلط ہی سہی یہ شبہ ہو گیا ہے کہ آپ نے دنیا کے مخلص ترین قائد اعظم کی جانب چالاکی کا انتساب کیا ہے۔ اگر میرا شبہ بیجا ہے تو آپ اس طوالت بیان کو معاف کریں اور عبارات متعلقہ پر ایک بار پھر غور کر لیں۔ جب کتاب کی طبع ثانی کی نوبت آنے لگے اور طبع ثانی کی نوبت جلد ہی آنی چاہیئے اس وقت تک کے لئے میرا شکریہ قبول ہو کہ آپ نے ایسا تحفہ مجھے دیا۔ جس کے باعث مجھے بھی بہت کچھ غور کا موقع مل گیا۔ زیادہ آداب و تسلیمات۔

آپ کا مخلص۔ محمد علی

مکرر۔ آپ نے مجھے رائے دی کہ میں اس جبریہ تعطیل کے زمانے میں

کوئی کتاب لکھنا شروع کر دوں[1] اور مجھ سے اس کی توقع بھی کی جا رہی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جن لوگوں نے مجھ سے یہ توقع قائم کی ہے وہ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ اولاً تو مجھ میں وہ صبر و تحمل اور استقلال ہی نہیں ہے جو ایک عالم محقق میں ہونا چاہیئے۔ دوسرے جو کچھ علم و عقل رکھتا بھی ہوں۔ اس پر میرے جذبات کہیں زیادہ غالب ہیں۔ نہ یہ جبریہ فرصت، سو مجھے یہ فرصت ملنے ہی کیوں پاتی۔ اگر میرے جذبات اس قدر ضعیف ہوتے کہ جس وقت اغیار تاریخ سازی میں مصروف ہیں۔ میں تاریخ نویسی میں لگا رہتا۔ نہیں میرے عزیز دوست نہیں۔ میرا دماغ، میرا دل دونوں اس وقت جس عالم میں ہیں۔ وہاں تصنیف و تالیف جیسی "تفریحات" کی گنجائش کہاں؟ البتہ کبھی کبھی دل کے ایماسے دماغ دو چار شعر موزوں کر لیتا ہے۔ اگر آپ کو اس کا ذوق ہو تو میں ایک آدھ غزل آپ کو بھیج سکتا ہوں۔ یہ وہ غزلیں ہیں جو جیل جانے کے زمانۂ فرصت میں، مشغولیت میں مہلت کے لمحے نکال نکال کر ضبطِ تحریر میں لا سکا ہوں یہاں کے ایک حاکم صاحب نے بھی وہی رائے دی جو آپ نے پیش فرمائی۔ یعنی تصنیف و تالیف۔ میں نے جواب دیا کہ اس وقت تو میرا موضوع تصنیف دو ہی چیزیں بن سکتی ہیں۔ ایک "کربلا" دوسرے "قبل ہجرت" اپنے چند شعر اسی وقت پیش کئے دیتا ہوں۔ میری ترجمانی کسی قدر انھیں سے ہو سکے گی۔

(ترجمہ انگریزی)

ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد	دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد	قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

---

[1] میں نے رائے دی تھی کہ اس جبریہ فرصت کے زمانے میں تاریخ پر کچھ لکھ ڈالیے کہ تاریخ تو آپ کا موضوعِ خصوصی ہے۔

اس طرح سے جلنے میں بھی مرنے کا مزا ہے   قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہِ قضا دیکھ
اللہ کے پاکوں کا بھی ہے ہمہ رنگ نرالا   اس سادگی پر خوشیٔ خونِ شہدا دیکھ
ہے سنت اربابِ وفا صبر و توکل   چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ
تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور   بیچارگی پر اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ

آساں نہ تھا تقربِ شیریں تو کیا ہوا   تیشے کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور
ہم تک جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب   یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

خوفِ غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر   ہیں جہاں اتنے وہاں خوفِ خدا اور سہی
عہدِ اول کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو   تم وفادار ہو، تھوڑی سی وفا اور سہی

(۴)

چھندواڑہ۔ ۱۶ر اگست سنہ ۱۶ء

مکرمی۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۷ر اگست چند روز ہوئے ملا مجھے تو خوف تھا کہ کہیں آپ میری تنقید سے ناراض نہ ہو جائیں۔ مگر نیت بخیر تھی۔ اور جانبین کو صرف اصلاح مطلوب تھی نہ کہ افساد۔ اس لئے میرا خیال صحیح نکلا کہ آپ کو ایک سچی اور دلسوزی کی تنقید محض تقلیدی تعریف و توصیف سے زیادہ پسند ہوگی۔ عریضہ ہی مفصل تھا۔ مگر پھر بھی اگر ہم دونوں ساتھ ہوتے تو جزئیات کے متعلق بھی بہت کچھ عرض کر سکتا۔ اس زمانے میں استبداد اور استعباد نے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے دو لفظ گھڑ لئے ہیں (CONSTRUCTIVE) اور (DESTRICTIVE) (یا تعمیری و تخریبی) اور اس میں سے موخر الذکر کو تو ہر سچی تنقید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور مقدم الذکر کو اس عنقا صفت

تنقید کے لئے سینت کر رکھ لیا ہے جو نہ آج تک آنکھوں نے دیکھا نہ کبھی کانوں نے سنا اور جو نہ کسی متنفس کے دل و دماغ میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی جاگزیں ہوا۔ حالانکہ اگر فنِ نقادی کو صحیح طور پر دیکھا جائے تو اس کا اولین غرض یہ ہوتا ہے کہ اس قصر سر بفلک کی تعمیر کے لئے جس کا نقشہ اس کے تصور میں ہوتا ہے (یا کہیں کہیں کسی شاعر یا فلسفی یا ادیب کے کلام میں بھی کوئی محراب یا گنبد نظر آ جاتا ہے) زمین کو صاف کرے اور آس پاس کے بوسیدہ مکانات، بدنما جھونپڑے اور تنگ و تاریک بے قاعدہ گلیاں وہاں سے دور کر دے بہرحال تعمیر سے پہلے تخریب تھوڑی بہت کرنی ہی پڑتی ہے۔ اگر استبداد کے عام اعتراض میں کوئی اصلیت ہے تو محض اس قدر کہ تخریب کی غرض سے نہ ہو بلکہ تعمیر کا پیش خیمہ ہو۔ سو میں نے جو کچھ بھی لکھا۔ اس غرض سے لکھا تھا کہ جب کبھی نظر ثانی کا موقع آئے تو آخری فیصلہ کرتے وقت میرے پراگندہ خیالات میں سے جو ضروری اور مفید معلوم ہوں۔ پیش نظر رکھے جائیں۔

پیغمبر اسلامؐ (روحی فداک یا رسول اللہ) کے متعلق ظاہر ہے کہ آپ انکو اتنا بڑا پیشوا مانتے ہیں اور کتاب کے ہر پڑھنے والے سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔ جتنا کہ کوئی اور پیشوا ہو گذرا ہو۔ جس کی نظیر کتاب میں ہے ورنہ ایک مسلمان کو کچھ بھی ضرورت نہ تھی کہ جہاں نپولین وغیرہ کا موازنہ کیا جاتا ہو۔ وہاں ذکر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا جائے۔ آج کل کی سیاست بین الاقوامی کی اصطلاح میں آپ کا غیر طرفدار رہنا بھی ایک ایسی کتاب کے لکھنے میں جسے ہر مذہب و ملت والا پڑھے قرین مصلحت تھا۔ میں نے اس خیال (CONCEPTION) پر ہرگز اعتراض نہیں کیا ہے۔ اگر اعتراض ہے تو محض طرز عمل (EXECUTION) پر۔ اب چونکہ خود آپ کی تحریر سے واضح

ہو گیا کہ آپ وہی چاہتے ہیں جو میں سمجھتا تھا کہ آپ چاہتے ہوں گے۔ اس لئے
میری تنقید کی نوعیت بھی واضح ہو گئی اور وہ ابھی باقی ہے۔ یعنی ایک عام
پڑھنے والے پر آپ کے الفاظ اور جملوں کی اور نیز ان موقعوں کا جن پر کہ وہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا گیا ہے ایک حد تک ضرور یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ
بار بار خود کرے کہ کہیں آنحضرت صلعم کو مار گر لیتے (یہ میری بدنصیبی تھی کہ آکسفورڈ
میں جب میرا ارادہ تحقیق (RESEARCH) کی ڈگری لینے کا تھا تو یہ میرے
رہنما مقرر کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ بیشتر بھی کچھ عربی ان سے پڑھی تھی)
وغیرہ کی طرح ایک چلتا ہوا لیڈر تو ثابت نہیں کرنا چاہتے چونکہ یہ نہ آپ کا مفہوم
ہو سکتا تھا نہ ہے اس لئے میری توقع ہے چاہئیں کہ آپ اپنی تصنیف کو ایک
بار اس شبہ کو دل میں جگہ دے کر پڑھیں کہ مصنف کوئی غیر مذہب والا ہے جو
مسلمانوں کو یا کم از کم غیر مسلموں کو تو ضلالت کی طرف آہستہ آہستہ لے جانا چاہتا ہے
تاکہ وہ عظمت جو ایک وحی پانے والے رسول کی ان کے دل میں ہو وہ دور ہو جائے
اور اس طرح دور ہو کر خود پڑھنے والوں کو بھی اس تبدیلی خیالات کا احساس نہ
ہونے پائے۔ اور اسی لئے بطور ایک نعم البدل کے خلعت نبوت اتار کر لیڈری
کی گون (GOWN) پہنا دی۔ یہ ہرگز آپ کا خیال نہ تھا نہ ہے۔ نہ ہو سکتا ہے۔
مگر جس طرح حساب میں بچے اپنے سوالات کے جوابات کی جانچ کرتے ہیں کہ
تقسیم کا ہے تو ضرب دے کر دیکھتے ہیں اور تفریق کا ہے تو جمع کر کے اسی طرح
ایک پڑھنے والے کے جذبات اور اس کے دل پر جو اثرات پیدا ہو سکتے ہیں انکا
اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس سلسلۂ تاثر کو الٹ دیا جائے اور تنقید کر ایک
نقاد پیش کرتا ہو۔ اس کو صحیح تسلیم کر کے اور جو اثر کہ آخرکار پڑھنے والوں کے دل
پر بقول اس کے پڑنا ممکن یا اغلب ہو اسے قبول کر کے پھر کتاب کو پڑھا جائے اور

دیکھا جائے کہ جو نقوش پڑھنے سے پیشتر ہی دل پر نقش ہو گئے تھے۔ باقی رہتے ہیں یا مٹتے جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب گھڑی ساز گھڑی کے کسی ٹوٹے ہوئے پرزے کو سنبھالنا چاہتا ہے تو خوردبینی شیشہ لگا لیتا ہے جس سے نقص اصلیت سے کہیں بڑا معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس غرض سے کہ باریک سے باریک نقص بھی صاف نظر آئے اور اصلاح کی جا سکے۔ اچھے سے اچھا نقاد بھی اکثر اس غرض سے مبالغہ سے کام لیتا ہے اور عوام سے کہیں زیادہ اسے 'لطیف' اور 'باریک بین' بننا پڑتا ہے۔ چونکہ غرض اصلاح ہے نہ کہ تنازعہ۔ اس لئے یہ بال کی کھال نکالنا اس کے لئے جائز ہی نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اس کے لئے اصرار کرنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے میں نے بھی اس تنقید میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور مصر ہوں کہ آپ خود اس سے بھی زیادہ مبالغے سے کام لیں۔ جوہری جب نگینہ تراشی میں مصروف ہوتا ہے تو زیادہ وقت اس کا اس تراش خراش میں صرف نہیں ہوتا جو عوام کو نظر آ سکے۔ بلکہ ایسی باریک اصلاح میں جس کا نظر آنا تقریباً ناممکن ہے اور جو کچھ وہ گھنٹوں کی محنت میں تراشتا ہے وہ نہایت باریک خاک کے چند ذرّے ہو گئے ہیں جو تراشتے تراشتے ہی ہوا لے اڑتی ہے۔ مصنف کسی طرح جوہر فروش سے کم نہیں اور اس سے زیادہ باریک بین نقاد اس کی تصنیف کا اور کوئی نہ ہونا چاہتے۔

"فلسفہ اجتماع"[۱] کب تیار ہوئی۔ افسوس ہے کہ انجمن ترقی اردو اپنی طرف سے شائع کردہ کتابوں کا کافی اشتہار نہیں دیتی۔ اسے چاہیئے کہ اگر کسی کتاب پر ایک ہزار روپیہ صرف کرے تو کم از کم ۲۵۰ اس کے متعلق اشتہار دل

---

[۱] میری دوسری کتاب کا نام۔ اسی انگریزی لیڈرشپ ہی کا گویا اردو ایڈیشن تھا زیادہ مفصل و طول

پر بھی صرف کرے۔ اخبار والے اس کے ساتھ ضرور رعایت کریں گے میں نے خود ہمدرد میں یہی کیا تھا مگر خود انجمن کے کارکن اس معاملے میں تساہل برتتے تھے۔ آپ بیسویں صدی کی اس ضرورت PSYCHOLOGY OF THE ADVERNSER پر عبدالحق صاحب کو ضرور لکھئے۔ نفسیات القرآن پر آپ نے جو کچھ لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس کے متعلق کیا پوچھ سکتا ہوں کہ کام کا "نقشہ" اور "تخمینہ" (باصلاح تعمیرات) کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ ایک سیاسی ریڈیکل کے جسم میں ایک مذہبی دقیانوسی کی روح رکھنے والا سمجھیں گے اگر میں عرض کروں کہ بقول حالی ؎

یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے[۵]

جو کچھ بھی لکھا جائے۔ وہ سمجھ کر کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں، محاورہ انسانی ہے مگر اس کی تمام (PSYCHOLOGY) خلاق زمین و آسمان کی ہے۔ غالباً آپ نفسیات القرآن سے یہ ثابت کرنا چاہیں کہ بڑے سے بڑا PSY-CHOLOGIST بھی انسانی نفسیات کے اسرار و نکات سے نہ واقف ہوسکتا ہے نہ ان کے اظہار کے لئے الفاظ اور ترکیبیں اور فقرے کسی زبان میں پاسکتا ہے۔ جس طرح خود اس ذات پاک نے قرآن کریم میں ظاہر فرما دیا ہے۔ جو عالم الغیب والشہادۃ اور انسان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو میدان نہایت وسیع ہے مگر رہرو کو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا

---

[۵] اس وقت انگریزی ہی میں "سایکالوجی آف دی قرآن" پر لکھنے کا ارادہ تھا۔ اسی مخدوش ترتیب میں سمجھ سکتا کہ یہ ارادہ اس وقت محض ارادہ ہی کی حد تک رہا۔ محمد علی اس وقت بظاہر انگریزیت میں بالکل ڈوبے ہوئے تھے۔ لیکن دل و دماغ کے ریشہ ریشہ میں اللہ اکبر کس درجہ کی اسلامیت چھپی ہوئی تھی۔

پڑتا ہے۔ میں ہرگز ان لوگوں کے طرفداروں میں نہیں ہوں جو کلام ربانی سے اس قدر خائف ہو جائیں کہ نہ اُسے کبھی سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔ نہ اس کے متعلق کچھ سوچیں نہ پوچھیں نہ سمجھیں۔ کلام پاک ریشم کے جزدانوں اور الماری کے بالاترین حصوں اور وہاں کے گرد و غبار کے لئے آسمان سے نازل نہیں ہوا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ قرآن پاک کا ہر ایک نسخہ اس کثرت سے مستعمل ہو کر پنسل کے نشان، کاغذ کی پٹیاں بین الاوراق یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے نشان ہر جگہ نظر آئیں اور ثابت کر دیں کہ اس کتاب سے زیادہ اس کے ماننے والے کسی کتاب کو نہیں پڑھتے نہ اس سے زیادہ کسی کتاب کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر مجھے ان لوگوں سے ہمدردی ضرور ہے جو قرآن کو نہایت احتیاط و اہتمام کے ساتھ چھوتے ہیں۔ گو برس دو برس میں ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہو۔ یہ اُم الکتاب ہے اور اس کا ادب باقی رکھنا اس لئے لازم ہے کہ اگر اتنی احتیاط نہ برتی جائے تو تحریف کا اندیشہ ہے اور تمام صحفِ ماقبل اس خطرے کے بیجا نہ ہونے کا کافی سے زیادہ اور سخت دل خراش ثبوت ہیں۔ اس لئے ایک صاحب نے جب ایک ترجمہ بلا متن میرے پاس ریویو کے لئے بھیجا تو میں نے انہیں اطلاع دے دی کہ مجھے اینڈھن کی آج ضرورت نہیں ہے۔ کیا مسلمانوں کے لئے یہ بات مایۂ ناز نہیں کہ تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ گذر گیا مگر مسلمانوں نے اس ام الکتاب کو اس احتیاط سے رکھا کہ آج تک ایک لفظ یا حرف تو کجا زیر و زبر کا بھی فرق نہیں ہونے پایا اور تمام فرقے اس پر اتفاق کلی کرتے ہیں۔ قرآن پاک تو قرآن پاک دوسرے درجہ کے صحائف ہمارے کتبِ حدیث کی تحقیق و تدقیق اور صحت و حفاظت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قصہ مختصر مجھے امید ہے کہ جو کچھ بھی آپ لکھیں گے۔

آدابِ قرآن کو ہر طرح ملحوظ رکھیں گے۔ مگر لکھیئے ضرور۔ اس سے ہرگز نہ خائف ہو جیئے۔ یہ تو ایسی سیدھی سادی کتاب غیر ذی عوج ہے کہ عرب کے گنوار مدینہ منورہ جاتے ہیں اور نبی اکرمؐ سے اسے سنتے اور ہم سے کہیں زیادہ سچے اور پکے مسلمان بن کر اپنے بالوں والے خیموں اور اپنے ریگستان اور اپنے گلوں میں واپس آجاتے۔ مغربین کا جہاں شکریہ ادا کرنا ہے۔ وہاں یہ شکایت بھی باقی ہے کہ باوجود سچی محبت و احترام کے انھوں نے بھی ایک حجاب سے ادب قرآن پاک تک قائم نہ رکھا۔ جو کچھ لکھا وہ زیادہ تر اس نیت سے کہ اپنا کمال تمام اس صحیفۂ اکرم پر صرف کر دیں۔ مگر بعض اوقات یہ بھول گئے کہ کہیں حاشیہ متن کو اپنے بوجھ اور پھیلاؤ سے چھپا اور دبا نہ لے۔ یہی حال شکسپیر کے جرمن شارحین کا ہے۔ ان کا ساری دنیا پر احسان ضرور ہے کہ شکسپیر کو خود اسکے ہم وطنوں کے تغافل سے نجات دی مگر اب تو بعض نے شکسپیر کو محض اپنی مضمون آفرینی کا آلہ بنا لیا ہے۔ خدا مسلمانوں کو قرآن پاک کے متعلق اس شر سے بچائے۔ آمین۔

آپ میری شاعری کا کیا پوچھتے ہیں۔ بچپن میں تو بہت سے سامان ایسے بہم ہو گئے تھے کہ میں اس وقت زلف و ابرو کی تعریف میں اچھے شعر نکال لیا کرتا۔ رامپور میں اس زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ جب گھر گھر مشاعرہ ہوتا تھا۔ داغ، امیر، تسلیم، عروج۔ دہلی اور لکھنؤ کے آسمان کے ٹوٹے ہوئے تارے سب رامپور کے آسمان سے نور افشانی کر رہے تھے۔ خود میرے خاندان میں بھی شعر گوئی کا ذوق ہوا۔ تین چار عزیز استاد داغ کے شاگرد ہو گئے۔ جن میں ایک میرے حقیقی بھائی ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر اور میرے چچازاد بھائی اور خسر عظمت علی خاں اور ان کے بھائی حافظ احمد علی خاں صاحب شوق شامل تھے۔ گھر پر بارہا مشاعرہ ہوا۔ پھر داغ کو نواب کلب علی خاں صاحب مرحوم نے

جن کی نظر ہمیشہ کفایت شعاری پر رہتی از راہ پرورش سرکاری اصطبل کا داروغہ بھی کر دیا تھا۔ تاکہ وظیفہ محض "کار بے کاری" کی نذر نہ ہو۔ یہ میرے مکان کے عقب میں تھا۔ اس لئے روزانہ ان کی زیارت یونہی ہو جاتی تھی اور اب اس بذلہ سنج کے شعر کا لطف اٹھاتا ہوں۔ جس نے داغ کے اس تقرر پر کہا تھا ممکن ہے کہ تاریخ بھی نکلتی ہو ے

آیا دلی سے ایک مشکی خر   آتے ہی اصطبل میں داغ ہوا[1]

داغ کی غزل یاد کیجئے ے

آج رخصت جہاں سے داغ ہوا   خانۂ عشق بے چراغ ہوا

اس پر مستزاد یہ کہ ذوالفقار علی روزانہ داغ کے گھر جاتے تھے جو ہمارے مکان سے دور نہ تھا اور مجھے بھی لے جاتے تھے۔ داغ نے پہلے دن پوچھا تمہیں کچھ شعر بھی یاد ہیں۔ میری عمر بہت کم تھی۔ مگر بھائی نے کچھ شعر یاد کرا دئے تھے۔ جنہیں میں نہایت شان اور زور سے کڑک کر پڑھا کرتا تھا۔ میں نے داغ ہی کے چند شعر انھیں سنا دئے وہ سن کر پھڑک گئے اور اسکے بعد ہمیشہ اصرار رہا کہ اس بچے کو ضرور لایا کرو۔ خیاب دالا اس کے بعد اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ شعر و سخن کی گود میں پلا ہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ مگر میرا دعویٰ تو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ سنئے میں نہ صرف شعر و سخن کی گود میں پلا ہوں بلکہ اس کی توند پر کودا ہوں۔ اس کو ہاتھی بنا کر پیٹھ پر سوار ہوا ہوں۔ غرض کوئی بے ادبی و گستاخی باقی نہیں رہی ہے۔ جو میں نے شعر و سخن کی شان میں نہ کی ہو۔ میری پیدائش ۱۸۷۰ء کے اواخر کی ہے۔ یہ میں نے دس برس ہی کی عمر میں بہت خود فضول شعر مگر با معنی اور موزوں

---

[1] جناب داغ سیاہ فام تھے۔

گئے تھے اور اچھا ہوا کہ اب وہ کسی کو یاد نہیں۔ ورنہ جب میری OFFICIAL LIFE (یعنی گورنمنٹ کی طرف سے نہیں بلکہ بقول آپ کے میری اُمت کی طرف سے لکھنے کا وقت آتا تو میرے سیرت نگار کو سخت مشکل کا سامنا ہوتا کہ اس لچر پوچ کو ردی دان بلکہ آتش دان کے نذر کیا جائے یا سیرت پیشوائے قوم و ملک میں جگہ دی جائے ہمدرد کے سنسر نے (جن کا چند ماہ کے بعد ہی یکایک انتقال ہوگیا) تو ہمدرد میں سے ایک بار چڑیا چڑے کی کہانی کو بھی (جو محض امتحاناً درج کی گئی تھی) خارج کر دیا تھا اور اعتراض کیا گیا تو کہا کہ "بھائی ہے تو چڑیا چڑے ہی کی کہانی۔ مطلب بھی صاف صاف معلوم ہوتا ہے مگر ہمدرد والوں سے ڈر ہی لگتا ہے اور وہ نٹ کا معاملہ ہے۔ نہ معلوم اس میں کچھ زہر بھر دیا ہو اور جواب دہی ہمارے ہی سر آپڑے" آپ نفسیات کے ماہر ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ میرا لچر پڑھنے والا سیرت نگار باوجود نقاد سخت ہونے کے محض بطل پرستی کے باعث یہ خیال کرنے لگتا کہ نہ معلوم کیا کیا اسرار اس لچر پوچ میں پوشیدہ ہیں اور آنے والی نسلیں ممکن ہے اس سے بھی زیادہ روشن ضمیر ہوں اور ان اسرار سے واقف ہو کر دنیا کو نئی نئی معلومات اور عجیب عجیب انکشافات سے الامال کردیں؟ اس لئے بہتر ہے کہ انھیں داخل ہی کردو۔ اور اسی طرح ہمیشہ کے لئے میری پوچ گوئی باقی رہتی اور قیامت کے دن استاد آغ میراور اس کے لڑکے کو خود بھی بدنام ہوئے اور ہمیں بھی بدنام کیا۔ خیر اب سنئے۔ گیارہ برس کی عمر میں علی گڈھ گیا۔ ایک بڑے بھائی نے میری موزونی گوئی کا ذکر مولانا شبلی مرحوم سے کیا۔ دوسرے نے میرے حافظے کی تعریف کی کہ الماری میں پر رکھی تھی۔ اٹھا کر پڑھنے لگا اور دوسرے دن میں نے امین کے قتل پر جو مرثیہ ہے اس کا ایک شعر عربی کا پڑھا تو اس کا مجھے ترجمہ سنا دیا۔ حالانکہ عربی سے بالکل ناواقف ہے

لے ہمدرد پر مجود زبنگ سنسر بھی رہا تھا کوئی مضمون بغیر سنسر کی منظوری کے نہیں چھپ سکتا تھا۔

مولانا کو یقین نہ آیا اور امتحان کی غرض سے ہم بلائے گئے۔ پہلے اوزان کی اور لانہ کی فہرست مانگی۔ پھر اس کا حلیہ پوچھا۔ جب اس میں پاس ہو گئے تو ایک مصرعہ طرح اسی وقت دیا اور کہا کہ شعر لکھو۔ چیزے از قسم لچر پوچ اسی وقت تیار ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ مولانا مرحوم پر تو جو سکہ بیٹھ گیا تھا۔ وہ اسی لچر پوچ کا تھا۔ میں اسکول ہی میں تھا کہ ایک نظم انعامی میں نے لکھی اور مولانا حکم ٹھہرے۔ انعام تو ایک کہنہ مشق بزرگ کو ملا۔ مگر ہماری لچر گوئی کا بھی خاصہ شہرہ ہوا۔ اکثر ایسا ہوا کہ ذوالفقار بھائی نے کوئی نظم لکھ دی اور ہم نے اپنی طرف سے پڑھ دی۔ مگر جب عمر ذرا زیادہ ہوئی تو اسی نخوں نے فرصت نہ دی۔ کالج میں البتہ آخری سال سجاد حیدر[۱] کی صحبت میں شعر و سخن کا چرچا رہا۔ پہلے بھی جب ہم لوگ انٹرنس میں تھے تو ایک نظم میں شعرائے باکمال نے حاجی اسمٰعیل خاں صاحب (تربیت الدجاج اور "یونین جیک" والے) کی دعوت کے شکریہ میں تیار کی تھی۔ ان میں سے ایک یہ خاکسار تھا۔ ایک سجاد حیدر صاحب اور ایک سید وزیر حسن صاحب تازہ آنریبل و آزمودہ کار سکریٹری مسلم لیگ کے برادر اصغر[۲] غرض ایک سال آخری کالج میں خوب گذر گیا اور مشاعرہ جسے بعد کو حسرت[۳] نے رونق بخشی۔ ہم لوگوں ہی کا ایجاد کردہ تھا جو دھوپ کو بیٹھ کے ہوا کرتا تھا اور شمع پیش نہ کی جاتی تھی۔ کرکٹ کا (LAWN) جاڑے کا مشاعرہ تھا۔ ایک چودھویں کو بارش ہو گئی تو تین چار دن مطلع صاف ہونے کی راہ دیکھ کر (DINING HALL) میں کیا گیا۔ اس وقت میں نے اپنا ایک غیر طرح میں

---

[۱] اپنے زمانے کے ایک معروف ادیب و اہل قلم

[۲] سید اصغر حسین صاحب سشن جج سے پنشن پائی۔ سید وزیر حسن نے اودھ چیف کورٹ کی چیف ججی تک ترقی پائی۔ وزیر حسن اس وقت مسلم لیگ کے سکریٹری تھے۔

[۳] یعنی مشہور شاعر حسرت موہانی

اس شعر کا بھی اضافہ کر دیا ہے

زخش زمزمیں نہیں وہ چاندنی نہیں لطف شاعرہ تو گیا چودھویں کے ساتھ

علی گڈھ کالج میں شاعری تو کچھ کی۔ مگر وہی فرضی معشوقی۔ اگر کچھ اصلیت تھی بھی تو اتنی ہی جتنی ایران کی شاعری کو اور "سبزہ خط" وغیرہ کو ایک حد تک با معنی کر دیتی ہے۔ کالج چھوڑا تو ولایت جانا ہوا یہاں البتہ شاہدان اعلیٰ کی کمی نہ تھی مگر ذوق نظارۂ جمال لاکھ سہی اور گرہ میں مال بھی سہی۔ تاہم طبیعت کا میلان خلاف دستور عام زہد و تقویٰ کی طرف تھا۔ وہ اس کے قریب تو ہندوستان سے پہنچے دھاگے نے باندھے رکھا۔ وہ برس کسی اور کے خیال نے۔ مگر یہ آخری خیال با عصمت تھا اور محض حالات گرد و پیش اس کے محرک تھے۔ جب ان سب تجربوں کے بعد "کپڑے پھاڑ کے گھر کو آئے" تو تاہل کی زندگی بال بچوں کے خیال نے شاعری سے مستغنی نہیں تو غافل ضرور کر دیا۔ گذشتہ چند سالوں میں اگر کچھ ترشح شاعری کا ہوا تو وہی قومی مرثیہ۔ مگر زیادہ نہ سہی۔ البتہ پچھلے دو تین برس میں عشق حقیقی رنگ لایا ہے اور تغزل کا زور ہے یہ اپنی تنگ آئی ہے کہ سوائے چار پانچ غزلوں کے اس فرصت کے زمانہ میں بھی کچھ نہ لکھ سکا۔ لکھنے کے لئے نہ بیٹھتا ہوں نہ کوشش کرتا ہوں۔ مگر جب طبیعت پر خود ہی کسی بیرونی تحریک کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو نہایت مجبوری کہہ لیتا ہوں اور یہی ایک ذریعہ (علاوہ تلاوت قرآن پاک کے) تسکین قلب کا رہ گیا ہے۔ چونکہ آپ کا اصرار ہے کہ نئی غزلیں لکھ کر بھیجو۔ اس لیے یہ لکھے بھیجتا ہوں (TOUCHSTONE) کی معشوقہ سے زیادہ قابل قدر نہیں A POOR THING BUT MINE OWN

اب رخصت ہوتا ہوں اور تضیع اوقات کی معافی کا خواستگار ہوں۔

بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ عزیزی مسعود کے رشتہ سے بھی میرا حق پہنچتا

ہے۔ والسلام۔
محمد علی

کر یہ کہ مجھے سخت تعجب ہوگا۔ اگر آپ صاحبزادہ صاحب کے ساتھ نباہ کرسکے۔ ہمارا تجربہ مدتوں کا ہے۔ گو اوروں کے لئے اپنا تجربہ اکثر بے سود ہوتا ہے۔

تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی (غالب)

خوگر جور یہ تھوڑی سی جفا اور سہی
اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی

خوف غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے وہاں خوف خدا اور سہی

کشور کفر میں کعبے کو بھی شامل کر دو
سیر ظلمات کو تھوڑی سی فضا اور سہی

اب عزت کے لیے بھی کوئی رہتے دو خطاب
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

عدل کو بھی اچھا ہو جو پیدا کر دو
تم نہ خادار ہو تھوڑی سی ثنا اور سہی

حکم حاکم نہ سہی مرگ مفاجات سے کم
مالک الملک پہ ایماں کی سزا اور سہی

جس نے ہنگامہ عدالت کا ہے دیکھا ہو
اس گنہ گار کو اک روز جزا اور سہی

بندگی میں ترے سنتے ہی ہیں کہ بیٹھیں
چند دن کے لئے دوزخ کی ہوا اور سہی

دل وہیں جا ہی چکا جان بھی جاتی ہے تو جائے
ترکش کفر میں اک تیر قضا اور سہی

ہم دنا کیشوں کا ایماں بھی ہے پروانہ صفت
شمع محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی

مار دیا غیر میں مجھ کو وطن سے دور (غالب)

یاد وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

(حاشیہ صفحہ ۲۱۳)
لہ شیخ مسعود الزماں بیرسٹر رئیس بلغرام، میری بیوی کے حقیقی بھائی اور میری شادی ابھی حال ہی میں ہوئی تھی۔

گر بوئے گل نہیں، نہ سہی، یادِ گل تو ہے
صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور

پاداشِ جرمِ عشق سے ہے کب تلک مفر
مانا کہ تم رہا کئے دار و رسن سے دور

کچھ بھی یہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا
روحِ شہید رہتی ہے نعشِ کفن سے دور

تقویٰ کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اُن کا جدا ہے رنج و محن سے دُور

مستِ مئے الست کہاں اور ہوس کہاں
طرز ونائے غیر ہے اپنے چلن سے دُور

واعظ کا ارتداد، نہ میرا ہی ترکِ کفر
کچھ بھی نہیں ہے ساقی توبہ شکن سے دُور

ہے بُعدِ کربلا سے بھی قربِ یزید بھی
اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنج تن سے دُور

اللہ رے نورِ چشم محبت کی جستجو
نکلا اسیرِ مصر نہ کچھ بھی وطن سے دور

آساں نہ تھا تقربِ شیریں تو کیا ہوا
تیشے کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور

مسلم اجل سے دور نہیں دور کربلا
رہتا نہیں برات میں دولہا دلھن سے دُور

یوں بچ سکو مواخذۂ حشر سے تو، ہاں
بارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دُور

مفتیِ مفت خوار کو سب کچھ حلال ہے
بوئے شراب شرک ہو پھر کیوں دہن سے دُور

دستِ دراز کوتہ اسے زہد باصفا
رکھے خدا عمامۂ شیخ زمن سے دُور

ہم تک جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب
یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دُور

ہیں اتنے لان شوق یہ مرعوب حسن بھی
یہ طائفہ عجیب ہے اک مرد و زن سے دُور؟

تم ہو نذرِ عشق، نہ لکھیں دنا مرثیہ
یہ بات ہے مروّتِ اہلِ سخن سے دُور

تاویل بڑھ گئے انتہا ب للکفر ہو گئی
کچھ بھی نہیں ہے شیخ ترے علم و فن سے دُور

تم سے بعید تھا کہ بھلا دو، اگرچہ ہم
اک عمر ہو گئی کہ ہوئے انجمن سے دُور

شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی
اک لاش بھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے دنا کا تقاضا جفا کے بعد

اک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ہل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

غیروں کے ساتھ ہم سے الگ ساحیف ہے اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے ولے میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد
لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد
کیا زندگی جو دل میں کوئی آرزو نہ ہو ہتی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہر یہ سرکشی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

یہ نور خدا کا ہے بجھائے نہ بجھے گا
کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی بجھا دیکھ

سمجھا بھی ہے کچھ تو کہ یہ ہے کس سے تمرد
اللہ کو مان، اپنی حقیقت کو ذرا دیکھ

سونے کا نہیں وقت یہ ہشیار ہو غافل
رنگِ فلکِ پیر، زمانے کی ہوا دیکھ

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ خدا دیکھ

اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس سادگی پہ شوخیٔ خونِ شہدا دیکھ

خو تیری دورروزہ مرا پیماں ہے ازل کا
پابندِ جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

ہم کہہ نہیں سکتے وہ کریں چارہ گری بھی
حالِ دلِ بیمار طبیبوں کو سنا دیکھ

تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بے چارگی پر اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ

دشتِ رہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو
بطحا کے مہاجر کا تو نقشِ کفِ پا دیکھ

عقبیٰ تو کہاں، واں نہیں دنیا کی بھی کچھ ٹھیک
اس کافرِ بے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

اس طرح سے جینے میں بھی مرنے کا مزا ہے
قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہ قضا دیکھ

ہو حسنِ طلب لاکھ، مگر کچھ نہیں ملتا
ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ

ہوں لاکھ نظر بند، یہ پابند نہیں ہوں
اللہ کے بندوں کو نہ اس طرح ستا دیکھ

سینہ ہمارا فگار دیکھئے کب تک رہے
چشم یہ خوں نابہ بار دیکھئے کب تک رہے

عشق، سو وہ بھی ترا، صبر طلب ہے بہت
صبر ہمارا شعار دیکھئے کب تک رہے

سب کو یہاں ہے فنا ایک تجھے ہے بقا
یہ ستمِ روزگار دیکھئے کب تک رہے

یوں تو ہے ہر سو عیاں آمدِ فصلِ خزاں
جور و جفا کی بہار دیکھئے کب تک رہے

زور کا پہلے ہی دن نشہ ہرن ہو گیا
زعم کا باقی خمار دیکھئے کب تک رہے

پہلے رہا وہ دلِ مونسِ جاں مدّتوں
وہ مگر اب کی بار دیکھئے کب تک رہے

ہم نے یہ مانا کہ یاس کفر سے کمتر نہیں
پھر بھی ترا انتظار دیکھئے کب تک رہے

حق کی کمک ایک دن آ ہی رہے گی ولے
گرد میں پنہاں سوار دیکھئے کب تک رہے

ماتم شبیر ہے آمد مہدی تلک
قوم ابھی سوگوار دیکھئے کب تک رہے

رونقِ محفل پہ رشک تھا کبھی جنّت کو بھی
یوں ہی یہ اُجڑا دیار دیکھئے کب تک رہے

طاعت و آزادگی یوں تو نہ ضدین تھے
جبر کا یہ اعتبار دیکھئے کب تک رہے

دین پہ دُنیا فدا کرتے رہے مدّتوں
کفر پہ ایماں نثار دیکھئے کب تک رہے

یہ چند اشعار ہیں۔ ممکن ہے کہ بقول آپ کے "میری اُمّت" ان سے کچھ تسکین پائے۔ بہر حال مجھے ضرور کچھ نہ کچھ تسکین ہو جاتی ہے۔ مگر ان کو لٹریچر سے کیا تعلق، یہ حرف اپنی دست افشانی اور پاکوبی کے لئے ہیں اب رخصت ہوتا ہوں۔

آپ کا نیاز مند
محمد علی

انوار احمد صاحب کو اور نیز عباسی صاحب کو سلام شوق دونوں کی طرف سے[1]

۱؎ دونوں صاحب کانفرنس میں اہل کار تھے۔ "دونوں کی طرف سے" یعنی مولانا شوکت علی کی طرف سے بھی۔ وہ نظربندی میں ساتھ تھے۔

(۵)

۱۰ر نومبر ۱۹۱۶ء۔ چھندواڑہ

مکرمی، تسلیم۔ یہ سچ ہے کہ آپ کے ملازم صاحب نے ایک خط آپکا ضرور تلف کر دیا۔ مگر اس کے بعد کے دونوں خط مورخہ ۲۵ ستمبر و ۱۱ر اکتوبر مجھے ملے۔ میری اس خاموشی سے آپ ضرور متردد اور غالباً مجھ سے ناخوش بھی ہوں گے۔ مگر میرے عذرات سن کر ضرور مجھ سے ہمدردی بھی فرمائیں گے۔ آپکا پہلا عنایت نامہ مجھے ۲۸ر ستمبر کو ملا۔ اکتوبر کو مسٹر معظم علی[1] میرے سالے بانکی پور سے مع اپنی بیگم صاحبہ اور دو چھوٹے بھائیوں کے تشریف لائے۔ چوں کہ والدہ رام پور میں تھیں اور میری اہلیہ کو کامل صحت نہ ہونے پائی تھی اس لئے خانہ داری کا تھوڑا بہت کام میرے بھی متعلق تھا۔ یہی کچھ کم نہ تھا کہ تیمارداری بھی کرنا پڑی اور وہ بھی ایک نرس کی طرح۔ میرا منجھلا سالا بانکی پور ہی سے بخار ساتھ لایا۔ یہاں دو روز بعد ڈاکٹر نے ٹائیفائڈ تشخیص کیا اور یہ بھی جتلا دیا کہ اس عمر میں یہ مرض سخت ترین اعراض سے ہوتا ہے۔ اور علاج سوائے نرسنگ کے کچھ نہیں۔ تھوکٹ صاحب تو ہمیشہ کے میرے تیماردار تھے۔ اب کی بار بالکل بے کار ہو گئے۔ ایک ناتجربہ کار ڈاکٹر نے ایک کچی پھوڑیا میں نشتر لگا دیا۔ معدہ خراب پہلے ہی سے تھا (ERITHAMIA) میں مبتلا ہو گئے اور سخت تکلیف رہی۔ دس بارہ دن برابر اسہل ہوئے تب جا کر چلنا پھرنا نصیب ہوا۔ میں اپنی چھوٹی لڑکی کی تیمارداری ٹائیفائڈ میں حال ہی میں کر چکا۔

---

[1] معظم علی خاں مرحوم بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لاء۔ علی برادران کے زمانہ اسیری (۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۳ء) میں مرکزی خلافت کمیٹی کے سکریٹری رہے۔ اس وقت بانکی پور میں بیرسٹری کرتے تھے۔ آخر عمر میں رامپور میں ہائی کورٹ کے جج ہو گئے تھے۔

میری اہلیہ سخت علیل رہیں تو ان کی تیمارداری بھی مجھ ہی کو کرنا پڑی۔ ان امراض بیہم نے مجھے چھند واڑہ کی اچھی خاصی مس فلارنس نائٹ اینگیل[1] بنا دیا تھا۔ یہ تو امر مسلم ہے کہ "ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف" اپنے سالے کی تیمارداری میں ایسا منہمک ہو گیا اور ایسا منہمک ہونا پڑا کہ آپ کو ایک کارڈ بھی اطلاعاً نہ لکھ سکا۔ کہ دونوں عنایت نامے مل گئے۔ میرے متعلقین کو اس کوردہ میں پڑے پڑے ایک سال ہونے کو آیا تھا مگر تنہا چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا۔ دوسرے لے دے کر صرف ڈھائی سو روپے کے وظیفے پر معاش تھی۔ اب جب تک اس SUBSISTANCE ALLOWNCE پر ایک SEPARATION ALLOWNCE کا اضافہ نہ ہوا۔ ان لوگوں کو علیحدہ رکھنے کی نظر بند بجٹ میں گنجائش بھی نہ تھی۔ ایک ہنڈیا مشکل سے چڑھنے پاتی تھی۔ دو ہنڈیوں کا چڑھنا معلوم۔ مگر یہ بھی سوچتا تھا کہ ہم تو پھر بھی شہر میں چل پھر لیتے ہیں، رہتے رہتے بہت لوگوں سے واقفیت ہو گئی ہے۔ دوسرے اپنے اپنے اشغال کا کام کرتے ہیں۔ ان بے چاروں کے لئے تو یہ بھی موجود نہیں۔ سوائے ایک دو گھروں کے کہیں آنا جانا نہیں "ملا کی دوڑ مسجد تک" اگر ہوا خوری کے لئے باہر گئیں بھی تو سول لائنس میں ایک دو جگہ۔ حدود میونسپلٹی سے باہر نکلنے پر نظر بندوں سے پر جلتے تھے۔ پھر گھر میں پیہم بیماریوں کا ہونا اور خصوصاً موتی جھرا کے دو واقعات پے در پے اس لئے گورنمنٹ کو لکھا کہ جس زمانے میں یہ (SUBSISTANCE ALLAWNCE مقرر ہوئی تھی۔ صرف میرا بار اس پر تھا۔ اور میں نے در اصل اصول کا اس پر زور دیا تھا اور بھائی (HAILEY) سے دوستانہ خط و کتابت عرصے تک صرف اصول کے لئے جاری رکھی تھی۔ مگر بہر حال

---

[1] ایک انگریز خاتون۔ میدان جنگ میں تیمارداری کے کام کے لئے ضرب المثل

کے بند ہو جانے کے بعد صرف یہی ایک ذریعہ معاش کا میرے اور میرے متعلقین کے لئے رہ گیا تھا۔ میرے ہی لئے کافی نہ تھا مگر۔ ع ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر کے اصول پر جس طرح بن پڑا۔ اب تک کام چلایا مگر اس الاؤنس کے دو ٹکڑے کرنا اور چھ برس کے دو ملازم نوکر رکھنا برابر ہے۔ سفر خرچ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ سفر خرچ دیا جائے اور الاؤنس میں اضافہ کیا جائے۔ یہ تحریک اب گورنمنٹ ہند کے زیر غور ہے۔ نہ معلوم خزانہ عامرہ کی کیا کیفیت ہے۔ تہی ساغری ہے یا لبریزی۔ بہر حال متعلقین کا زیادہ رکھنا مناسب نہ تھا ان کو یکم نومبر کو براہ بانکی پور رام پور روانہ کر دیا ہے۔ ڈھائی تین ماہ بعد پھر آ جائیں گے۔ والدہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم تنہا رہ گئے تو بے چاری فوراً رخت سفر باندھ چل دیں اور ۵ر کو یہاں آ گئیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اب تک مجھے کس قدر کم فرصت ملی ہوگی۔ ۱۰ر تک تو عزیزی مسعود کو حرارت رہی۔ اس کے بعد جاتی رہی اور بفضلہ تعالیٰ صحت کامل حاصل ہو گئی۔ مگر ۱۲ر تک سخت تردد تھا۔

اس قدر لمبی چوڑی معذرت کے بعد آپ کے عنایت ناموں کا جواب دیتا ہوں۔ بھائی علوی[۱] مجھ سے کچھ خفا ہیں کہ اب تک فلسفۂ اجتماع کی جلد روانہ نہ کی۔ مجھے پہلے بھی خوف تھا اور اب تو آپ کے لکھنے سے اس خیال کو اور تقویت ہو گئی کہ آپ کو اجتماع سے نفرت ہے۔ مگر تعجب ہے کہ صاحبزادہ صاحب کو بھی اس اجتماع سے نفرت ہے۔ اور آپ کو بھی اور پھر دونوں میں نہ نبھ سکی[۲]۔ نہ معلوم نفیات القرآن میں آپ وحدہٗ حدہٗ متو ہی ہیں تھمند اور

[۱] یعنی مولوی ظفر الملک علوی صاحب الناظر لکھنؤ

[۲] اردو کانفرنس سے وابستہ چلا آیا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳، ۴ صفحہ ۲۳۰

وشاوہ ھمدنی الاعلیٰ کی شان میں کہی فرمائیں۔ بہرحال میں فلسفہ اجتماع دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ ظفرالملک صاحب سے کہہ کر جلد روانہ کرائیے۔

PSYCHOLOGY OF LEADESHIP پر تو میں اپنی رائے دے چکا ہوں سرونٹائن چرول[1] ایک خبیث و بدباطن شخص ہے نہ معلوم اسکی تعریف کی آپ نے کس طرح وقعت کی۔ وہ ہمارے لئے غلامی اور اپنے لئے خواجگی ہی کو پسند کرتا ہے۔ ابھی حال میں میرے ایک جند صفت دوست جگندر سنگھ صاحب نے ان کے لکچر میں صدارتی تقریر کی تھی اور فرمایا تھا کہ ۴۰ برس سے انگلش مشرق بلا رہا تھا۔ ان کی مشرق کے حال پر یہ بڑی ہی نوازش ہوئی کہ تشریف لائے" خانہ خانہ خانہ تست" کا مضمون ہے مگر کاش ان کو چار سال ہی سے مغرب بھی پکارتا اور وہ اس کے حال پر بھی کرم فرماتے اور وطن مالوف کی طرف مراجعت فرماتے۔ مگر ان لوگوں کی صرف یہی سزا ہے کہ قانون قدرت انکی خاطر بدل نہیں سکتا۔ جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اسی میں گرتا ہے۔ غلامی کو دوسرے کے لئے پسند کرنا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے اپنی غلامی کا۔ اگر اجتماع ہمارے لئے برا سمجھا جاتا ہے تو کل خود اپنا کہنے والوں کے لئے برا سمجھا جائے گا۔ روما کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ تاریخ اسلام خود اسی کی شاہد ہے۔ جس طرح آپ مجھے لکھ رہے۔ اس سے تو نفسیات القرآن

---

[1] برطانوی صحافت کا ایک نامور رکن، لندن ٹائمس کے شعبہ خارجہ کا مدیر اعلیٰ۔ بنہ بنگال دشمنی کا بیاح (CHIROL) اس زمانے میں ہندوستان آیا ہوا تھا۔ میری کتاب لیڈرشپ کی ایک خط میں بہت داد دی تھی۔ ایسوں کی داد گو میں اس وقت موجب کمال سمجھتا تھا۔

[2] یعنی کاش اپنے ہی ہاں کی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کو روک سکتے۔

کے متعلق بھی میرا خوف روبہ ترقی ہے۔ "ناطرفدارانہ طرزِ ادا" مخالفین کے رام کرنے کے لئے شوق سے استعمال کیجئے۔ لیکن اگر آپ کا قلب "ناطرفدار" ہے اور وہ حصہ جسم بھی جس میں ایمان جاگزیں ہوتا ہے۔ محض ایک سادہ لوح ہے جس پر آپ کی PSYCHOLOGY کی بدولت کچھ نقوش منقش ہوں گے تو ایک مسلم اور مومن سے آپ کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ آپ کو مسلم اور مومن بھی سمجھے۔ جب ایک بار قلب نے اعتراف و اقبال کر لیا کہ "اتنا وصدفتا" تو پھر یہی عادت آنا چاہیئے کہ "مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیئے" گرد وئے سخن خدا و رسول کی طرف ہونا چاہیئے۔ نہ کہ ہر کبر در انہ و رنیش دراز کی طرف۔ میں اجتہاد پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کو بہت ضروری بلکہ لابدی سمجھتا ہوں۔ کورانہ تقلید میرا ہرگز مذہب نہیں۔ اگر آپ اس طرح لکھیں کہ اپنا ایمان مقدمہ کتاب میں واضح ہو جائے اور محض اس PROCESS کی تشریح اصل کتاب میں جس سے خود آپ کے قلب کی لوح سادہ پر بتدریج ایمان اور عقیدہ منقش ہو گیا۔ تاکہ ناطرفدار تو ناطرفدار خود مخالفین کے دلوں پر کے کفر و شرک کے نقوش دھندلے پڑتے جائیں اور بتدریج مٹ جائیں اور پھر ورق سادہ پر آپ کی کتاب کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جلی حروف میں لکھ دے تو واقعی میں آپ کی نفسیات کی قدر کروں گا۔ برادرم ایمان ہر شے پر مقدم ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ مسلمانوں نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ اول بنایا تو در اصل اس امر کا اعتراف کیا کہ ایمانِ ابوبکرؓ عدلِ عمرؓ۔ غنا و حیا عثمانؓ اور فقر و شجاعت علیؓ سے بھی زیادہ قابل قدر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آفتاب محمدیؐ بہ تقاضائے بشری ۲۳ سال کی نبوت کے بعد غروب ہو گیا اور سارے عالم پر اندھیرا چھا گیا تو جو لوگ

اپنے ہر امر میں اس کی شمع ہدایت کی روشنی کے عادی ہو گئے تھے۔ خدا کی دی ہوئی آنکھیں بھی گویا کھو بیٹھے اور بعض مولفۃ القلوب کے ارتداد اور زندیق ہو جانے سے ان کے ایمان بھی تھوڑی دیر کے لئے معرض خطر میں آ گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو سوائے اس کے کچھ نہ سوجھا کہ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور چلانے لگے کہ اگر کسی نے کہا کہ محمدؐ (روحی فداہ) قضا کر گئے تو اس کی قضا اسی وقت اس تلوار کے ذریعے اس تک پہنچ جائے گی۔

ایسے وقت میں وہ آمنا و صدقنا کہنے والا آیا اور اس نے ایک بدیہی امر ان سراسیمہ اور پریشان لوگوں کو جتلایا۔ آفتاب محمدی غروب ہو گیا تھا مگر خدا کا شمار آفلین میں نہ تھا آفتاب اسلام اسی طرح درخشاں تھا بھائی یہ سب ایمان کے کرشمے تھے یہ فطرت صدیقی تھی اگرچہ کچھ کمی تھی تو اس امین اعظمؐ کے ایمان نے پوری کر دی تھی جبکہ غار ثور میں ابوبکرؓ کو بتایا گیا تھا کہ وہاں سینکڑوں دشمنوں سے خائف اور ہمارے ڈر کے غار میں چھپے ہوئے صرف بندگان خدا ہی نہ تھے بلکہ ایک تیسرا اور بھی وہاں موجود تھا۔ جو ان دونوں کا نگراں اور نگہبان تھا۔ ان اللہ معنا کی تعلیم کے بعد ایمان ابوبکرؓ پختہ ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امینؐ کی خلافت صدیقؓ کو ملی۔

اگر آپ فلسفہ اور استدلال سے مدد لیتے ہیں تو لیجئے مگر صرف اسی طرح اطمینان قلب کے لئے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے مُردہ زندہ کرنے کے لئے اطمینانِ قلب چاہا تھا۔ مخالف کے لئے دلیل اور ثبوت کے ہتھیار تیار کیجئے۔ استدلال و تحقیقات کی توپیں اپنے دماغ کے کارخانہ اسلحہ سازی میں ڈھالئے۔ یہ تو ایک مومن کے لئے ضروری ہیں تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جاری رہے جس کے لئے ہم کو خیر امت کا لقب عطا ہوا۔ مگر

کیا یومنون باللہ قرآن سے خارج کر دیا گیا ہے۔ مجھے اگر اعتراض ہے تو صرف اس پر کہ کہیں خود قلب و دماغ ناظر فدارانہ ثابت ہوں۔ اسلوب بیان تمام تر نفسیات ارسطو اور نفسیات کانٹ کا کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب کہ آپ ارسطو اور کانٹ دونوں کو مرکب من الخطا مانتے ہیں اور ان کی تقلید ہر امر میں فرض نہیں جانتے۔ مگر قرآن حرف بہ حرف فرمودۂ خدا ہے اور خدا خاطی نہیں ہو سکتا۔ آپ شوق سے اسے فرمودۂ خدا ثابت کیجیے۔ مگر خود آپ کے قلب کو مستغنی عن الحجۃ ہونا چاہیئے۔ بھائی جتنی شاعری چاہو۔ باہر کی عورت پر صرف کرو اور اسے لبھاؤ اور رام کرو۔ مگر گھر کی بیوی تمہاری ہی ہے نہ دوسرے پر نظر ڈال سکتی ہے۔ نہ اس کو تمہاری گریہ وزاری اور التماس و گذارش کی ضرورت ہے۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ بقول میرے ؎

نہ تبسم کی ضرورت، نہ نگہ کی حاجت ۔۔۔ نہیں جز دل کے توسل کوئی دل آنے میں

غزالی کا فلسفہ مجھ سے زیادہ آپ نے پڑھا ہوگا۔ ان کی احیاء العلوم کا اگر ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہو گیا ہوتا تو ڈیکارٹ کو دنیا چور سمجھتی۔ مگر ان کی خود تصنیف کردہ سیرت بلکہ سوانح قلبی و دماغی کو ملاحظہ فرمایئے۔ آخر میں اسکا اعتراف ہے کہ اصل وہی شاہدہ ہے جو حیاتِ طاہرہ سے مستغنی اور استدلال و حجت سے بے نیاز ہے۔

خدا نے ہم پر بڑا رحم فرمایا کہ مسلمان کے گھر پیدا کیا (HEIDITRY[۲] کا رجحان اسلام و توحید کی طرف، تربیت اسلام اور توحید کے دائرے ہیں۔ اگر

---

[۱] میں نے اپنی ملحدانہ شوخ چشمی کے ماتحت لکھ دیا تھا کہ نفسیات القرآن بالکل اسی آہنگ پر لکھی جائے گی۔ جس پر نفسیات ارسطو یا نفسیات کانٹ لکھی جاتی

[۲] یعنی وراثت۔

اس پر ہمارے فلسفے نے ہماری امداد کی ہے تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اسلام اور ایمان کو اور بھی تقویت ہو گئی اور عقل و نقل دونوں کی زد سے باہر ہو گئے۔ اب نہ ارسطو کا جادو چل سکتا ہے نہ کانٹ کا۔ اگر صرف استدلال ہی پر بھروسہ ہے اور خود اپنی عقل پر اس قدر زعم ہے کہ جو اس میں نہ سمائے وہ خدا نہیں اور جو اس میں نہ آئے وہ ایمان نہیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ "پائے استدلالیاں چوبیں بود" اور بات جو اس کے جو پیرے اور شاید آپ کے بھی استاد (شبلی) آخر عمر میں اسی ہیئت سے چلتے تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ "پائے چوبیں سخت بے تمکین بود" خواہ کسی طرح تفسیر کیجیے۔ مگر قرآن خود صاف صاف کہہ چکا ہے کہ علم انسانی بہت ہی کم ہے۔ میں اس کا ضرور قائل ہوں کہ خواہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو وہ خدا کی دین ہے اور ایمان کے بعد اس کی بہترین دین بلکہ اسکے بغیر ایمان کمزور و ضعیف رہتا ہے۔ اس لئے اس کا پورا پورا استعمال کرنا چاہیئے اور ایمان کے لئے علم کا بنتہ ایمان کو مستحکم کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لئے اسکے ذریعہ سے ایمان کا استحکام کرنا چاہیئے۔ مگر زعم علم سے پرہیز ضروری ہے۔ خدا کی رحمت ہو اقبال پر خوب تعلیم مولانا روم کا اتمام کر رہا ہے۔

پر زن و از جذب خاک آزاد باش | ہمچو طائر ایمن از افتاد باش
تو اگر طائر نہ اے ہوش مند | بر سر غار آشیاں خود مبند
اے کہ باشی در پے کسب علوم | با تو مے گویم پیام پیر روم"
"علم را بر تن زنی مارے بود | علم را بر دل زنی یارے بود"
آگہی از قصہ اخوند روم | آں کہ داد اندر حلب درس علوم
پائے در زنجیر توجیہات عقل | کشتیش طوفانی ظلمات عقل
موسی بیگانہ سینائے عشق | بے خبر از عشق و از سودائے عشق

از شکک گفت و از اشراق گفت / وز حکم صد گوہر تابندہ سفت

عقدہ ہائے قول مشائین کشود / نور فکرش ہر خفی را وانمود

گرد و پیشش بود انبار کتب / بر لب او شرح اسرار کتب

پیر تبریزی ز ارشاد کمال[1] / جست راہ مکتب ملا جلال

گفت این غوغا و قیل و قال چیست / این قیاس و وہم و استدلال چیست

پائے خویش از مکتبم بیرون گذار / قیل و قال است این ترا با وے چہ کار

قال ما از فہم تو بالاتر است / شیشۂ ادراک را روشنگر است

حرف ملا شمس را حدت فزود / آتشے را جان تبریزی کشود

بر زمین برق نگاہ او فتاد / خاک از سوز دم او شعلہ زاد

التہاب دل غش ادراک سوخت / دفتر آن فلسفی را پاک سوخت

مولوی بیگانہ از اعجاز عشق / ناشناس نغمہ ہائے ساز عشق

گفت این آتش چسان افروختی / دفتر ارباب حکمت سوختی

گفت شیخ اے مسلم زنار دار / ذوق و حال است این ترا با وے چہ کار

حال ما از فکر تو بالاتر است / شعلۂ ما کیمیائے احمر است

ساختی از برگ حکمت ساز و برگ / از سحاب فکر تو بارد تگرگ

آتشے افروز از خاشاک خویش / شعلۂ تعمیر کن از خاک خویش

علم مسلم کامل از سوز دل است / معنی اسلام ترک آفل است

چون ز بند آفل ابراہیم رست / در میان شعلہ ہا نیکو نشست

علم حق را در قفا انداختی / بہر نانے نقد دین در باختی

گرم رو در جستجوئے سرمۂ / واقف از چشم سیاہ خود نۂ

---

[1] شیخ کمال الدین خجندی رحمۃ اللہ علیہ

آبِ حیواں از دمِ خنجر طلب   از دہانِ اژدہا کوثر طلب
سنگِ اسود از درِ بتخانہ خواہ   نافۂ مشک از سگِ دیوانہ خواہ
سوزِ عشق از دانشِ حاضر مجو   کیفِ حق از جامِ ایں کافر مجو
مدتے محوِ تگ و دو بودہ ام   رازدانِ دانشِ نو بودہ ام
باغباناں امتحانم کردہ اند   محرمِ ایں گلستانم کردہ اند
گلستانے لالہ زارِ عبرتے   چوں گُلِ کاغذ سرابِ نکہتے
تا ز بندِ ایں گلستاں رستہ ام   آشیاں بر شاخِ طوبیٰ بستہ ام
دانشِ حاضر حجابِ اکبر است   بت پرست و بت فروش و بت گر است
پا بہ زندانِ مظاہر بستۂ   از حدودِ حس بروں ناجستۂ
در صراطِ زندگی از پا فتاد   بر گلوئے خویشتن خنجر نہاد
آتشے دارد مثالِ لالہ سرد   شعلہ ہائے او مثالِ ژالہ سرد
فطرتش از سوزِ عشق آزاد ماند   در جہانِ جستجو ناشاد ماند
عشق افلاطون علت ہائے عقل   بہ شود از نشترش سودائے عقل
جملہ عالم ساجد و مسجودِ عشق   سومنات عقل را محمودِ عشق

ایں مئے دیرینہ در میناش نیست
شورِ "یارب" قسمتِ شبہاش نیست

لکھنے بیٹھا تھا خط۔ مگر لکھ گیا اقبال کی مثنوی شریف۔ مگر چونکہ بہ حیثیت ادب کے اس کا پایہ میری نثر سے اتنا ہی اونچا ہے۔ جتنا کہ زمین سے آسمان کا۔ اور آپ باوجود فلسفی ہونے کے ادب کو استدلال سے مرجح سمجھتے ہیں۔ اس لئے اسرار خودی کا یہ حصہ نقل کر دیا گیا۔ امید کہ تشفی ہوگی۔

رہا ظریف مرحوم کا معاملہ[1] تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مجھے مرحوم سے بیحد محبت تھی۔ اور میں ان کی قابلیت اور اس سے زیادہ ان کی محبت کا قدر دان تھا مگر ان کی فلسفیانہ گفتگو کو میں ہمیشہ ہذیان سرائی سمجھا اور وہ مجھے اس کا قدر دان نہ پاکر محض اپنی ادبیت ظرافت اور محبت سے محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مصرع غالب کا مجھے لکھا۔

"دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز"

مطلب یہ تھا کہ دعا وغیرہ سب کچھ لغو ہے۔ جس کے پاس توپ گولہ نہیں وہ ضرور ہارے گا۔ نہ دنیا کا کوئی خدا ہے نہ اس کا کوئی بندہ نہ وہ بندہ نواز بندگی بے کار ہے۔ ان کی عقلیات عرفت یہیں تک راستہ روشن کرتی تھی۔ مگر ۲۱ رجون ۱۹۱۳ء کو ایڈریانوپل پھر غازی انور پاشا ادام اللہ فیضہ کے قبضہ میں آگیا اور دائرہ حکومت اسلام میں ازسرنو داخل ہوا اور شبلی مرحوم کا شعر جو انصاری صاحب کے مشن کی واپسی والی نظم میں تھا صادق آیا ؎

عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

اس کو عقلیات کہئے یا نقلیات۔ بہر حال شبلی مرحوم کا شعر ظریف مرحوم کی "ظرافت" سے صحیح تر اسی وقت ثابت ہو چکا تھا۔ بحمد اللہ اب

---

[1] ظریف محمد ایم اے (علیگ) ان کی کتاب اسلام اور عقلیت "دہریت و الحاد سے لبریز تھی۔ بڑے تزی و تندرست تھے۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا۔ میں نے محمد علی سے پوچھا تھا کہ اس دینی جوش اور مذہبی تقشف کے ساتھ آپ سے اور ظریف سے دوستی کیوں کر تھی؟ سنا ہے کہ ظریف غالباً ۱۹۱۵ء میں موت سے پہلے تائب اور ازسر نو مسلمان ہو چکے تھے۔

خونِ شہیداں رنگ لایا ہے والے قطعہ نے صحیح ترین ثابت کر دیا۔ میں مرحوم سے
اوائل ۱۹۱۴ء میں کلکتہ میں ملا۔ ہم دونوں تفریح کے لئے چند نگر گئے تھے
اور شبِ ماہ میں دریائے ہگلی کی سیر ساتھ ساتھ کی تھی۔ "چھلی" تو سیت کا دریا"
پھر موجزن تھا وہ تو یہی کہتے تھے۔ اسلام اور ایمان نہیں ہے مگر ایمان
چھپائے سے نہیں چھپتا۔ قرآن کریم کے بے مثل ادب کے قائل تھے
ھوالذی لا الٰہ الاھو عالم الغیب والشھادۃ ھوالرحمٰن الرحیم
ھوالذی لا الٰہ الاھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز
الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون۔ ھواللہ الخالق الباری المصور لہ
الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز
الحکیم کے ادب پر وجد کرتے تھے۔ اس کے چند ماہ بعد میں رام پور آ گیا اور
نظر بند ہوا۔ وہاں نصیر حسین خاں خیال[1] کا خط آیا کہ مرحوم تفریحاً ایام رخصت میں
دزیگا پٹم گئے تھے۔ وہاں سے تار آیا ہے کہ ان کا یکایک انتقال ہو گیا۔ انکے
پسماندگان کو اطلاع دے دو کہ مال اسباب لے جائیں انا للہ و انا الیہ
راجعون۔ مرحوم پر آج تک ہم سے کہیں زیادہ اسرار ہستی آشکارا ہو گئے
ہوں گے۔ امید کہ خاتمہ اسلام اور ایمان پر نہ کہ تخیلات پر ہوا ہو۔ دل سے مرحوم
کے لئے وہ دعا نکلتی ہے۔ جس کے قبول ہونے کا انھیں بھی اقبال نہ تھا۔ آپ
کو تو بفضلہ تعالیٰ خدا اور رسول کا انکار نہیں ہے۔ برائے خدا و رسول اپنی
عقل و تمیز علم و تحقیقات کو اسلام اور صرف اسلام کے لئے وقف کر دیجئے۔
اور اس دانش حاضر کے حجاب اکبر میں مستور و محجوب نہ رہیئے۔

---

[1] یہ بھی مرحوم ہو چکے۔ پٹنہ کے ایک بڑے زندہ دل ادب نواز شیعہ رئیس تھے۔ انھیں کی روایت ہے کہ ظریف آخر عمر میں تائب ہو گئے تھے۔ خدا کرے صحیح ہو۔

آپ نے مارگولیتھ کا ذکر فرمایا ہے۔ میں وہ بدنصیب ہوں کہ اس مردود خبیث ولعین سے آکسفورڈ میں عربی پڑھی ہے۔ عربی اس کی مادری زبان ہو قابلیت علمی لیے نسک بہت رکھتا ہے۔ مگر دشمن اسلام اور سب سے زیادہ زہر آلود کتاب سیرۃ نبوی پر اس لئیم کی تصنیف کردہ ہے۔ مجھے خوف ہے کہ ہمارے لٹریری نوجوان اس کے پھندے میں آکر نبی امی (روحی فداک) یارسول اللہ) کو عرب کا بطل اعظم نہ سمجھنے لگیں اور رحمۃ للعالمین کے خدائی لعتب سے محروم نہ کردیں۔ سر ولیم میور کی سیرۃ میں سید احمد خاں مرحوم نے یہی سب سے بڑا عیب اور پوشیدہ مطلب ڈھونڈ نکالا تھا اور خطبات احمدیہ اسی غرض سے لکھ کر بہ صرف کثیر انگریزی میں ترجمہ کر کے طبع کرائی تھی۔

ہمدم سے میں ہرگز خوش نہیں نہ اس سے زیادہ کی اس سے توقع تھی اس جنگ کے خاتمہ پر ایک جنگ اور چھڑے گی اور بھائی جالب سے میری ہوگی۔ (ابنائے مخاصمت) (وہ دو چشمی "ھ" ہوگی جو ان کے ہمدم کے پیچھے لگی ہے۔ خدا کی مار ہو "ہمدرد" کو اگر اسی نے "ہمدم" کے قالب میں جنم لیا ہے اور خدا سمجھے میر اکبر حسین معروف بہ "لسان العصر" سے جنھوں نے "ہبلہ" کی سرخی واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً کو "ہمدم" کے لئے یوں بدلا ہے۔ میری غزلوں کی تعریف وہ فرمائیں یا آپ یا آپ کے احباب۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ادب میں داخل نہیں ہیں۔ محض میرے درد کی آوازیں ہیں۔ "دیکھئے کب تک رہے" والی زمین شگفتہ کیوں کر ہوسکتی ہے۔ گو چشم انتظار دراز ہونے سے شگفتہ چیزوں میں شمار ہو سکے۔ تو اور

مارگولیتھ کے مقابلہ میں میور ہزار درجہ غنیمت ہے۔ مارگولیتھ کی زہر افشانی کی کوئی حد نہیں۔

بات ہے۔ حال میں چند اشعار لکھے ہیں اور لکھ کر غزلیں پوری کروں گا۔ غالب کا ایک شعر مانع اظہار حسرت ہو رہا ہے اور ورد زبان ہے اس کی ردیف کو محدود کر کے غزل لکھ رہا ہوں۔ وہ شعر یہ ہے

چاک مت کر جیب بے ایام گل کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیئے

اس پر چند اشعار لکھے ہیں:۔

صبر پہلی شرط غم خواری کی ہے ضبط کا یارا دل میں یارا چاہیئے
تھک کے کہتا ہوں جنوں کیا حجاب خاک اڑانا آشکارا چاہیئے
دشمنوں سے گر "تلطف" ہے تو کچھ دوستوں سے بھی مدارا چاہیئے

(حافظ تو تلطف کی صلاح دیتے تھے۔ مگر آجکل ایں ہم غنیمت است)

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے اک فقط تیرا سہارا چاہیئے

نہ معلوم کیوں ان ایام حج بیت اللہ میں بار بار یہ شعر زبان پر آتا ہے۔

تم تو کعبہ کے خدا تھے پھر نکالے کیوں گئے
اے بتو! کیسے خدائی ہوتے ہوتے رہ گئی

اس پر صرف ایک شعر خود بھی لکھ دیا ہے۔ بلکہ یوں کہیئے کہ بے اختیار زبان پر آ گیا۔

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

دیکھیئے۔ یہ دونوں غزلیں کب پوری ہوں۔ اب رخصت ہوتا ہوں امید ہے کہ میری مذہبی "لفاظی" بار خاطر نہ ثابت ہو گی۔

خوب یاد آیا۔ المعارف میرے پاس نہیں آتا۔ شکر خدا کہ بھائی ظفر الملک نے الناظر تو بھیجنا شروع کر دیا۔ ہاشمی جوہر دحسرت کی

لے میں کچھ لکھ گئے۔ مگر سنا ہے کہ جوہر پر پہلے بھی کچھ لکھا تھا۔ لکھنے کا خواہش مند ہوں میں تو پہلے سے اس کا قائل ہوں کہ

تم ہو نذرِ عشق نہ لکھیں وہ مرثیہ
یہ بات ہے مروّتِ اہلِ سخن سے دُور

آپ کا خیر طلب محمد علی

(۶)

قومی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ
۱۴ر جنوری سنہ ۲۱ء

برادرم! السلام علیکم۔ اپنی عدیم الفرصتی کا اب کیا دکھڑا روؤں۔ آپ خود اندازہ فرما سکتے ہیں۔ اسی باعث مفصل خط لکھنے سے معذور ہوں اور مجملاً لکھنے کا غالباً یہ نتیجہ ہوگا کہ آپ میرے مفہوم کو نہ سمجھ سکیں گے۔ بہر حال یا قسمت یا نصیب کہ لکھتا ہوں۔

جی چاہتا تھا کہ آپ کو یہاں دیکھوں مگر علم سے زیادہ مذہب عزیز ہے لے اور ایک مسلمان کے مذہب کے متعلق اگر قومی مسلم یونیورسٹی میں بھی شک و شبہ کیا جائے گا۔ تو ہم یہ کہہ کر پیچھا نہیں چھڑا سکتے کہ ہر شخص کا مذہب اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ جس سے اس دار العلوم کو کوئی تعلق نہیں۔ اب تک عمداً میں نے فلسفے سینئر پروفیسر کی جگہ کے متعلق کوئی سفارش نہیں کی ہے۔ چونکہ اُردو میں تعلیم دلانا منظور ہے۔ اس لئے اردو بھی آپ کی ضرورت ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ایک دو

(حاشیہ صفحہ ۲۳۳) یعنی سید ہاشمی فرید آبادی

لے میں بحمد اللہ اس وقت تک پختہ مسلمان ہو چکا تھا۔ لیکن محمد علی کو ابھی اس کی خبر نہ تھی وہ مجھے اب بھی نیم ملحد یا متشکک سمجھ رہے تھے۔

دن کے لئے میرے مہمان بن کر یہاں کی دال روٹی کھائیے اور تمام معاملات کا تصفیہ کیجئے۔ اگر ہم دونوں ایک ہی بات پر راضی ہو گئے تو یقین ہے کہ دارالعلوم کو آپ سے بیش قیمت مدد مل سکے گی۔ ممکن ہے کہ آپ شروع ہی سے یہاں آنے سے انکار کرتے ہوں اور مذہب کے متعلق میرے اس قدم اٹھانے کو بھی خواہ مخواہ کا دخل در معقولات تصور کریں۔ لیکن مجھے تو PROPAGANDA کرنا ہے۔ اس لئے تبلیغ ہی کا موقع دیجئے اور آجائیے۔ بہرحال آپ سے نصاب و نظام تعلیمات کے متعلق مشورہ کرنا ہے۔ اسی کے لئے آجائیے۔
اب رخصت ہوتا ہوں۔ والسلام آپ کا قدیم نیاز مند محمد علی

(۷)

ایک ہفتہ کے لئے علی گڈھ فوراً آجائیے۔ خطبۂ صدارت کے اردو ترجمہ میں آپ کی ضرورت ہے[۱]۔ محمد علی
۵؍ دسمبر ۱۹۲۳ء علی گڈھ

(۸)

کلام جوہر کا بھی جدید ایڈیشن زیر طبع ہے۔ اس کا مقدمہ ضروری ہے مہربانی کر کے فوراً آئیے۔ کوئی حیلہ مسموع نہ ہوگا۔ میر محفوظ علی آگئے ہیں[۲] وہ بھی آپکو بلا رہے ہیں۔ محمد علی ۱۱؍ دسمبر ۲۳ء علیگڈھ

---

[۱] محمد علی اب قید سے چھوٹ کر اپنی محبوب جامعہ ملیہ علی گڈھ آئے تھے اور کانگریس کے سالانہ اجلاس کے صدر بھی منتخب ہو چکے تھے لیکن عین اس وقت ان کی محبوب لڑکی آمنہ بی دق کے آخری درجوں میں مبتلا تھیں۔ خطبہ صدارت سے اسی کانگریس کا انگریزی ایڈریس مراد ہے

[۲] میر محفوظ علی بی اے بدایونی مرحوم۔ مولانا کے بڑے مخلصین میں سے تھے اور اردو کے ادیب و انشا پرداز

(۹)

۱۴ اپریل ۲۴ء۔ دہلی۔

وَلَا غَالِبَ اِلَّا اللّٰہ

برادرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تعزیت نامہ ۸ شعبان کا اسی زمانے میں ملا تھا۔ یا یوں کہیئے کہ جب ایک ہفتہ بعد کلکتہ کی خلافت کانفرنس سے واپس ہوا تھا۔ آج ۸ رمضان کو شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تاخیر کا سبب کیا لکھوں۔ قومی مصیبتوں نے ذاتی مصائب کو اسی طرح نگل لیا۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے عصا نے ساحروں کے سانپوں کو نگل لیا تھا۔ بقول غالب

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

۱۱ مارچ کو آمنہ رخصت ہو گئیں۔ ۱۵ ہی کو مسلم لیگ کے تصفیہ نے کھینچ بلایا۔ ۱۶ کو ڈاکٹر شوکت صاحب کو اور والدہ کو بھوپال سے لے کر آئے۔[1] والدہ تو آمنہ کی رخصتی کے وقت بے ہوش تھیں۔ شوکت صاحب کو حرارت تھی اور اسی شب سے صاحب فراش ہوئے تو آج تک صاحب فراش ہیں۔ مسلم لیگ کے احیا کا بیڑا اٹھانے والے حضرات کی ہمدردی کی یہ حالت تھی کہ میں نے چاہا کہ اس کی کونسل کا جلسہ جو دو بجے قبل کورم پورا نہ ہونے کے باعث نہ ہو سکا تھا۔ سہ پہر کو منعقد کر دیا جائے نہ کہ دوپہر کو جبکہ حکیم صاحب۔ ڈاکٹر صاحب[2] اور ہم لوگ

[1] مولانا کی والدہ ماجدہ عرصہ تک زندہ رہیں۔ آخر ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا۔ بی اماں کے نام سے ملک بھر میں مشہور تھیں۔ عابدہ، زاہدہ، حاجیہ، تہجد گذار بوڑھی تھیں۔

[2] یعنی حکیم اجمل خاں صاحب اور ڈاکٹر انصاری صاحب۔ مولانا کے اس وقت کے خاص رفیق کار

ان کو لینے اسٹیشن جا رہے تھے اور ڈاکٹر عبدالرحمان ان کو ہمراہ لا رہے تھے۔ مگر یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ مجبور ہوکر سب نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ شوکت صاحب کو ڈاکٹر عبدالرحمٰن پر چھوڑا جائے اور احیائے مسلم لیگ کا مسئلہ حل کیا جائے ڈاکٹر انصاری صاحب کے ہاں سے ٹیلیفون پر اطلاع ملی کہ شوکت صاحب کی حرارت نارمل ہے۔ ہم سب خوش ہوگئے اور میں نے ٹیلیفون کردیا کہ اب انکے حسب فرمائش میں کلکتے خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے چلا جاؤں گا اور اپنے سکریٹری کو علی گڑھ بھیج دیا کہ میرا سامان لے کر ڈاک گاڑی میں مجھے مل جائیں لیکن بھوکا پیاسا چار بجے انصاری صاحب کے ہاں رائے سینا سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حرارت حسب معمول (AS USUAL) تھی نہ کہ نارمل یعنی ۱۰۳- اب میں نے جانے سے انکار کیا مگر شوکت صاحب نے پھر بھی مجبور کیا اور بالآخر کلکتہ گیا۔ وہاں کے لوگوں کے خیالات کی یکسوئی کی۔ خلافت کمیٹی غریب مفلس ہو رہی تھی۔ ساڑھے نو ہزار روپیہ بڑی مشکل سے وصول کیا اگر ایک دن اور رہ جاتا تو شاید تین چار ہزار اور مل جاتے مگر مرض کے عود کر آنے کا شبہ صحیح نکلا اور ایک ہفتہ دہلی رہنا پڑا۔ طبیعت تو پھر درست ہونے لگی تھی۔ مگر پاسپورٹ نہ ملنے کے باعث تین چار دن خلافت کا کام کرنا پڑا۔ اس طرح ۱۵ مارچ کو نکلا نکلا کہیں ابتدائے اپریل میں "پھر گھر" یعنی علی گڑھ پہنچا۔ عزیز آمنہ مرحومہ کی قبر تیار کرائی۔ (یعنی اس قدر پختہ کہ ڈھل نہ جائے) رخت سفر باندھا اور اس نیت سے ریل میں سوار ہونے کو ۵ر اپریل کو آیا کہ ۶ر کی شام کو بمبئی کی طرف چل دوں گا۔ بال بچے ساتھ تھے۔ اگر شوکت صاحب علیل نہ ہوگئے ہوتے تو برما جاتے میں بھی ہمراہ جاتا اور اپنی اہلیہ کو بھی بمشکل تمام راضی کرلیا کہ ہمارے ساتھ چلی چلیں۔ کام میں ان سے مدد ملتی۔ کیونکہ وہ مستورات میں خوب کامیابی سے کام کرتی ہیں

لیکن یہ بھی غرض تھی کہ ان کا غم غلط ہوگا۔ دس مہینے وہ اور غریب محمود اللہ ہمارا زاہد مرحومہ کی تیمارداری کرتے کرتے اب اس درجہ کو پہنچ گئے تھے۔ کہ ان دونوں کا دھیان اس کی طرف سے ہٹانے کی سخت ضرورت تھی۔ خود غرضی بھی اس میں ضرور شامل تھی۔ میں بھی چاہتا تھا کہ مع اہل و عیال کے پہلے خود بمبئی چلا جاؤں۔ راستے میں مہاتما جی سے دو تین دن مسلسل تمام امور حاضرہ پر گفتگو کر دوں۔ جب شوکت صاحب کو افاقہ ہو جائے اور وہ اتنا لمبا سفر کرنے کے قابل ہوں تو ڈاکٹر انصاری صاحب اور زاہد انھیں ساتھ لے آئیں علی گڈھ سے چلنے میں دو روز کی دیر جامعہ کے کاموں کے باعث ہوگئی تھی۔ اس لئے دہلی سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ اسٹیشن پر معظم صاحب نے (I. D. T.) خرید کر کھولا تو تار دیکھا کہ پھر شوکت صاحب کو (RELAPSE) ہوا ہے۔ یہاں آکر بھی ارادہ یہی تھا کہ اسٹیشن پر سامان چھوڑ دوں اور دوسرے ہی دن روانہ بمبئی ہو جاؤں مگر انصاری صاحب کے مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ انکا (RELAPSE) سخت تر ہے۔ بخار ۱۰۲ سے بڑھ گیا تھا۔ چار و ناچار رہنا پڑا۔ ۱۰ ارتک تو حالت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ حرارت ۱۰۴ سے متجاوز تھی۔ ہزاروں خیالات بڑے سے بُرے دل میں آتے تھے۔ مگر میرے پروردگار نے رحم فرمایا۔ دوسرے ہی دن سے بخار کم ہونا شروع ہو گیا اور آج صبح تو حرارت نارمل تھی۔ مہاتما جی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر میری مجبوریوں کے باعث مجھے معذور سمجھتے ہیں تاہم شوکت صاحب کا تقاضا ہے کہ جاؤ جلد جاؤ۔ ابھی جاؤ۔ چنانچہ کل شب کو روانگی کی نیت ہے۔

یہ میری پریشانیوں کی کتھا ہے مگر "ولنبلونکم" نے پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا۔ سوائے صبر و شکر کے کیا چارہ ہے مگر چار و ناچار نہیں طوعاً صبر و شکر

کرتا ہوں انما اموالکم واولادکم فتنۃ بالکل صحیح ہے۔ مال تھا ہی نہیں اولاد تھی۔ کبھی کوئی لڑکا نہیں ہوا۔ مگر ان لڑکیوں نے زندگی کو اتنا ہی پرلطف کر دیا تھا کہ مشکل ہی سے لڑکے کی خواہش کبھی دل میں آتی تھی۔ اور اب تو خدا کا شکر ادا کیا کرتا تھا کہ کو لڑکا نہ دیا۔ مگر جتنی اولادیں ہوئیں سب کو زندہ رکھا۔ بڑا کرم کیا۔ اس موت سے صبر نہیں تو شکر میں کمی ہو جانے کا بہت اندیشہ تھا۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ مرحومہ میں کچھ تو میری شکل کی شباہت تھی اور زیادہ تر میری خصلت کی۔ یہاں تک کہ میری برائیاں بھی اس میں موجود تھیں اور اسی لئے وہ اور بھی عزیز تر تھی۔ خداوند کریم نے چنا بھی تو اسی کو مگر اس کے مرتے وقت سب رو رہے تھے۔ اور میں سب کو سمجھاتا تھا البتہ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غم صرف اس دن کے لئے نہ تھا۔ بلکہ ساری عمر کا شریک ہو گیا ہے۔ کوئی چیز زندگی کو کھوکھلا کر گئی ہے۔ دعا کیجئے۔ کہ خداوند کریم رحم کرے۔ والدہ کی علالت سخت نہ تھی جو اگر سخت نہ بھی ہو۔ تب بھی اس عمر اور اس ضعیفی میں خطرناک ہوتی ہے۔ پریشان کر دیا تھا۔ شوکت صاحب کی خطرناک علالت نے اور پھر (RELAPSE) نے اور خاص کر اس پچھلے نہایت خطرناک (RELAPSE) نے رہے سہے حواس گم کر دیئے تھے۔ لیکن خلافت کے اس تصفیے نے دل کی وہ حالت کر دی ہے۔ کہ اگر خداوند کریم کا فضل شامل حال نہ ہوا تو نہ معلوم میری کیا کیفیت ہو جائے۔ نہیں کہہ سکتا کہ جا کر کیا کروں گا مگر پاسپورٹ نہ ملنے سے اپنی بے کسی اور

لہ ترکی سے ابھی اطلاع آئی تھی کہ جس خلافت کے پیچھے محمد علی اور اس کے رفقا جان دے رہے تھے۔ مصطفےٰ کمال کی حکومت نے سرے ہی سے اس ادارۂ خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ محمد علی پر معلوم ہوتا تھا کہ بجلی گر پڑی۔

یہ بیبی اور بھی پریشان کرتی ہے اور اس قید سے دیکھئے کب خلاصی ملتی ہے۔

قید ہے قید غلامی دو برس کی قید کیا
دیکھو کب ہو خاتمہ اس قید بے میعاد کا

اب رخصت ہوتا ہوں۔ مدتوں کے بعد آج خط لکھنے بیٹھا ہوں مگر آپ کو دو حرفی خط لکھا نہیں جاتا۔ ابھی درجنوں خط پڑے ہیں۔ جن کا جواب خود اپنے قلم سے دینا ہے۔ والسّلام

آپ کا محب صادق محمد علی

۱۲ر فروری۔ کوچہ چیلاں۔ دہلی

مخدومی مولانا صاحب۔ السلام علیکم

گرامی نامہ ماموں صاحب قبلہ کے نام موصول ہوا۔[1] ۱۱ر فروری سے صاحب فراش ہیں۔ بخار رہتا ہے۔ ہلکا ہو جاتا ہے۔ مگر اترتا بالکل نہیں اپنے آپ خط لکھنے سے معذور ہیں۔ اس لئے میں ماموں صاحب کی جانب سے لکھتا ہوں۔

۱۔ دنیا میں اگر کوئی چیز ہے جو انسان کو اس کے مصداق بنائے تو وہ اصول پرستی ہے۔ ہم نے بہت سی چیزیں اسی اصول پرستی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ یہ چیزیں (TEMPTATIONS)[2] ہیں۔ انھیں سے ہم کو بچنا ہے انھیں کو چھوڑ کر ہم نے دیگر معاملات میں نااہلوں کو جگہ لینے دی۔ پھر اگر آج نااہل مسلط ہو جائیں گے تو کیا ہے۔ بالکل شراب کی سی حالت ہے۔

---

[1] خط مولانا کے بھانجے عثمان علی خاں جنرل منیجر ہمدرد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

[2] یعنی ترغیبات۔

نفع سے زیادہ مضرت اس میں ہے لہٰذا کنارہ کشی ہی بہتر ہے۔ یہ میری صاف رائے ہے۔ "حکم" صرف خدا کے لئے زیبا ہے۔[۱]

۲۔ خلافت کمیٹی کے متعلق قطب میاں کو خط جا رہا ہے۔[۲]

۳۔ ... کے متعلق میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ حریص زیادہ ہیں۔[۳] جس منزل پر آپ ان کو پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس کی اہلیت بالکل نہیں۔ صرف خواہش سے کام نہیں چل سکتا۔ حکیم صاحب کا حیدر آباد میں کوئی خاص اثر نہیں۔ البتہ اگر میں مجبور کروں تو ضرور لکھ دیں گے۔ مگر میرے لئے یہ ایک قسم کا جھوٹ بولنا ہوگا جسے میں جائز نہیں رکھتا۔ اب تک جو واقع آئے میں نے ان کو کچھ ترقی کرتے نہیں پایا۔ اب تک مزاج میں لاکین ہے۔ کامن سنس بالکل نہیں۔ جس سے کچھ کام لیں۔ مواد جمع کر دیا جائے۔ جب بھی کچھ اخذ نہیں کرتے۔ شام کے متعلق ان کو کچھ کٹنگز دیئے تھے تمام پوائنٹس[۴] بتا دیئے تھے۔ مگر جب مضمون لکھ کر لائے۔ تو کچھ بھی نہ تھا۔ چنانچہ خود ایک

۱؎ صوبہ یوپی میں سرکاری انتظام سے ہندوستانی اکیڈمی کے نام سے علمی و ادبی مجلس قائم ہو رہی تھی۔ میں نے پوچھا تھا کہ اگر میرے پاس اس کی ممبری کی دعوت آئے تو کیا حکم ہے قبول کروں یا نہ کروں۔

۲؎ میں نے لکھا ہے کہ قطب میاں صاحب زنگی محل کو لکھیے کہ اب ہماری ادھر خلافت کمیٹی سے اشتراک عمل کریں۔ اب تو ہماری ان کی پارٹی کے اختلافات مٹ چکے ہیں۔

۳؎ میں نے ہمدرد کے اسٹاف کے ایک نوعمر ممبر کے لئے سفارش کی تھی کہ اگر حکیم اجمل خاں صاحب انہیں حیدر آباد سے کوئی وظیفہ دلا دیں تو وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر چلے جائیں۔

۴؎ (COMMON SENSE) یعنی عقل سمجھ بوجھ (CUTTINGS) تراشے
پوائنٹس۔ سمجھنے والی باتیں۔

مضمون لکھ کر بتا دیا کہ اس نہج پر لکھو۔ مگر پھر بھی اب تک مکمل مضمون نہ دے سکا۔ دو مرتبہ مضامین پڑھ چکا۔ اب تیسری مرتبہ لائے۔ تو میں بیماری کے سبب نہ دیکھ سکا آج کسی وقت دیکھوں گا۔ بشرطیکہ بقیہ مضمون انھوں نے دے دیا۔ میں انکی ترقی کا خواہاں ہوں۔ اور دل سے مگر آپ جانتے ہیں کہ جنرلزم (صحافت) کے لئے صرف قلم ہی درکار نہیں۔ اس کے لئے جو باتیں درکار ہیں وہ آپ پر بخوبی روشن ہیں۔ اس لئے کہ آپ خود بھی اس خارستان کے بادیہ پیما ہیں۔ دعا کیجئے خدا ہم سبھوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

(۱۱)

برادرم۔ السلام علیکم۔ احمد آباد گیا ہوا تھا۔ پرسوں آیا ہوں۔ آپ کا خط اور ...... ملے۔ مرض کی حالت میں اب پہلے سے فرق ہے۔ مگر تنہا ہوں۔ ہر طرح کا کام خود ہی کر رہا ہوں بسفر حج کی فکر علیحدہ۔ گھر کی فکریں جداگانہ۔ آپکی محبت کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ۱۰ ارمئی کو ارادۂ روانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ بخیر پہنچائے۔ آپ کا نام میں نے اپنی یادداشت میں لکھ لیا ہے۔ خانۂ کعبہ میں ضرور دعا کروں گا اور مدینہ پاک میں سلام عرض کر دوں گا۔ بیگم صاحبہ کو بھی ہمراہ لئے جاتا ہوں۔ بچیاں یہاں رہیں گی۔ زیادہ سلام

محمد علی

(۱۲)

جہاز اکبر۔ قرنطینہ کامران۔ بحر احمر

(لفافہ کی مہر پر) ۲۴ر جولائی ۱۹۲۶ء

لہ منور علی خاں مرحوم دفتر ہمدرد کے خزانچی کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ مولانا کی علیٰن روانگی حج سے قبل۔ مئی ۱۹۲۶ء میں۔

پیارے ماجد میاں - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

یہ تو میں یقین کہہ سکتا کہ جتنی خوشی اپنے سفر کی ہے[۱] اسی قدر افسوس آپ کی شرکت نہ ہونے کا ہے۔ یہ درباروہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود کو اپنے مرحوم بھائی کے شریک نہ ہونے کا افسوس تھا۔ وہ خود ہر بار حاضری سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ یہاں ایک حد تک خود غرضی جائز ہے۔ مگر یقین جانئے کہ آپ کے اور میرے دوست قاسم حسن اور تیسرے دوست مسعود علی صاحب ندوی کے اور مستورات میں بیگم صاحبہ انصاری کے شریک نہ ہونے کا سخت قلق ہے۔ سفر خوب لطف سے طے ہوا۔ میری اہلیہ کو دو تین دن تے آئی اور کھمن تو سب عورتوں کو چار پانچ دن رہی۔ مگر مرد اکثر اچھی طرح رہے اور ہم لوگ تو خوب مزے سے کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے۔ عدن سے گذرنے سے ایک دو دن پہلے ہی سمندر میں مطلق جوش نہ رہا تھا۔ جوش تو پہلے بھی نہ تھا۔ مگر ہوا بعض لوگوں کو ناگوار گذرتی تھی۔ لیکن جب ہوا بند ہوئی تو سب گرمی کے شاکی تھے۔ اور ایک شب تو بہت تکلیف رہی۔

میں نے پہلی بار سمندر کا سفر ½ ۱۹ برس کی عمر میں کیا تھا۔ ۱ر جون کو مان سون شروع ہوئی تھی۔ ۱۹ر کو میں نے ساحل ہند چھوڑا۔ طغیانی کا زور تھا۔ جو کیفیت شروع کے ۵ دن رہی تھی۔ اس سے اندازہ کر سکتا ہوں کہ اوروں پر کیا گذرتی ہوگی۔ لیکن حج کا شوق وہ شوق ہے کہ ایسی سخت تکلیف پر بھی لوگ گلہ سنجی سے محترز رہتے ہیں۔ میرے کار نکل کو چلنے سے پہلے آرام ہو گیا تھا مگر

---

[۱] محمد علی حج کو جا رہے تھے۔ نیز خلافت کمیٹی کی طرف سے نمائندہ ہو کر موتمر عالم اسلامی میں شرکت کرنا تھی۔

ریل کے سفر میں ایک اور نکل آیا۔ پھر بھی جہاز کا ایک چکر تو روز ہو جاتا تھا۔ اگر اس سے نجات مل گئی ہوتی اور بیوی کی تسلی و تشفی لازمی نہ ہوتی تو میں تو زیادہ وقت تھرڈ کلاس ہی میں گذارتا۔ کمیٹی تو سکنڈ لے جانا چاہتی تھی۔ مگر میں نے کہہ دیا تھا کہ اس سفر کو بلا خرچ کئے ہوئے اختیار نہ کرنا چاہیئے، اور تھرڈ کلاس ہی سب کے ساتھ جانے کی نیت تھی اور اتنا ہی اور یہ پاس تھا۔ تاہم کمیٹی نے تھرڈ ہی کے ٹکٹ سے فرسٹ میں ٹھہرایا جمعیۃ العلماء کو بھی سیکنڈ میں ٹھہرایا شوکت صاحب کو کپتان نے اپنے پاس ایک خاص کیبن دیا۔ جس میں وہ اور بہن رہتے تھے۔ مگر افسروں کا سارا ڈک تھرڈ کلاس والوں سے اتنا بھرا رہتا ہے کہ خود افسروں کو بعض وقت راستہ تک نہیں ملتا۔ افسر بہت خلیق اور با مروت ہیں۔ بالخصوص کپتان جو ایک سیدھا سادہ آدمی ہے میری اہلیہ اور بہن اور ان سے ملنے والی عورتوں کو کپتان نے اپنا آدھا ڈک دے رکھا ہے۔ اپنے غسل خانہ میں اس لئے کم جاتا ہے کہ ادھر مستورات بیٹھی ہیں۔ ان کو نقاب نہ ڈالنا پڑے۔ پرسوں رات مجھے سوجھی کہ اہل ہند غیر ہندی مسافروں کی دعوت کریں۔ بالخصوص نجاریوں کی جو باوجود گندے اور پسینے کے باعث سخت بدبودار ادنی اور ردی بھرے کپڑے پہننے کے نیک اور سیدھے سادے لوگ ہیں۔ کوئی پانچ سو، دو سو تیس چالیس آدمیوں سے وصول ہو گیا۔ کل یہاں کام ان میں قرنطینہ والوں کی دیگیں لے کر سامان منگوا کر کھانا پکوایا گیا۔ رات نو بجے کھانا کھایا اور کوئی دو بجے سونے کو لیٹا۔ بہت کھانا بچ رہا، اور جنس بھی۔ بنگالی "بھوکے ننھو" ہیں۔ دانت ثبوت مل گیا، باوجود سوائے ایک خاتون کے چندہ مطلق نہ دینے کے ناخواندہ مہمان بن کر آ گئے تھے۔ بڑی مشکل سے انھیں ٹالا تھا۔ اب سب کی رائے تھی کہ ان کو کھلوا دیا جائے، سخت ندیدے اور حریص اور اس حالہ میں بے حیا

ہیں۔ لوٹ بچار کھی تھی۔ خیر ضیف اللہ ہیں۔ جب اللہ ان کو مہمان بناتا ہے تو ہم کیوں ناک بھوں چڑھائیں اس سے بھی فارغ ہوئے۔ اب کہ دن کے ۱۱ بج رہے ہیں۔ جہاز پر واپس جا رہے ہیں۔ کوئی بارہ بجے تک لنگر اٹھ جائے گا انشاء اللہ پھر شام کو احرام باندھا جائے گا۔ اور لبیک اللھمّ لبیک لبیک لاشریک لک لبیک کی صدائیں بلند کی جائیں گی۔ اس وقت آپ پھر یاد آئیں گے اور خوشی کے ساتھ تلق بھی ہو گا۔ مگر اب شوق کی بے قراری بڑھ جائے گی۔ دیکھیے کیا کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے۔ اب تک تو اور ساز و رخت کی دیکھ بھال سے فرصت نہ رہی کہ دھیان صرف اسی میزبان کی طرف کیا جائے جس کے مہمان ہو کر ہم جا رہے ہیں۔ دعا کیجیے کہ عمرہ، حج اور زیارت روضۂ اقدس نصیب ہوں اور قبول ہوں۔ آمین۔

اب رخصت ہوتا ہوں۔ حکم آ گیا کہ اٹھو چلو۔ آخری کشتی اب جہاز کی طرف جا رہی ہے۔ یہاں ان عربوں سے جو ملازم ہیں خوب مزے دار باتیں ہوئیں عرب اور باشندگانِ عرب کی محبت دل میں اور بڑھ رہی ہے۔ خدا جلد اس قوم کا اور اسلام کا احیا کرے۔ سب کو سلام شوق۔ خصوصاً ظفرالملک[1] کو کہہ دیجیے کہ دیکھو بھائی ہمارے پیچھے نہایت احتیاط سے کام کرنا۔ قوم کو سنبھالنا اب آپ لوگوں کا کام ہے

بچوں کو پیار۔ گھر میں سلام شوق۔ میری اہلیہ کا سلام بھی قبول فرمایئے اور گھر میں پہنچایئے۔ والسّلام

آپ کا پیارا بھائی

محمد علی

---

[1] ادھر خلافت کمیٹی کا کام ہم ہی دو شخصوں کے سپرد تھا۔

(۱۳)

۲۴ر اپریل ۲۵ء "ہمدرد" کوچہ چیلاں دہلی

برادرم محترم و مکرم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ مدتوں سے آپکے محبت نامے سینے کی جیب میں دل کے قریب ہی ڈالے ہوئے پھرتا ہوں تاکہ فورا وقت ملے اور جواب تحریر کردوں۔ مگر اب تک وقت نہ مل سکا جسطرح رامپور گیا جسطرح خلاف توقع واپس آیا اور جس طرح وہ والیانِ ریاست کے درمیان کم از کم عارضی طور پر ناچاقی کا سبب بنا اس کی داستان طولانی ہے۔ اگر گھر میں طبیعت درست ہوگئی اور آپ ایک دو دن ہی کے لئے آسکیں تو تشریف لائیں اور اس داستان کو سنیں اور ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب کی تفسیر و تعبیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جن باتوں کا جواب آپ مانگتے ہیں۔ وہ بھی آپ کے تشریف لانے پر ہی دیا جاسکتا ہے۔ میں نے برادرم ظفر الملک صاحب سے عرض کردیا تھا کہ میرے ذاتی مصارف اس سے زیادہ نہ ہوں گے جو جیل خانہ میں تھے۔ جس طرح وہاں گذر کرتا تھا۔ یہاں بھی گذر کروں گا۔

اور میری بیوی بیچاری مجھ سے کم کھاتی ہے۔ اس لئے اس کے واسطے بھی یہی اپیل کافی ہوگی۔ لیکن میں اس اپیل پر اس وقت رہنما شروع کردوں کا جب ہمدرد کو بند کردوں گا۔ میری صحت میرے بال بچوں کی صحت بالکل خراب ہے۔ میں اب مالی تفکرات سے بالکل بچنا چاہتا ہوں تاکہ کچھ عرصہ تک آرام کرسکوں۔ گو تنہ نشینی کو حرام سمجھتا ہوں کچھ قدمے اور قلمے مدد کرنے کے لئے سامان فراہم ہیں۔ جس قدر ہوسکے گا۔ سخنے ہی مدد کروں گا۔ درمے مدد کرنے کے قابل پہلے بھی نہ تھا۔ جس قدر تھا کیا تھا جس قدر اب بھی اہ ہوں گا کروں گا۔ میں اس فکر میں ہوں کہ کچھ کام کرکے ڈیڑھ دو سو روپیہ ماہوار حق

گھنٹے محنت کے معاوضے کے طور پر کما سکوں۔ "ہمدرد" کی ایڈیٹری اب نہ کروں گا۔ میں مضمون لکھ کر ہی اگر روٹی کماتا یعنی اس کی تجارت کرتا تو انگریزی اخبارات کم نہیں ہیں مگر مجھے ایڈیٹری کرنا نہیں تھی۔ تبلیغ مد نظر تھی۔ مگر لوگ بظاہر سننا نہیں چاہتے۔ چند دن کے لئے انھیں کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے جب انھیں تجربے سے معلوم ہوگا کہ جس طرح ہمارے علی گڈھ چھوڑ دینے سے ان کو فائدہ نہیں پہنچا۔ اسی طرح ہمدرد کے بند ہو جانے سے بھی کوئی خاص فائدہ مرتب نہ ہوگا۔ تب وہ شاید پھر ہماری طرف متوجہ ہوں میں ملت اسلامیہ کا بے حد مشکور ہوں۔ اب تک مرید ہمدرد پریس کے ڈائریکٹر کا روپیہ سوائے ایک دو کے کسی نے نہیں مانگا۔ حالانکہ میں اپنے نزدیک ایک چوتھے درجے کے ڈپٹی کلکٹر کی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ اللہ اللہ خیر صلاؔح۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شوکت صاحب کی مالی حالت بھی وہی ہے۔ لیکن ان کو ہمدرد کی طرح "خلافت" اپنے صرف سے شائع نہیں کرنا پڑتا۔ دوسرے ان کی بیوی نہیں۔ ایک لڑکی کے پورے مصارف ادا کرنا پڑتے ہیں (گو شادی اس کی بھی ہو گئی ہے) اور ایک لڑکے کے، زاہد،ؔ خود تنخواہ پاتا ہے۔ دوسری لڑکی کی شادی عثمان سے ہوگئی ہے۔ البتہ کچھ رقم ماہوار اسے بھی ادا کرنا پڑتی ہے۔ وہ خود کھدر

لہ ہمدرد کی مالی حالت بہت گر رہی تھی زیادہ تر تو قوم کی بد مذاقی سے اور کچھ خود دفتر ہمدرد کی کوتاہیوں سے۔ بہر حال اب مولانا اس کے بند کرنے کا خیال کر رہے تھے میں نے ایک مشورہ یہ پیش کیا تھا کہ ولایتی اخبارات کی نامہ نگاری مولانا قبول فرمالیں۔

لہ زاہد علی خاں فرزند مولانا شوکت علی

اسپیل پر رہتے ہیں۔ ان کی بیوی کی زندگی کا بیمہ غالباً دس ہزار کا ہوا تھا۔

وہ رقم غالباً ابھی ملی ہے۔ رامپور میں ان کی ایک بنگلیہ ہے جس کے باغ کی کوئی چار سو روپے سالانہ کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ میرا کوئی گھر نہیں نہ کسی باغ کی آمدنی ہے۔ میری حالت اگر "ہمدرد" سے اب کچھ نہ ملے تو ان سے کسی قدر خراب رہے۔ ورنہ یقیناً اس میں بھی وہ بڑے بھائی ہی تھے۔ میں قرض لے رہا تھا اور کھا رہا تھا۔ وہ اس "فاقہ مستی" سے بچے ہوئے تھے۔ آپ کے لڑکے کی ولادت کی خبر سے جس قدر جی خوش ہوا تھا۔ اسی قدر اس امانت کے چھن جانے سے صدمہ ہوا۔[۱] آپ سے کہیں زیادہ بہن سے ہمدردی ہے۔ میری بیوی بچے سب اس غم میں شریک ہیں۔ بہن تک اس پیغام کو پہنچا دیجئے۔ میرے کوئی لڑکا نہیں ہوا۔ مگر کوئی لڑکی بھی مری نہیں الاماشاء اللہ۔ صرف آمنہ نے داغ جدائی دیا۔ البتہ زہرہ کا دوسرا لڑکا جو نہایت ہی خوش رو اور ہنس مکھ تھا۔ ۷ ماہ کی عمر میں رخصت ہو گیا۔ اس کا اسی طرح صدمہ ہوا جس طرح خود اپنے لڑکے کے اس عمر میں گذر جانے کا ہوتا۔ پھر بھی سمجھتا ہوں کہ خداوند کریم نے مجھ پر بہت رحم فرمایا۔

حمیدہ[۲] کا نکاح شروع جنوری میں ہو رہا تھا۔ مگر کچھ تو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات[۳]۔ کچھ ماجد کی پریشانیوں[۴] نے دیر لگا دی۔ اب دو تین

---

[۱] شروع رمضان میں اس بچہ کی ولادت ہوئی تھی اور آخر رمضان ہی میں وہ جا رہا۔

[۲] حمیدہ بی مرحومہ مولانا کی تیسری صاحبزادی

[۳] حکیم اجمل خاں مرحوم کا انتقال آخر دسمبر ۲۷ء میں ہوا تھا۔

[۴] یعنی ماجد علی خاں رامپوری۔ مولانا کے ہونے والے داماد۔

دل میں ہو ہی رہا تھا کہ ایسے شخص کی طرف سے ایسا ہوا کہ نو بہر میں کرد۔ میں خود شریک ہونا چاہتا ہوں۔ بار بار کہا کہ اس کی ماں سخت پریشان ہو گی اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ سامان کیا ہے خود اس کی ماں نے اپنی ۲۰ روپے ماہوار کی آمدنی میں سے کیا ہے جو ۲۱ برس سے جمع ہو رہی تھی۔ اب صرف جہیز میں کام آئی ہے اور وہ ڈرتی ہیں کہ کہیں خانگی مصارف میں ان کی قلیل پونجی بھی نہ اٹھ جائے لیکن برابر اصرار ہے کہ شوکت صاحب کے آنے پر اس کا فیصلہ ہو گا۔ اور اس سے ایک اہم تر فیصلہ بھی جس کے لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی تشریف لائیں[1] عجب کشمکش و پیچ میں گرفتار ہوں۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں دعا گو اور آپ سے کہیں زیادہ محتاج دعا۔ محمد علی

قطب میاں صاحب اور ظفر الملک صاحب کو بھی خط سنا دیجئے گا۔
قطب میاں کے عنایت نامے کا جواب جلد دوں گا۔

(۱۴)

۲۹ر اپریل ۲۸ء۔ دہلی

برادر محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حمیدہ کی شادی ۶ر مئی کو رکھی گئی ہے۔ مگر ابھی آخری اور قطعی طور پر تاریخ اس وقت مقرر ہو گی۔ جب معظم صاحب کے پاس سے دا آج کے ارجنٹ

---

[1] مولانا ذیابیطس میں سخت علیل تھے۔ اتفاق کی بات کہ مہاراجہ الور ایک ایٹ ہوم میں مولانا سے مل کر ان پر خاص طور پر مہربان ہو گئے تھے اور اپنے صرف پر علاج کے لئے مولانا کو یورپ بھیجنے پر اصرار کر رہے تھے۔ مولانا اس امداد کو قبول کرنے میں بہت پس و پیش کر رہے تھے۔ آخر میں فیصلہ ڈاکٹر انصاری اور مولانا شوکت علی کے مشورہ پر اٹھ رہا تھا۔

تار) کا جواب آجائے گا کہ انھیں اس تاریخ کے لئے رخصت مل جائے گی۔
ظفر الملک صاحب کا محبت نامہ شوکت صاحب کے واسطے جو میری اہلیہ
کے نام آیا تھا۔ ابھی دیکھنے میں آیا۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے ہمدرد کے
بند کرنے کے سوا چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ بہرحال میں تو چند ماہ کے لئے تمام
کام بند کر کے اپنا علاج کرانے انگلستان جاؤں گا۔ غیب سے مدد مل گئی
ہے اور مشورہ کرنے کے بعد امداد قبول کر لی گئی ہے۔ سوائے علاج کے اور
کوئی غرض اس سفر کی نہیں ہے اور نہ اگر اکے علاج کیا جائے گا۔ کوئی اور
کام کروں گا بھی نہیں۔ براہ کرم مشورہ کے لئے فوراً تشریف لے آیئے اور
حمیدہ کے نکاح میں بھی شریک ہو جایئے۔ سوائے قطب میاں صاحب اور
احباب فرنگی محل کے اور آپ کے اور ظفر الملک صاحب کے کسی کو نہیں
بلا رہا ہوں بہن کی طبیعت کیسی ہے۔ میری بیوی اور بچیاں صحت کامل کے لئے
دعا گو ہیں اور خیریت معلوم ہونے کے لئے سخت منتظر ہیں۔ براہ کرم فوراً
چلے آیئے۔ تاکہ آخری فیصلہ دو تین دن میں کر دیا جائے اور اخبار کو بند
کر دیا جائے۔ میں انشاء اللہ اواخر مئی میں ہندوستان سے روانہ ہو جاؤں گا
کیا لکھوں دل کی کیا کیفیت ہے۔

آپ کا بھائی محمد علی

(۱۵)

تار

۲ مئی ۱۹۲۶ء (چہار شنبہ)

بلی جمعہ کی صبح تک ضرور پہنچ جاؤ۔ اخبار کی بابت آخری فیصلہ بہت
ضروری ہے۔

محمد علی

(۱۶)

تار

بمبئی - ۱۱ر جون ۱۹۲۸ء

اللہ آپ کو اور ظفر الملک کو اپنے فضل میں رکھے۔ یہ دعا جہاز پر بیٹھتے وقت کر رہا ہوں۔[1]

محمد علی

(۱۷)

۱۶ر جون ۱۹۲۸ء - جہاز "مقدونیہ"

پیارے ماجد میاں وظفر الملک صاحب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - ۲۵ر کو آپ لوگوں سے رخصت ہو کر ۲۶ر مئی کی صبح کو اجمیر شریف پہنچا - تاکہ جسمانی علاج سے پیشتر کچھ روحانی علاج بھی کر سکوں۔ نہ معلوم ظفر الملک صاحب کی "وہابیت" "زیارت قبور" کو کہاں تک روحانی علاج سمجھے اور کہاں تک خود اسے مرض تصور کرے۔ حقیقتاً جو کچھ ان مزارات کے گرد و پیش دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ مجھ جیسے "بدعتی" کو اس قدر صدمہ پہنچاتا ہے کہ عرض نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ان تمام بدعات میں جو وہاں کی جاتی ہیں اور نہایت بدتمیزی سے کی جاتی ہیں میں جب کبھی اجمیر شریف آتا ہوں اور میری نظر اس مزار شریف پر پڑتی ہے تو میرا خیال اس زمانے کی طرف جاتا ہے۔ جب سارے ہندستان میں مشکل ہی سے کوئی مسلمان نظر آتا ہوگا۔ مشکل ہی سے کسی جگہ کوئی شخص ایک ان دیکھے خدا کو سجدہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہوگا اور اذان کی آواز تو یقیناً کہیں بھی نہ آتی ہوگی اور پھر میں خیال کرتا ہوں کہ ایک ایسے زمانے میں ایک سنجر کا رہنے والا سرکار مدینہ کے حکم سے غریب نوازی کو اپنا شعار

---

[1] میں اب ہمدرد کا نگراں مقرر ہوا تھا۔ اور ظفر الملک صاحب کا بھتیجا۔

بنا کر سلطان الہند بننے کے لئے ایک ایسے ملک میں آتا ہے اور کسی گوشہ کو اپنے لئے تلاش نہیں کرتا بلکہ راجپوتانہ کے وسط میں ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کی راج دھانی میں داخل ہوتا ہے اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر اپنی پاک وصاف زندگی کے ذریعہ سے اسلام کا اعلان کرتا ہے اور جس وقت ساری جنگی اور مادی قوتیں اسلام کے خلاف ہوتی ہیں۔ اعلائے کلمۃ الحق کرتا ہے۔ اور ہزاروں لاکھوں کو مشرف بہ اسلام کرتا ہے۔ آجکل جبکہ ہزاروں لاکھوں نام کے مسلمان ہر وقت غیر مسلم اکثریت ہی کا رونا رویا کرتے ہیں۔ اس مزار پر جا کر اگر ہم اسی سبق کا آموختہ پھیریں کہ لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم ولم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین تو مجھے یقین ہے کہ ہم پر بھی آج سکینہ نازل ہونے لگے اور ہماری مدد کے لئے جنود الم تروھا اتر آئیں۔ جاتے ہی درگاہ شریف پر حاضر ہوا۔ پھر مولانا معین الدین صاحب کے بھائی حکیم نظام الدین صاحب کے ہاں جا کر فروکش ہوا۔ اپنے آکسفورڈ کے رفیق صاحبزادہ عبدالواحد خاں سے جا کر ملا۔ اور شب کو پھر درگاہ شریف جانے کے بعد رخصت ہوا۔

میرے جن دوستوں نے مجھے علاج کے لئے اس بار ولایت بھیجا ہے ان سے دوسرے دن آبو جا کر ملا۔ ۲۸ ر کو ان سے بھی رخصت ہوا اور اس بار بھی انھوں نے شکریہ کے الفاظ کو زبان پر آنے سے روک دیا۔ اس لئے اس صحبت کو دعا پر ختم کیا اور بادیدۂ تر روانہ ہوا۔ ۲۸ ر کی شب کو احمد آباد پہنچا۔ انسویا بہن اپنے بھائی انبالال سارا بھائی اور ان کے بال بچوں کے ہمراہ ولایت گئی ہوئی ہیں اور شنکر لال بینکر علیل تھے۔ لیکن انھوں نے انسویا بہن کی موٹر روانہ کر دی تھی۔ اور آشرم سے ایک مدراسی نوجوان مجھے لینے آگئے تھے۔ اسی وقت

سابرمتی گیا اور غسل کر کے سونے کو لیٹا مگر مگن لال بھائی کی جوان موت اور انکی پیاری بچی رادھا کے رنج و غم نے نیند کو بھگا دیا۔ تاہم صبح کو خاصی نیند آگئی نماز فجر کے بعد پہلے رادھا اور اس کی والدہ کے پاس گیا۔ پھر..... اور نہاتما جی سے ملا۔ اپنے ولایت جانے کا سارا قصہ سنایا اور ان کو اپنا ہم خیال پایا۔ دوپہر کو جمنالال جی بزاز کی فرودگاہ پر آرام کیا اور شام کو کھانا کھا کر شنکر لال بینکر کے ساتھ ان کی اور انسو بیا بہن کی قیام گاہ پر گیا نماز مغرب پڑھ کر اسٹیشن کو روانہ ہوا۔ تاکہ گجرات میل ہی میں روانہ ہو جاؤں اور نماز عید الاضحیٰ سے پہلے ہی بمبئی پہنچ جاؤں۔ بمبئی میں عیدین کی نمازیں سورج نکلتے ہی ہو جایا کرتی ہیں۔ اس لئے ریل ہی میں غسل کر کے اور کپڑے بدل کر اور سامان اسٹیشن ہی پر چھوڑ کر شوکت صاحب اور مولانا عرفان وغیرہ کے ساتھ ہی دفتر خلافت کے پاس والی چھوٹی مسجد کا رخ کیا۔ جہاں نماز اچھی طرح مل گئی۔ مگر اس قدر مختصر سی جماعت میں یقیناً وہ غرض پوری نہیں ہوئی جو مساجد جامع میں بھی بمشکل پوری ہوتی ہے اور جس کے پورا کرنے کے لئے شہر کے باہر عیدگاہ بنائی جاتی ہے۔ اس عید کی نماز میں اصفہانی صاحب نے آلہ مکبر الصوت لگانے سے احتراز کیا اور میرے نزدیک سخت غلطی کی اور کٹ ملاؤں سے ڈر گئے۔ میں ان کا انتقام ہی پڑھ کر بھانپ گیا تھا کہ ان بزرگ پر ملاؤں کا خوف غالب ہے جو جماعت گرامو فون کو باجا کہتی ہے اور اس میں قرآن کریم کی قرأت سننے کو لہو و لعب سمجھتی ہے۔ اس سے لاؤڈ اسپیکر کے لئے فتویٰ طلب کرنا بھی حماقت ہے۔ عید کا دن اور دوسرا دن حاجی اسمٰعیل صاحب خلافت کے پیچھے اور بکے دورت کے بال و جوتوں میں گذرا یا سر نایشلد کے ہاں دعوت میں۔ یکم جون کو کچھ کھدر اوڑھ اور اون کی جرابیں کر واکف صاحب کے کارخانے میں جاکر نوابش ڈیکٹ ۱۲۱ر

منی ہی کو لے لیا تھا۔ ۲ کو سب سامان ٹھور اور باندھا اور کمپنی کے سپرد کیا اور پھر
کچھ آم لے کر اور کچھ ہار پھول ٹھور کر بندرگاہ پر گیا۔ کمپنی کی نوازش سے چھ ٹکٹ
جہاز پر جا کر رخصت کرنے کے لئے دوستوں کے واسطے مفت مل گئے تھے
حالانکہ فی ٹکٹ تین روپے قیمت دینا پڑتی ہے۔ بندر پر ڈاکٹر کو نبض دکھائی
انھوں نے پوچھا کہ اچھے ہو۔ میں نے کہا کہ اچھا ہوتا تو ولایت ہی کیوں
جاتا۔ یا وہیں نہ گیا ہوتا۔ مگر ان کا اطمینان کر دیا کہ میرا مرض متعدی نہیں ہے
اور اب تو میری بیماری بھی متعدی نہیں ہے ایک پولیس کے انگریز افسر صاحب نے
طارق تک سے ٹکٹ مانگا۔ اور شوکت صاحب غصہ کے مارے اسی وقت
اپنے ٹکٹ کو پھینک کر واپس جا رہے تھے۔ مگر ڈاکٹر نے طارق صاحب
کو بھی اسی ٹکٹ میں شامل ہونے اور جہاز پر جانے کی اجازت دے دی۔
روانگی کا وقت سنا ہے کہ ایک بجے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے سب رخصت
کرنے والے رخصت کر دئے گئے۔ مگر ڈاک ڈیڑھ بجے تک باقی جاتی
رہی اور ڈیڑھ بجے ہم ہندوستان کے ساحل سے رخصت ہوئے

کیا کہوں کہ کن افکار اور کن خیالات کا اس وقت دل میں اور دماغ میں
ہجوم تھا۔ پہلا سفر ۱۸۹۸ء کا کن امنگوں اور کن امیدوں کے ساتھ شروع
ہوا تھا۔ ایک غریب بھائی کی بے نظیر حیرت انگیز ہمت کی بدولت یکایک
آکسفورڈ جانے کا انتظام ہوا تھا۔ پیسہ عنقا کا حکم رکھتا تھا۔ سول سروس میں
ناکام ہو چکا تھا۔ شوکت صاحب بھی ناکامی کی خبر "پاؤنیر" میں پڑھ کر زرد
پڑ گئے تھے۔ مگر ایک بڑھیا[1] نے دیکھتے ہی تاڑ لیا تھا کہ کیا ہوا اور پوچھا تھا کہ کیا
محمد علی کی امتحان میں ناکامی ہی پر اس قدر مایوس ہوتے ہو۔ اگر اس نے

---

[1] ظاہر ہے کہ مولانا کی والدہ ماجدہ مراد ہیں

چوری کی ہوتی یا مرتد ہو گیا ہوتا۔ تب تمہاری کیا حالت ہوتی۔ محمد علی کو لکھو کہ
میرا اسے دیکھنے کو جی چاہتا ہے اور اس کی منگیتر بھی تین ساڑھے تین برس
سے بیٹھی ہے اب اسے بلاؤ اور اس کی شادی کر دو۔ میں بلایا گیا تھا۔
شادی بھی ہوئی تھی۔ رام پور میں محکمہ تعلیم کا افسر بھی مقرر ہو چکا تھا اور اب
حضرت آکسفورڈ کا بی اے کا امتحان دینے جا رہا تھا۔ رام پور میں جو واقعات
گذر چکے تھے وہ بے حد پریشان کن اور بالآخر میرے استعفے کا پیش خیمہ
تھے۔ انہیں کچھ پتا تھا کہ کیا حشر ہوگا۔ جو حشر ہوا۔ وہ آپ کو معلوم ہے۔
تیرا سفر سید وزیر حسن صاحب کی معیت میں ۱۹۱۳ء میں چھپ چھپا کر ہوا تھا
کہ کہیں میرے کرم فرما لیمسڈن صاحب جن سے دو ہفتے پیشتر ہم سدھار
رہے تھے۔ سنتے ہی میری گرفتاری کا وارنٹ نہ نکال دیں۔ "ایم۔ علی اور
ڈبلیو۔ حسن" کے نام کے دہلی سے ٹکٹ خرید لے گئے تھے۔ سورج نکلنے
سے پیشتر شوکت صاحب کے ساتھ دہلی کے اسٹیشن سے عید الفطر کے دوسرے
ہی دن اس طرح روانہ ہوا تھا کہ گویا شوکت صاحب کو صرف پہنچانے آیا ہوں
گھر میں نہ بچیوں کو خبر تھی نہ نوکروں کو اور سامان بھی یہ کہہ کر بندھوایا تھا کہ شملے
جا رہا ہوں۔ وہاں سردی پڑتی ہے۔ گرم کپڑے زیادہ رکھنا۔ کانپور کی مسجد شہید
ہو چکی تھی۔ سو سے زیادہ مسلمان جن میں بچے بھی تھے۔ اور بوڑھے بھی اس وقت قید تھے
اینڈریانوپل کے فاتح ترکوں سے انگوٹھا صاحب وزیر ایڈورڈ گرے سختی کے ساتھ
مطالبہ فرما رہے تھے "کامریڈ" کے ایڈیٹر نے پریس ایکٹ کے خلاف ایک بے نظیر
فیصلہ سر لارنس جینکنس کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور وہ سب سے سینئر ججوں کا
حاصل کر لیا تھا۔ گو "مقدونیہ آؤ اور ہماری مدد کرو" والا پمفلٹ جس میں بلقانی
حلیفوں کے مظالم کی داستان غم نصاری ہی کو سنائی گئی تھی۔ پھر بھی واپس نہ مل

سکتا تھا۔ انگلستان کی لبرل حکومت کے پاس جا کر منت سماجت کرنا تھی۔ اس کا بھی جو حشر ہوا۔ وہ آپ کو معلوم ہے۔

چوتھا سفر ۱۹۲۰ء میں کیا گیا اور ایک آخری کوشش اس کی کی گئی تھی کہ خلافت عظمیٰ کو برقرار رکھا جائے۔ ترکی سلطنت کی قوت اور اس کے اقتدار کی حفاظت کی جائے۔ اور ترکوں کو اس غلامی سے محفوظ و مصئون رکھا جائے۔ جس میں ہم خود ڈیڑھ سو برس سے گرفتار تھے۔ اور اس قبضہ کو قسطنطنیہ پر سے اٹھوایا جائے جو تقریباً ۴۰ برس سے مصر پر چلا آرہا تھا۔ گذشتہ تجربوں کی بنا پر جانتے تھے کہ کیا حشر ہوگا۔ مگر ع رہے نہ دل میں ہوس آرزو یہ بھی کر دیکھیں اس خیال سے احرام سفر باندھا گیا تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا بھی کیا حشر ہوا۔

اس سفر کے بعد توبہ کر لی تھی کہ اب آستان بوسی نہ کریں گے۔ اگر پھر جائیں گے تو اسی لئے کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان معاہدہ پر دستخط کریں۔ افسوس وہ معاہدہ آج بھی دور نظر آتا ہے۔ مگر الحمد للہ کہ توبہ آج بھی نہیں ٹوٹی۔ سر ڈینس برے فارن سکریٹری صاحب کو پاسپورٹ کے لئے شملہ ٹیلیفون کیا تو اُن کے سوال کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ اب نہ مجھے برطانیہ کی کسی سیاسی جماعت پر اعتماد ہے نہ یورپ کے کسی حکومت پر کہ کسی سیاسی کام کی غرض سے یورپ کو جاؤں اور آج مسٹر واٹسن پولیٹیکل سکریٹری صاحب سے جہاز میں ملاقات ہوئی تو ان کی غلط فہمی کو بھی دور کر دیا کہ میں گول میز کمیٹی کے سلسلہ میں انگلستان جا رہا ہوں۔ محض اپنی صحت کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں اور اس پر ہنسی آتی ہے کہ ایک فاقہ کش ملک سے ایک متمول ملک کی طرف ایک فاقہ مست بہ صرف کثیر اس لئے سفر کر رہا ہے کہ

وہاں جاکر فاتحہ کرا کے اپنا علاج کرائے۔

ہندوستانی عورتیں اس جہاز پر بھی ہندوستانی لباس میں سفر کر رہی ہیں۔ مگر سوائے مسٹر سلینٹ کے اخبار نیو انڈیا کے اڈیٹوریل اسٹاف کے ایک رکن کے جو اچکن اور آڑا پاجامہ پہنے ہوئے ہیں مردوں میں عرف میں ہی ایشیائی لباس میں ملبوس ہوں۔ ۲ر جون کا دن اچھا گذرا مگر ۳-۴ اور ۵ کو ہوا تیز رہی اور تیز تر ہوتی گئی۔ یہ وہ موسمی ہوا ہے۔ جس کا نام بگاڑ کر "مون سون" کر لیا گیا ہے اور جو ہندوستان کے لئے بارش لا رہی ہے۔ دہلی کی گرمی کا خیال کر کے دعا نکلتی ہے کہ یہ جلد بمبئی پہنچے اور سب طرف یہ جل تھل کر دے۔ لیکن جہاز والوں کا خیال کرتا ہوں اور بالخصوص عورتوں کا تو جی چاہتا ہے کہ دعا کروں کہ بند ہو جائے۔ اور سمندر کی یہ طغیانی باقی نہ رہے۔ تاہم خلاف توقع میں بالکل اچھا رہا اور ایک وقت کا کھانا بھی نہ چھوڑنا پڑا۔ حالانکہ آدھے سے زیادہ مسافر اور تین چوتھائی سے زیادہ مسافر عورتیں کھانے کے کمرے سے غیر حاضر رہنے لگی تھیں۔ البتہ آج صبح کے بعد سے تموج میں بہت کمی ہو گئی اور آج شب کے ساڑھے گیارہ بجے سے جب سے یہ خط شروع کیا گیا ہے۔ جہاز پر مردوں اور عورتوں کا ناچ ہو رہا ہے۔ حالانکہ کل شب کو ان میں سے اکثر خاموش پڑے تھے اور ناچ ہو رہا تھا تو سمندر کی موجوں کا ہو رہا تھا۔

علاوہ مہاراجہ صاحب الور کے وزیراعظم کے جو میرے ہم سفر ہیں اور چند ہندوستانیوں کے میری کسی سے گفتگو نہیں ہوئی اور اس فرصت کو غنیمت جان کر میں نے یا تو اپنی نیند کا قرضہ جو مدتوں سے چڑھا ہوا تھا وصول کیا یا کچھ فرانسیسی زبان سیکھنے کی کوشش کی۔ مرحوم علی گڈھ

کالج کے مرحوم طالب علم سابق محمد داؤد صاحب کی نظموں کو ان کے چھوٹے بھائی محمود احمد عباسی پھر شائع کر رہے ہیں اور مجھ سے تقریظ لکھنے کا وعدہ لے چکے ہیں۔ ان کا خط جہاز پر بھی ملا۔ اس لئے خطوں سے بھی پہلے اسے لکھنا شروع کیا اور بحمد اللہ آج ختم کر دیا۔ شوکت صاحب سے بھی پہلے آپ کے نام کا یہ خط شروع کیا اور اب اگر آپ اجازت دیں تو اسے ختم کروں۔

ڈیک پر میرے نزدیک ہی تین انگریزوں کے بچے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا کھیلا کرتے ہیں۔ ان کے یا ان کے والدین ہی سے کبھی کبھی دو چار باتیں ہو جایا کرتی تھیں یہ دبہار کے انگریزی زمینداروں سے ہیں جو نیل تیار کرایا کرتے ہیں۔ میرے قریب ہی ایک خوش رو وجیہہ اور بلند قامت فوجی افسر بھی لیٹے رہتے تھے اور کبھی کبھی ایک دو لفظ بول لیا کرتے تھے۔ آج ایک بچی سے میری دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس میں زیادہ تر میری بچیوں کے نام اور ان کی عمر وغیرہ کے متعلق اس کے سوالات اور میرے جوابات تھے۔ بظاہر اسے سن کر اور کچھ دلچسپ پا کر ان صاحب نے مجھ سے گفتگو شروع کی اور دو گھنٹے تک نہایت آزادی اور صفائی سے، مگر پر لطف طریقہ پر سیاسی گفتگو رہی۔ جس کے بعد انھوں نے شکریہ بھی ادا کیا اور داد و تحسین بھی دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے بزرگ میرے دادا کے ۵۸-۱۸۵۷ء کے دوست تھے۔ اب تک کی ساری داستان میں نے آپ کو سنا دی۔ اب نہ کہئے گا کہ میں نے خاموشی سے کام لیا ہے۔ کل سے انشاء اللہ حدیث شریف بھی شروع ہو جائے گی اور چونکہ حجاج کے جہازوں کی واپسی کا وقت ہے۔ راستہ میں آنکھیں ان کو بھی ڈھونڈیں گی۔ ہائے سہ

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

مگر خدا بھلا کرے سلطان ابن سعود کا۔ اب وہاں کا راستہ بھی ہم بدبختوں کے لئے بند ہے۔ جہاز ہی پر خبر پڑھی کہ ہم سے بھی زیادہ بدبخت شامی جنھوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا اور اس کے صلے میں فرانس کی غلامی اور ۵۰۸ گھلنے اس کی مسلسل گولہ باری حاصل کی تھی انھوں نے اب فیصلہ کیا ہے کہ ان کی نجات کے لئے ایک بادشاہ کی ضرورت ہے چنانچہ فیصل ابن سلطان ابن سعود پر ان کی نظر انتخاب پڑی ہے۔ سچ ہے ملوکیت کی بدعت کی ابتدا شام ہی سے ہوئی تھی۔ اب یزید کی ملکیت کی جگہ نجدیوں کی ملکیت کی طلب ہے اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ تعجب ہے کہ اعصابی سوزش جہاز پر آتے ہی بند ہو گئی۔ مگر کل دوپہر کو اور آج صبح کو تھوڑی دیر تک محسوس ہوئی۔ لیکن یقیناً یہ آموں کا پھل ہے سو بندرگاہ سعید تک وہ بھی ختم ہو جائیں گے اور لندن جاتے ہی فاقہ ہی فاقہ ہے۔

قطب میاں صاحب کو اور الطاف بھائی کو۔ سعید کو اور تمام فرنگی محل کو سلام شوق، بالخصوص جمال میاں، محمد میاں اور نور میاں کو مولانا سلامت اللہ صاحب کی خیریت تحریر فرمایئے۔ دہلی میں جعفری کو پیار اور سب کو سلام شوق۔ بالخصوص مولانا کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں آداب۔ مولانا احمد سعید صاحب کو سلام وشوق اور ان کی صحت کے متعلق اطلاع دیجئے۔ ڈاکٹر سید احمد صاحب اور اسرائیلی صاحب، راشد انصاری صاحب کو بھی سلام شوق۔

آپ کی عالی ہمتی کا قدرداں۔ ہمدرد کا دعاگو۔ آپکا بھائی محمد علی

(۱۸)

۱۹ اگست ۱۹۳۰ء۔ لندن

پیارے ماجد میاں، ظفر الملک صاحب اور جعفری۔

گذشتہ ہفتہ میں جو "ہمدرد" کے پرچے آئے۔ ان میں میرے کسی خط کا ذکر نہ تھا۔ جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید وہ خط جو یورپ پہنچکر میں نے لکھا تھا اور ۱۲ر جون کو ڈوور کے اسٹیشن پر ڈالا تھا۔ وہ ۱۱ر ۱۲ر جولائی تک آپ حضرات کی نظر سے نہیں گذرا اور اگر ماجد علی صاحب کے خط میں صاف تصریح نہ ہوتی کہ انھوں نے حیات صاحب کو اس تاکید کے ساتھ روانہ کر دیا ہے کہ وہ اس خط کو پڑھ لینے کے بعد فوراً جعفری کو بھیج دیں تو میرے دل میں ضرور خوف بھی پیدا ہو جاتا کہ بیگم صاحبہ نے حیات صاحب کو وہ خط تو بھیج دیا مگر یہ لکھنا بھول گئیں کہ پڑھنے کے بعد وہ خط جعفری صاحب کو بھیج دیا جائے تاکہ بہت سے مندرجہ حالات سے قارئین "ہمدرد" بھی واقف ہو جائیں۔

جب تفصیل کے ساتھ کسی چیز کے متعلق لکھنا پڑتا ہے تو پھر ناممکن ہو جاتا ہے کہ اس کو ہر خط میں دہرایا جائے۔ اس لئے میں نے یہ انتظام کیا تھا کہ کسی نہ کسی کو ہر ہفتے مفصل خط لکھ دیا جائے اور وہ اسے آپ حضرات تک پہنچا دیا کریں۔

۱۲ر جون کا خط اس قدر طویل تھا اور اسی مصروفیت کی حالت میں لکھا گیا تھا۔ کہ اس کے بعد کسی اور کو دو سطریں لکھنا بھی مشکل تھا چنانچہ بیچاری بیگم صاحبہ تک کو اس ڈاک سے علیحدہ خط نہ روانہ کیا جا سکا۔ لیکن چونکہ ان کی اور بچیوں کی پریشانی کا سب سے زیادہ خیال تھا۔ اس لئے میں نے حیات صاحب کا خط بجائے مکتوب الیہ کو بھیجنے کے بیگم صاحبہ کے پتے سے بھیج دیا دیا۔ چونکہ اس ہفتے کی ڈاک کے "ہمدرد" میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید حیات صاحب اسے دہلی بھیجنا ہی بھول گئے۔ اور چونکہ آپ کو بظاہر اس خط کا علم نہیں اس لئے آپ غالباً ان کو بھی

نہیں لکھیں گے کہ آپ کی یاد دہانی پر وہ اسی خط کو آپ کے پاس بھیج دیں۔ اس لئے مجبوراً میں خود آپ کو لکھ رہا ہوں۔ کہ ان سے وہ خط ضرور منگا لیں۔ وہ پہلی ستمبر کو غالباً بمبئی سے نواب صاحب بھوپال کے ہمرکاب روانہ ہوں گے۔ اس لئے اس خط کے ملتے ہی ان کو لکھ دیجئے کہ وہ اپنے خط میں آپ حضرات کو بھی شریک کر لیں۔ مجھے خوف ہے کہ میں نے لندن سے جو ڈاک پہلی بار ارسال کی۔ اس میں کوئی خط آپ حضرات کے نام ارسال نہیں کیا۔ لیکن بیگم صاحبہ کو، بچوں کو اور راجد علی صاحب کو خطوط لکھ دئے تھے اور نیز شوکت صاحب کو اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ چونکہ بیگم صاحبہ ہی کو لکھا گیا تھا۔ اس لئے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے خط کا ایک حصّہ شوکت صاحب کو اور جعفری صاحب کو بھجوا دیں۔ مگر وہ اس شرکت کو گوارا نہیں کریں اور ان کے پچھلے خط میں لکھا ہوا آیا ہے کہ آپ میرے خط میں کسی کو شریک نہ کیجئے۔ خواہ کتنا ہی مختصر خط ہو۔ وہ میرے لئے مخصوص ہونا چاہیئے۔ مجھے کاتب بننے کی فرصت نہیں۔ معلوم نہیں کہ اس کے بعد انھوں نے اس خط کی نقل جعفری کو بھیجی یا نہیں؟ بہر حال "ہمدرد" میں اس کا کہیں ذکر نہ تھا۔ اور اگر وہ بھیجی بھی گئی ہے۔ تو غالباً جمعرات تک آپ حضرات کو مل گئی ہو گی۔ خیر۔ اب یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ مفصل خط بالعموم آپ ہی کے نام جایا کرے گا۔ اور انہیں صرف اس قدر لکھ دیا جایا کرے گا کہ بعد ادائے آداب کے عرض پرداز ہوں کہ یہاں خیریت ہے اور آپکی خیریت ہر گاہ خداوندی سے نیک مطلوب ہے۔ بڑوں کو سلام چھوٹوں کو دعا تمت تمام شد۔

پہلے اپنی صحت کے متعلق عرض کروں کہ اس بار چھ دن کے فاقہ کے بعد جس میں نارنگی اور انگور کا عرق پینے کی اجازت تھی۔ میری طبیعت بہت اچھی ہو گئی۔

اور یہی نہیں کہ شکر نہیں آئی بلکہ باوجود چربی کے تقریباً اسی مقدار میں پائے
جانے کے جو گزشتہ ہفتہ میں تھی۔ میرے پاؤں کے تلووں میں اعصابی سوزش
بالکل نہیں ہوئی۔ البتہ گذشتہ ہفتہ کے دن چند نوجوان طلباء کے ساتھ برنخبس
پارک میں چڑیا گھر (ZOOLOGICAL GARDENS) دیکھنے کے لئے جانا
ہوا اور چونکہ اس دن صبح کو بہت ہی کم پھل کھائے تھے۔ اس لئے ان طلبہ
کے ساتھ جائے میں شریک ہوگیا۔ افسوس ہے کہ یہاں شہد نہ مل سکا اور
شکر کا استعمال کرنا پڑا۔ اس دن میں نے خوب ہی بدپرہیزی کر ڈالی اور مکھن
روٹی اور جیم کا بھی استعمال کیا اور کیک کے بھی ایک دو ٹکڑے کھائے۔
یہ میری بدپرہیزی تھی۔ ورنہ نہ کبھی شکر کا استعمال کیا اور نہ کبھی جیم کا اور نہ کبھی
کیک کا۔ یہاں تک کہ روٹی بھی تقریباً ڈیڑھ مہینے سے نہیں کھائی۔ گو
میرے دوست احباب کو شاید اس کا یقین نہ آئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ
جب بدپرہیزی کرنا پڑی تو میں نے عمداً پیٹ بھر کر بدپرہیزی کی۔ تاکہ دیکھوں کہ
اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ چند ہی گھنٹوں کے بعد سزا بھی پائی۔ پورے
ایک ہفتہ کے بعد تلووں میں اعصابی سوزش پھر شروع ہوئی اور اس کا کچھ
نہ کچھ اثر کل تک رہا۔ البتہ ایک وقت کا فاقہ کرنے کے بعد الحمد للہ وہ کیفیت
بالکل دور ہوگئی اور اس شیریں تجربہ نے میرے یقین کو اور بھی پختہ کر دیا کہ میرے
معالج غذا کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ یقیناً صحیح ہے۔ اس ہفتے سوائے
اس بدپرہیزی کے میں نے ان کے کہنے پر اس تندرہی سے عمل کیا کہ گوشت
مطلق نہیں کھایا بلکہ سوائے تھوڑی سی اُبلی ہوئی مٹر کے کوئی پکی ہوئی
ترکاری نہیں کھائی اور صرف پھلوں پر گذر کیا۔ مگر پھلوں میں علاوہ نارنگیوں
کے اور ناشپاتیوں کے اور خوبانیوں وغیرہ کے کچھ گریاں بھی کھائی گئیں

بادام، اخروٹ وغیرہ) اور لطف یہ ہے کہ کھجوریں بھی روزانہ ۲۰ - ۲۵ کھائی گئیں۔ اس لئے اس پرہیز میں شکایت کا ذرا بھی موقع نہ ملا۔ ارادہ ہے کہ کل پیر تارورہ کیمیاوی تجربہ کے لئے بھیجوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ناقتہ نہ کرنے کے بعد بھی شکر مفقود رہتی ہے یا نہیں۔ ورزش کے معاملہ میں البتہ بہت کچھ فرد گذاشت ہوئی ہے لیکن آج سے ارادہ کر لیا ہے کہ دن میں کم سے کم دو تین بار ورزش ضرور کیا کروں گا۔ ڈاکٹر صاحب کا قول ہے کہ صحیح غذا سے زیادہ صحیح ہوا کی ضرورت ہے اور جب تک اندر کی ہوا پوری طرح باہر نہ نکالی جائے گی جسم کا اندرونی حصہ صاف نہ ہوگا۔ اور تمام ورزشیں اسی غرض سے کرائی جاتی ہیں کہ میں صحیح طریقہ سے سانس لے سکوں۔ چربی پوری طرح سانس لینے میں مانع نہ ہوتی رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر میری سانس لمبی ہوگی تو غذا بھی زیادہ ہضم کی جا سکے گی اور تھوڑی سی بہت بد پرہیزی سے بھی زیادہ نقصان نہیں پہونچے گا۔ بہرحال یقیناً اس ڈیڑھ مہینے کے علاج میں اتنا افاقہ ہوا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور میں شوکت صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ وہ بھی اب پھلوں پر گذارا کیا کریں اور جس طرح سے میں زمین پر لوٹ لوٹ کر اور دوسری ورزشوں میں لمبی لمبی سانس لیا کرتا ہوں وہ بھی لیا کریں میرا وزن سات سیر گھٹ چکا ہے۔ کمر چار انچہ کم ہوگئی ہے اور سانس ایک سو ستر سے ترقی کرکے دو سو تک پہنچ گئی ہے۔ ان کا وزن تو یقیناً ۲۰ - ۲۵ سیر گھٹ جائے گا۔ بلکہ اس سے بھی زائد اور وہ تھوڑے ہی عرصہ میں مصرعۂ کمر پتلی صراحی دار گردن، کے مصداق ہو جائیں گے۔ بیگم صاحبہ بیچاری مدت سے دبلا ہونا چاہتی ہیں۔ ان کے لئے بھی یہی علاج مفید ہوگا۔ اور چونکہ وہ

نقرس کے مرض میں مبتلا بھی ہیں۔ اس لئے یہ طریق علاج اس مرض کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا۔ میں بار بار زور دے رہا ہوں کہ لڑکیوں کو لے کر وہ بھی یہیں چلی آئیں اور ابھی اس مضمون کا انھیں تار بھی دے چکا ہوں۔ حمیدہ بی کی بیماری نے بے حد پریشان کر دیا ہے اگر وہ یہاں آگئیں تو حمیدہ بی کا بھی اسی طریقہ پر یہاں علاج شروع کرا دیا جائے گا لیکن دیکھیے وہ آتی بھی ہیں یا نہیں؟ جہاں اس قدر اپنی صحت یابی کے متعلق لکھ چکا ہوں وہاں چند سطریں ایک بزرگ قوم کی وفات کے متعلق لکھنا بھی نامناسب نہ ہوگا۔ جمعہ کی صبح کو میں نے اپنا فاقہ ختم کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب چاہتے تھے کہ دو دن اور فاقہ کیا جائے۔ لیکن چونکہ میں امام سے وعدہ کر چکا تھا کہ نا ٹنگل گیٹ کے دار الصلوٰۃ میں نماز کے بعد مصلیوں سے اسلام کے متعلق ایک مختصر سے مکالمے کی بھی ابتدا کروں اور خوف تھا کہ اگر اسی دن افطار نہیں کیا گیا تو شاید کمزوری زیادہ محسوس ہو۔ لیکن جو حالت جمعرات کو تھی۔ اگر اس کا پہلے ذرا بھی گمان ہوتا تو میں ہرگز جمعہ کو افطار نہ کرتا اور دو چار دن اور فاقہ کرتا۔ کیا معلوم تھا۔ ٹھیک جس وقت میں افطار کر رہا تھا۔ اسی وقت سید امیر علی[1] صاحب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ وہ لندن سے کچھ دور سکس کاؤنٹی کے ایک چھوٹے سے قصبے میں اس زمانہ میں آرام فرما رہے تھے اور مسز امیر علی صاحبہ کے قول کے مطابق وہ آخر وقت تک کام کرتے رہے۔ گو کچھ عرصہ سے وہ صاحب فراش تھے۔ اور ایک نرس کے ساتھ ہی وہ چلا پھرا کرتے تھے۔ تاہم کسی کو گمان نہ تھا کہ وہ اس

---

[1] رائٹ آنریبل سید امیر علی پریوی کونسلر مصنف اسپرٹ آف اسلام وغیرہ۔

فذ رجلد داعی اجل کو لبیک کہنے والے ہیں۔ یہاں جس طرح جینا مشکل ہے۔ اسی طرح
مرنا بھی مشکل ہے۔ جس دن امیر علی صاحب کا انتقال ہوا۔ لوگ چھٹیاں منا رہے
جا رہے تھے۔ اس لئے گذشتہ پیر کے دن بینکوں کی چھٹی تھی۔ چنانچہ تجہیز و
تکفین کا سامان منگل تک نہ ہوسکا تجہیز و تکفین پیشے کی کرانے والے کے یہاں
ایک کمپنی ہے۔ چنانچہ اس نے مرحوم کی میت کو رڈ ج سے ویسٹ منسٹر تک
تک پہنچایا ہوگا۔ اور منگل کے دن تعطیل ختم ہونے پر تابوت بنانے کا انتظام
کیا۔ اس کمپنی کی ایک اسپشل ٹرین واٹرلو اسٹیشن سے منگل کے دن بارہ بجے
کے قریب برک وڈ (BROOK WOOD) کو جو وو کنگ (WOKING)
اور ایلڈر شاٹ (ALDER SHOT) کے درمیان واقع ہے روانہ
ہوئی اور اس میں جنازہ اور اس کو کاندھا دینے والے روانہ ہوئے۔
یورپین رسم کے مطابق پھولوں سے تابوت چھپ گیا ہوگا۔ اس لئے کہ جب
میں قبرستان پہنچا تو قبر پھولوں سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی۔ میں چند طالبعلموں
کے ساتھ موٹر میں روانہ ہوا تھا۔ مجھے اس کا پہلے علم نہ تھا کہ لوگ اسپشل میں
قبرستان جانے والے ہیں۔ اتوار کی شب کو مسٹر محمد رفیق صاحب سے ملا۔
تب اس کا حال معلوم ہوا اور میں اس سے پہلے ہی موٹر کا انتظام کر چکا تھا۔
احتیاطاً ہم لوگ اسپشل سے بھی پہلے موٹر میں لندن سے روانہ ہوئے۔ لیکن
بدقسمتی سے ادھ بیچ میں موٹر رک گئی۔ اور اس کے صاف کرنے میں موٹر کے
مالک کو کچھ غلط فہمی ہوئی۔ جس کے باعث گھنٹہ بھر راستے میں رکنا پڑا۔ بالآخر
گذرتی ہوئی ایک موٹر کے چلانے والے سے درخواست کی گئی کہ آٹو موبائل
ایسوسی ایشن کے سپاہی کو آگے چل کر بھجوا دیں۔ یہ مالکان موٹر کی ایک جمعیت
ہے جس کا چندہ دو پونڈ سالانہ ہے اور اس کی طرف سے تھوڑے تھوڑے

فاصلہ پر عمدہ وردی پہنے ہوئے سپاہی بٹھلا دیئے گئے ہیں۔ جو موٹر والوں کو راستہ بھی بتاتے ہیں اور اگر کوئی حادثہ واقع ہو جاتا ہے تو موٹر والوں کی مرہم پٹی کرتے ہیں۔ ان کے پاس موٹر بائیسکلیں بھی ہیں جن میں سائڈ کار کی جگہ ایک چلتی پھرتی موٹر والوں کی ڈسپنسری ہے۔ اس سپاہی کے آتے ہی سب کچھ ٹھیک ہو گیا اور ۲۰ منٹ میں ہم بروک ووڈ (BROOK WOOD) کے قبرستان جا پہنچے۔ ووکنگ کی مسجد کے امام صاحب نماز جنازہ پڑھا چکے تھے البتہ ان کے صاحبزادے وارث امیر علی صاحب معہ اپنی والدہ ماجدہ کے اس وقت تک وہیں موجود تھے۔ چنانچہ قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد میں ان کے پاس گیا اور تعزیت کی اس قبرستان میں ہزاروں ہی قبریں ہیں اور اس شہر خموشاں کا نام بھی (NECROLIS) ہے۔ ریل کی پٹری اس کے اندر تک آتی ہے۔ نہایت وسیع میدان میں باغ لگایا گیا ہے۔ جس کے چاروں طرف پختہ احاطہ کی دیوار ہے۔ نہایت عمدہ سڑکیں۔ روشیں چلنے پھرنے والوں کے لئے بنا دی گئی ہیں۔ بلکہ گھر آنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ ہم کو لنچ نہ ملنے کے باعث جو چاء کے وقت ووکنگ جا کر انڈے وغیرہ تلوانے پڑے۔ اس کی ضرورت نہ تھی۔ اس شہر خموشاں کے اندر ایک اچھی خاصی رسٹوران بھی موجود تھی جہاں لنچ کھایا جا سکتا تھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا حصہ مسلمانوں کے قبروں کے لئے ہے اور ایک حصہ پارسیوں کی قبروں کے لئے اور اسی طرح ایک حصہ ہندوؤں کی قبروں کے لئے ہے۔ مگر سید امیر علی صاحب نے عین حیات ہی ایک قطعہ اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لئے اس طرف خرید لیا تھا۔ جہاں متمول عیسائی دفن ہوتے ہیں۔ یوں تو تجہیز و تکفین کا انتظام کرنے والی کمپنی نے سب کچھ کر لیا

ہے۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ قبر کا رُخ کسی قدر غلط تھا۔ لیکن الحمد للہ کہ کچھ زیادہ غلطی نہ تھی۔ دفن کرتے وقت قطب نما تلاش کی گئی۔ اور ایک شخص کے پاس مل بھی گئی۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قبر کی سمت میں صرف تھوڑی سی کجی تھی۔ زیادہ نہ تھی اور امام صاحب نے میت کا منھ صحیح طور پر قبلہ کی سمت موڑ دیا تھا۔ ہم لوگ جب پہنچے۔ تو قبرستان میں پندرہ بیس ہی آدمی رہ گئے تھے۔ جن میں ایک لارڈ ہیڈلے اور پنجاب کے سابق لفٹننٹ گورنر سر لوئی ڈین تھے۔ لارڈ ہیڈلے کے پاس ہی ایک اور بزرگ بھی تھے۔ جن کا اسم گرامی انگلستان کے اخبارات اور رسالوں میں یا تو جنگ افغانستان کے بعد یکایک نظر آنا شروع ہوا تھا یا اب پھر دو سال سے مکہ معظمہ کی موتمر عالم اسلام کے بعد سے زیادہ تر اسی سلسلے میں پھر نظر آنے لگا ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ یہ "سردار" اقبال علی شاہ صاحب تھے۔ چونکہ اس سے ایک ہی روز پیشتر مجھ سے ان بزرگ سے ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی۔ جس کے متعلق میں ابھی کچھ عرض کروں گا۔ اور مجھ سے مایوس ہو چکے تھے۔ اس لئے اس بار علیک سلیک کی بھی نوبت نہ آئی۔ سر لوئی ڈین صاحب نے مجھے پہچان کر ارنہ میں مزاج شریف کہہ کر میرا حال دریافت فرمایا اور فرمایا کہ ہاں میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میں جواب میں الحمد للہ کہہ کر اور ان سے ہاتھ ملا کر آگے بڑھا۔ مجھے امیر علی صاحب کی قبر کا اور مسلمانوں کی قبروں کا اتنے فاصلے پر ہونا اور متمول انگریزوں کی قبروں سے اس قدر متصل ہونا کچھ زیادہ اچھا نہیں معلوم ہوا۔ مسلمانوں کی قبریں غالباً پہلے یہاں نہ تھیں۔ جتنے کتبے ملے ان سب کو میں نے پڑھا اور معلوم ہوا کہ سب سے پرانی قبر ایک خاتون ضعیفہ احمد فارسی کی ہے۔ جس وقت یہ بے چاری دفن ہوئی تھیں اس وقت تقابلہ

کسی کے پاس قطب نما بھی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ قبر کی سمت صحیح نہیں ہے۔
اس کے پاس ہی بمبئی کے مشہور و معروف اور نہایت قابل مسلمان ڈاکٹر
جلیبب جان محمد صاحب کی قبر ہے۔ جن کا یکایک ذیابطیس کے عارضہ
میں نیشنل لبرل کلب میں انتقال ہو گیا تھا۔ اسی قبرستان میں حیدرآباد کے
خطیب امجد حسین کھوکھر ضلع جہلم کے شیخ عبدالحمید اور اندھیر داؤد ابراہیم
موتالا کی بھی قبریں ہیں

. . . .

جن میں سے موخرالذکر کا موٹر کے تصادم سے اسی سال انتقال ہوا ہے اور
ان کے ایک رفیق جو اسی تصادم میں زخمی ہوئے تھے۔ اس بار ہمارے
شریک سفر تھے۔ انھیں قبروں میں ایک قبر مصطفےٰ صبحی نیز لوی کی ہے جو سفر کی
تھے اس کے نزدیک قبر آغا خاں صاحب کے چچازاد بھائی اور حاجی بی بی
صاحبہ کے بھائی آغا شمس الدین شاہ کی بھی ہے۔ اس قبر پر غالباً آغا
خاں کی طرف سے عبارت کندہ کی گئی ہے۔

برادر عزیزم

زرفتن تو من از عمر بے نصیب شدم
سفر تو کردی و من در وطن غریب شدم

آغا خاں صاحب کو کون غریب کہے گا۔ لیکن ان کی "غریب الوطنی" اب ایک
ضرب المثل ہے۔ نہ معلوم اس شعر میں کس وطن کی غربت کی طرف اشارہ ہے
ان بڑی بڑی پختہ قبروں کے علاوہ کتنی ہی کچی قبریں بھی ہیں اور چند پر بظاہر
حکومت کی طرف سے ڈنڈان جنگ میں لوح مزار بھی لگا دی گئی ہیں چنانچہ
حسب ذیل نوجی یہاں دفن ہیں ..... میں ان سب کے لئے فاتحہ پڑھ کر آیا

ہوں اور ان کے نام اس لئے لکھ لایا ہوں کہ اگر "ہمدرد" کے ذریعہ سے ان کے دور افتادہ پسماندوں کو جن میں سے شاید ہی کوئی ادھر آسکے اطلاع مل جائے کہ ایک مسلمان ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھ آیا ہے تو غالباً انھیں خوشی ہوگی۔

ان مسلمانوں کی قبروں میں ایک عجیب قبر بھی نظر پڑی۔ وہ ایک ہندو سپاہی کی تھی۔ جس پر اناللہ و انا الیہ راجعون کی جگہ اوم بھگوتی کھدا ہوا تھا۔ نہ معلوم یہ "اوم بھگوتی" نام تو نہیں اور اوم کی جگہ غلطی سے فقط ...... کھد گیا۔

مجھے اس وقت اس کی اطلاع نہ تھی کہ یہاں ہنود کا بھی کوئی قبرستان ہے اور قیاس بھی اس کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ ہنود کے مُردے تو جلادے جاتے ہیں۔ اس لئے صرف اس ایک ہندو کی قبر کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ اس کا نام موتی رام ۱۱۲ - انفنٹری ...... کھدا ہوا تھا۔ جب ہم وہاں سے چل دئے تو معلوم ہوا کہ ایک حصہ ہنود کی قبروں کے لئے بھی ہے۔ اور وہاں ہنود کی قبریں بھی موجود ہیں۔

مسلمانوں سے کچھ ہی فاصلے پر پارسیوں کی متعدد قبریں ہیں اور یہ حصہ بہت ہی زیادہ شاندار ہے۔ سب سے زیادہ عظیم الشان قبر تو وہ اڈیا صاحب کی ہے جس کے متعلق میں ابھی عرض کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک سقف حجرہ کے اندر سر رتن ٹاٹا کی قبر ہے اور دوسرے میں ان کے والد ماجد جمشید جی نوشیرواں جی ٹاٹا کی قبر ہے۔ اس کے سامنے جمشید جی کی ہمشیرہ مسز داراب جی سکلاتوالا کی قبر ہے۔ جس پر ان کا مجسمہ (صرف سر اور گردن وغیرہ) پتھر کا کھدا ہوا اٹھا دیا گیا ہے۔ داراب جی صاحب کی بھی قبر

نہیں ہے۔ غالبًا یہ شاپور جی کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کی
قبریں ہیں۔ مسز وادیہ جی کے چہرے پر اور بالخصوص آنکھ کے پاس کسی
پرند کی بیٹ پڑی ہوئی تھی۔ جسے میں نے وہاں سے علیحدہ کر کے
صاف کر دیا۔ اور شاپور جی کے لئے دعا مانگی کہ یہ بہادر اور سچا ہمدرد
نوع انسان اور محب وطن انسانوں اور ہندوستانیوں کی کامیابی کے
ساتھ خدمت کرتا رہے۔

مگر دیکھنے کے قابل واڈیا صاحب کی عالی شان قبر ہے۔ اس
شہر خموشاں میں آنسو گرانا تعجب کی بات نہیں۔ مگر ہنسی آنا ضرور تعجب
لیکن ہم میں سے ایک بھی اپنی ہنسی کو ضبط نہ کر سکا جب کہ ہم نے ایک
جانب اس کتبہ کو پڑھا۔

I AM NOWROJI NASHIRWAJI WADIA OF
THE ANCIENT ARYAN RACE OF PERSIA. A CITIZ-
N OF THE LOYAL TOWN OF BOMBAY, WHO LIES HERE
PEACEFULLY UNDER THE FAR-OFF SKY OF WIDE-FAMED BRITON

داس کا ترجمہ آپ ہی فرمائیں۔ نہ معلوم وہ بمبئی جس میں زبیان اور بھروچہ
جیسے پارسی آج بھی ہیں۔ جس میں دادابھائی نوروجی اور فیروز شاہ مہتا
اور جمشید جی نوشیرواں جی ٹاٹا اور رتن ٹاٹا جیسے پارسی گذر چکے ہیں
وہ واڈیا صاحب کے اظہار وفاداری اور اس پر اس قدر اصرار کے
متعلق کیا کہے گا۔ کیا بمبئی میں صرف جلیس وفاداری ہی ملتی ہے، حق
پرستی، حب وطن اور حریت کی جنون کا وہاں کال ہے۔؟ برطانیہ کی
شہرت یقیناً دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے آسمان کو کیوں "دور" کہا گیا۔ ہر جگہ کا آسمان وہاں کی زمین سے یکساں فاصلے پر ہوگا۔ یہ برطانیہ کا آسمان اس قدر "دور" کیوں ظاہر کیا گیا۔ اس نکتے کو جس نے پڑھا وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ مگر آنجہانی واڈیا صاحب کا اس میں قصور نہیں ہے "مردہ بدست زندہ" بہ ظاہر ان کے کسی "وفادار" پسماندہ نے ان توقعات کی بنا پر جو انھیں "دور دراز شہور برطانیہ" سے ہیں برطانیہ کے آسمان اور "وفادار" ممبئی کی زمین کی اس طرح مٹی پلید کی ہوگی۔ لیکن یہ عبارت بظاہر کسی پارسی کی بھی تصنیف کردہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ باقی تین جانب جو اور ہیں ان کی عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو ژندا دستا سے نہیں زیادہ بائیبل پر عبور ہے "اہورامزدہ" کا نام تو صرف ایک جگہ آیا ہے۔ لیکن FATHER OF REDEE اور SAVIOUR کے القاب کی تکرار کی گئی ہے اور اسی طرح HIS CHILDREN (LORD - GOD) کی اور ذیل کی عبارت کو پڑھئے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ کسی عیسائی کی تصنیف کردہ ہے۔

THOU WHO OPENDED THE GATE OF THE MORNING TO THE ASCENDING SON. O, THOU SUN OF RIGHTEOUSNESS ARISE WITH HEALING IN THE WINGS & LIFE OF THE LIGHT OF THY COUNTENANCE ON US THAT IS THY LIGHT WE MAY SEE THE LIGHT OF THE LIFE EVER LASTING.

ہم یہاں سے چلے تو لڑکوں کو بھوک لگی تھی۔ اس لئے وہ گنگ میں داخل ہوتے ہی کا یرج ہوٹل ملا۔ وہاں موٹر روکی اور ہوٹل میں داخل ہوکر خانساماں یا "خانم ساماں" کی تلاش کی۔ ایک میم صاحبہ جو غالباً

مالکہ بھیتی نکل آئیں اور پہلے تو چائے دینے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن جب میں آگے بڑھا اور میں نے پوچھا کہ ع کہئے کچھ اور بھی ہمت ہو گی۔ یہ لڑکے بھوکے ہیں۔ لنچ اب تک نہیں کھایا ہے۔ تو انھوں نے گھبرا کر چائے دینے سے بھی انکار فرما دیا۔ ہم سب کا قیاس ہے کہ انھیں "شیخ" سے خوف آیا اور ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں "شیخ" اپنی عبا میں ہوٹل کے چھری کانٹے اور چمچے دبا کر نہ لے جائیں یا کہیں مالکہ ہی کا مالک نہ بن بیٹھے۔ میں نے دو تین دن ہوئے اپنے مکان سے قریب ہی سینما میں وہ فلم دیکھا۔ جس کا THE SHEIKH'S SON عنوان ہے اور جس میں روڈلف ویلنٹینو RODALF VOLANTINO آنجہانی مراقش کے ایک نوجوان "شیخ زادہ" کا "پارٹ" کرتا تھا۔ ان فلموں کو دیکھ کر کچھ تعجب نہیں۔ اگر ان ممالک والے اس اندیشہ سے متردد ہوں کہ اگر شیخ زادوں کی دراز دستیاں یہ ہیں تو نہ معلوم خود "شیوخ" کی دراز دستیاں کیسی ہوں گی۔

جی میں تو آیا کہ ہوٹل کی مالکہ صاحبہ کو مجبور کیا جائے۔ کہ قانون کی رو سے وہ ہمارا مطالبہ مسترد نہ فرمائیں۔ لیکن ان کی سراسیمگی پر رحم آیا اور قصبے میں آگے جا کر رسٹوران میں چائے پی گئی۔ سلاد کھایا گیا۔ اور انڈوں کی آملیٹ (جس کو خانساماں "مالیٹ" سمجھتے ہیں) لڑکوں کو کھلائے گئے (جس کو میں نے بھی لیا

اب ذرا "سردار" اقبال علی شاہ صاحب کا حال سنیے۔ آپ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ان "خوردہ دار" نے علی برادران کے خلاف کیا کیا زہر اگلا ہے۔ یہ افغانوں کے اس مشہور خاندان کے ایک سپوت ہیں جو غالباً حکومت افغانستان کے خلاف کچھ کارروائی کر کے ہندوستان کو بھاگ آیا تھا اور یہاں سردھنہ ضلع میرٹھ میں آ کر پناہ گزیں ہوا تھا۔ اس خاندان کے بہت افراد سے مجھے نیاز حاصل ہے اور بعض تو علی گڑھ میں ہمارے ساتھ پڑھے

بھی ہیں "سردار" اقبال علی شاہ صاحب بھی علی گڈھ کے پرانے طالب علم ہیں اور
جب میں ۱۳ء میں سید وزیر حسن صاحب کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اس
وقت آپ ایڈنبرا میں تعلیم پاتے تھے۔ امتحان تو شاید یہاں ایک بھی پاس
نہیں کیا۔ مگر ایک میم صاحبہ سے شادی ضرور کرلی۔ سنا ہے کہ ایک عرصہ تک
تو ان کے والد ماجد نے جو تحصیلدار تھے۔ کچھ روپیہ بھیجا۔ لیکن اسکے
بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ان کے علی گڈھ کے ایک رفیق کے پاس انکا ایک
طویل طویل خط ہے۔ جس میں انھوں نے اپنے اقتصادی مشکلات کی داستان کو
دہرایا ہے اور پھر بتایا ہے کہ کس طرح غازی امان اللہ خاں کے اعلان جنگ
کے بعد ان مشکلات کا حل اس طرح نکل آیا کہ انھوں نے یہاں کے اخبارات
کو برطانیہ کی تائید میں مضامین بھیجے جو پہلے ستر ہوتے رہے لیکن بعد کو انڈیا
آفس کے ایما سے (اور مجھے یقین ہے کہ "اصلاح" کے بعد) شایع ہونے لگے
جب میں ۱۹۲۰ء میں پھر یہاں آیا۔ تو یہ بھی مجھ سے ملنے آئے۔ مگر میں نے
التفات نہیں کیا۔ البتہ حیات[1] صاحب کی مروت نے انھیں مجبور کیا کہ ملاقات
سے انکار نہ کردیں۔ اس لیئے وہ ایک بار آپ ہمارے مکان پر تشریف لائے
۱۹۲۰ء میں آپ مجھ سے دہلی میں ملے اور دو کریڈ کے اسٹاف میں نوکری کی
خواہش کی اور نمونۃً ایک مضمون بھی لکھ کر دیا۔ میں اگر ان پر اعتماد کر بھی سکتا تب
بھی اس مضمون نے ان کی قابلیت کی ایسی قلعی کھول دی کہ ان کو نوکری دینا
میرے لئے ناممکن ہوگیا اور زیادہ سے زیادہ یہ کرسکا کہ ان کے سخت اصرار پر
ان کے مضمون کی عبارات کو بار بار اصلاح دے کر اسے "کامریڈ" میں چھاپ دیا
گیا۔ اس کے بعد انھوں نے THE NEW SPECTATOR

[1] حسن محمد حیات صاحب بی۔ اے علیگ (پنجابی تم بھوپالی) وفد خلافت میں مولانا کے سکریٹری)

نام کا ایک ہفتہ وار پرچہ خود نکالنا شروع کیا۔ جس کو یہ میرے نام بھی بھیجتے رہے
پہلا پرچہ بھیجتے وقت جو خط میرے نام ارسال فرمایا تھا۔ اس میں میرے ساتھ
اپنی عقیدت مندی کا بہت کچھ اظہار فرمایا گیا تھا۔ لیکن اس پرچے کے پہلے ہی
صفحہ پر آپ کا پہلا ہی نوٹ شوکت صاحب کی مذمت میں تھا۔ جلد ہی معلوم
ہو گیا کہ اس پرچے کی اشاعت کی غرض کیا تھی۔ نواب صاحب بھوپال کے
خلاف ہر پرچے میں زہر اگلا جاتا تھا اور ان کے بھتیجے کو ریاست کا حقدار بتایا
جاتا تھا۔ چند ماہ بعد آپ نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ کا یہ پرچہ میں
اپنے پریس میں شایع کیا کروں۔ جس سے میں نے فوراً ہی انکار کر دیا۔ اسکے
بعد پرچہ شائع ہونا بند ہو گیا۔ اگر کسی شخص کو یہ حسن ظن ہو کہ جو مضامین آپ کے
نام سے یہاں کے اخبارات اور رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وہ
آپ ہی کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ دفتر "کامریڈ" اور "ہمدرد" سے
THE NEW SPECTATOR کی فائل منگا کر اپنی ضعیف الاعتقادی کی اصلاح
کر سکتا ہے خیالات پریشان اور رکیک عبارت بے ربط اور ناقص یہ آپ کی
حقیقی قابلیت کے ثبوت میں موجود ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی کسی کو مزید ثبوت
درکار ہو تو وہ مئی یا جون سنہ ۲۰ء کی "پایونیر" کی فائل اٹھا کر دیکھ لے۔ جس میں
ایک پرچہ میں پڑھنے والے کو پہلے ہی صفحہ پر ایک ایڈیٹوریل نوٹ ملے گا جس میں
میرے ایک خط کا جو میں نے یہاں سے شوکت صاحب کے نام لکھا تھا۔ مذاق اڑایا
گیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ پرچہ میری نظر سے گذرا تھا۔ لیکن اس نوٹ کے بعد
ایک اور نوٹ بھی ہے۔ جس میں "سردار" اقبال علی شاہ وسط ایشیا کے
(EXPERT) (ماہر) کے ایک مضمون کے متعلق جو یہاں ایک مصور پرچہ میں
مع چند تصاویر کے شایع ہو چکا تھا۔ درج ہے کہ اس میں جو تصویر دی گئی ہے

وہ یقیناً "سردار" صاحب نے اپنے سفر کے ایام میں ہرگز نہیں کھینچی تھی نہ اس مقام کی تصویر ہے۔ جس کا سردار صاحب نے ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ اس سے بہت دور ایک اور مقام کی تصویر ہے اور ایک انگریز فوجی افسر کی کھینچی ہوئی ہے۔ جو اس کی ایک تصنیف کردہ کتاب میں شائع ہو چکی ہے۔ اور اس کے فلاں صفحہ پر موجود ہے۔ اور ہمارے وسط ایشیا کے محقق ایک سارق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ کے اخبار کے بند ہونے کے بعد آپ کی میم صاحبہ ہندوستان سے ولایت کو چل دیں اور اس "جنوری" کے "دسمبر" کی طرح ؎

سالہا سال ہوئے ہیں ترے پیچھے پھرتے جنوری تو ہے تو اب ماہ دسمبر میں ہول

آپ نے تو اُف کی ٹھانی۔ سنا گیا ہے کہ والد ماجد سے روپیہ کا پھر مطالبہ کیا گیا۔ اور جب ان غریب نے کہا کہ میرے پاس روپیہ کہاں ہے تو ان کو دھمکی دی گئی کہ اگر روپیہ نہیں دیا گیا تو ایک دیوانی کے مقدمے میں فریق ثانی کی طرف سے ان کے خلاف گواہی دے دی جائے گی۔ اس پر ان کے دوستوں نے کہا کہ بھائی کہیں سے قرض دام لے کر دو ورنہ مقدمہ بگڑ جائے گا۔ چنانچہ کچھ روپیہ اس طرح ملا۔ اس کے بعد بمبئی تشریف لائے تو حبیب الرحمٰن خاں صاحب (نواب صدر یار جنگ بہادر) جو یقیناً ان کے والد ماجد کو ان کی علی گڈھ کی تحصیلداری کے زمانہ سے جانتے تھے۔ عازم حج نظر آئے۔ پھر کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عجیب بات ہے۔ میں بھی احرام سفر باندھ کر آیا ہوں۔ مگر جدہ کا ٹکٹ نہیں ملتا۔ انھوں نے فرمایا کہ بھائی ایک ٹکٹ تو میرے پاس ہے۔ چنانچہ اس ٹکٹ کو لے کر آپ نے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا اور انھیں کے طفیلیوں میں آپ جلالۃ الملک عبدالعزیز آل سعود الحجاز والنجد

ملحقا تھا کے "نہان" بنے اور ان سے مکہ معظمہ میں ملاقات بھی کی اور ایک دن جو غالباً پہلا ہی دن تھا۔ ان کے ہمرکاب آپ موتمر عالم اسلام میں بطور رزنیٹر کے شریک ہوئے۔ یہ باتیں میں نے مکہ معظمہ ہی میں سنی تھیں۔ مگر چونکہ میں نے خود تحقیقات نہیں کی ہے۔ اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک صحیح ہیں۔ مکہ معظمہ پہنچ کر آپ ہم سے بھی ملنے آئے۔ وہاں پہلے ہی سے متعدد جواسیس "دولت مشہور برطانیہ" کے موجود تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی ہم سب بول اٹھے۔ کہ آہا۔ آپ بھی تشریف لے آئے۔ آپ ہی کی کسر تھی۔ کم از کم مکہ معظمہ میں تو نہ انگریزی ٹوپی "برسر" تھے اور نہ لباس انگریزی "در بر" غالباً ٹوپی ترکی تھی اور ریشم کا لانبا کوٹ تھا اور ٹانگوں میں شلوار۔ لیکن اس بدبخت کی کم نصیبی کو کیا کہا جائے گا جو اس طرح مفت سفر کر کے بھی حج سے دو دن پہلے جدہ کو چل دئیے اور وہاں سے عازم یورپ ہو جائے۔

جو دو تراشے "ٹائمز" میں مضامین کے ماجدیاں نے مجھے ارسال فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک مضمون میں ایک عبارت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موتمر عالم اسلام کے جلسے اس ترکی قلعہ میں منعقد ہوئے تھے جو پہاڑ پر واقع ہے حالانکہ سارے جلسے جہاز کے میدان والی کشلہ یا ترکی فوجی بارک میں ہوئے تھے جو اس پہاڑ اور قلعے کے نیچے واقع ہے۔ اس عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مضمون لکھنے والا کوئی ایسا شخص ہے۔ جس نے اس قلعے کی تصویر ہی دیکھی ہے اور غلطی سے ترکی کشلہ کو ترکی قلعہ سمجھ گیا ہے اور خود موتمر میں ہرگز موجود نہ تھا۔ حالانکہ "سردار" صاحب ایک دن ضرور رزنیٹر کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ یعنی نام تو آپ کا نہ تھا مگر کام کسی انگریز کا تھا۔ آپ کا کام صرف اس قدر تھا کہ شوکت علی محمد علی کے خلاف چند جھوٹی باتیں دل

سے گھر گر دشمنان اسلام اور دشمنان ہندوستان کے ہاں آپ فروخت ز ہادی تھیں اس موتمر کے بعد کے بعد آپ کے نام سے نہ شائع کر دئیے گئے ہونگے تو ۲۰-۲۵ مضامین شائع کر دئیے گئے ہوں گے۔ اور اس کے بعد آپ کا ایک لیکچر ساؤتھ فیلڈ کی اس قادیانی مسجد میں زیر صدارت سر مائیکل اوڈوائر سابق لفٹنٹ گورنر پنجاب دلوایا گیا تھا۔ جس کے افتتاح کا وعدہ کر کے شہزادہ فیصل ابن عبد العزیز آل سعود نے بالآخر انکار کر دیا تھا اور جس کے لئے قادیان سے میرے پاس ایک تار آیا تھا کہ میں سلطان ابن سعود کو پھر آمادہ کروں کہ اپنے صاحبزادہ کو اس مسجد کے افتتاح کی اجازت دے دیں۔ مضامین اور لیکچر دونوں علی برادران کی مذمت سے بھرے ہوئے تھے۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس مکان کی مالکہ صاحبہ نے سب سے اوپر کی منزل سے سب سے نیچے کی منزل میں یہ کہلوا کر طلب فرمایا کہ ایک صاحب آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنا چاہتے ہیں اور ان صاحب نے فرمایا کہ میرا نام اقبال علی شاہ ہے۔ ٹیلیفون پر جو مکالمہ ہوا اب اُسے سنیئے۔

"سردار" اقبال علی شاہ۔ مولانا السلام علیکم۔ معاف فرمائیے گا میں نے آپ کو تکلیف دی۔

محمد علی۔ وعلیکم سلام

س۔ ا۔ ع۔ ش۔ مجھے اس کا علم نہ تھا کہ آپ کو اوپر سے نیچے آنا پڑے گا۔ میں سمجھا تھا کہ ٹیلیفون آپ ہی کے کمرہ میں ہے۔

م۔ ع۔ ارشاد فرمائیے۔

س۔ ا۔ ع۔ ش۔ فرمائیے آپ کا مزاج تو اچھا ہے۔

م۔ ع۔ جی ہاں۔

س۔ ا۔ ع۔ ش۔ آپ کا قلب تو نہایت وسیع ہے۔

م۔ ع۔ مگر میرا دماغ بالکل تنگ نہیں ہے۔

س۔ ا۔ ع۔ ش۔ کیا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں۔

م۔ علی۔ جی نہیں

س۔ ا۔ ع۔ ش۔ میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ امید ہے کہ آپ نے میرا قصور معاف کر دیا ہوگا۔

م۔ ع۔ اور میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جی نہیں۔

اس کے بعد میں نے اِن ذاتِ شریف کو ان کے تمام مضامین یاد دلائے اور ان کا لیکچر یاد دلایا اور کہا کہ میں تنگ دل نہیں ہوں لیکن اس قدر ضعیف الدماغ بھی نہیں ہوں کہ ایسے پاجیوں سے دھوکا کھاؤں مجھے تعجب ہے کہ برطانیہ کے ایسے گرگوں کو جو اس کی طرف سے ایسے گندے کام اور جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔ کیسے ہمت ہوئی کہ مجھ سے ٹیلیفون پر گفتگو کریں اور مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں۔ میں نے کہا کہ اب اس سلسلہ کو ختم ہونا چاہیئے اور میں نے ٹیلیفون کو فوراً منقطع کر دیا۔

اب اس خط کو بھی اسی خاتمہ بالخیر پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ورنہ بے چاری بیگم صاحبہ کے نام دو سطریں نہ لکھ سکوں گا۔ مہاراجہ پٹیالہ کا لیکچر اور ٹیکسی والے کی میرے ساتھ گستاخی اور اس کا ثمرہ اور اس ثمرے کا جو بنگالی طالب علم کو اور مجھے چکھنا پڑا وہ داستان اس ہفتے بھی ملتوی رہی۔ انشاء اللہ کل پرسوں اسے لکھ رکھوں گا۔ تاکہ اگلے ہفتے ضرور ضرور آپ تک جا سکے۔

"ہمدرد" کی اشاعت کے متعلق کوئی صاحب کچھ نہیں تحریر

زماتے۔ پرچہ ماشاء اللہ خوب نکل رہا ہے۔ خرچ ظفر الملک صاحب کی ہمت سے گھٹ گیا ہے۔ اور اس پر بھی دس صفحے نکل رہے ہیں اور بارہ کا ارادہ ہے خدا اجر خیر عطا فرمائے۔ مگر یہ تو بتائیے کہ تعداد میں کس قدر اضافہ ہوا۔ اب آپ صاحبوں اور "ہمدرد" اور اسلام اور ہندوستان کے لئے دعا پر اس عریضے کو ختم کرتا ہوں۔ آپ کا بھائی محمد علی

گذشتہ جمعرات کو یعنی ۲۰ اگست کو میں دار العوام گیا تھا۔ جمعہ کو دار العوام کا آخری اجلاس تھا اور سکلات والا کے پیہم اعتراضوں اور سوالوں پر لیبر پارٹی نے محض نام کے واسطے بجٹ کے سلسلہ میں ہندوستان کا مسئلہ بھی چھیڑا۔ صرف دو گھنٹے ایک شب ہندوستان کے ۳۲ کروڑ انسانوں کے لئے بھی وقف کئے گئے۔ مگر وہ بھی آخری اجلاس میں۔ اور کنزرویٹو فرقہ والوں نے حمد اکینڈا کو انگریزی مزدور بھیجنے کے سلسلہ میں فضول تقریریں کرکے اور وزیر محکمہ کے جواب کے بعد بھی تقریر کے سلسلہ کو جاری رکھ کر اور خلاف انتظام طے شدہ بیان کے سابق سپاہیوں کی سول سروس میں نوکری کے مسئلہ کو بھی اٹھا کر اتنی دیر لگادی۔ کہ ہندوستان کا ذکر خیر بجائے ۹ بجے شب کو ساڑھے دس بجے شروع ہوا اور ساڑھے بارہ بجے ختم ہو گیا۔ رات کے بارہ بجے تک کی کاروائی اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" کی فائل کے ساتھ بھیج دی ہے اور باقی کاروائی یوسف حسین خاں (برادر ڈاکر صاحب جو آجکل میرے ہمراہ اسی مکان میں مقیم ہیں) خرید کر کے غالباً آج ہی آپ کو روانہ کر دیں گے۔ سکلات والے کی تقریر بے مثل تھی۔ اور ارل ونٹرٹن نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ اس کا مطلق جواب نہ دیں۔ کل مباحثہ کا حال انشاء اللہ اگلے ہفتے ارسال کروں گا۔ محمد علی

(۱۹)

۱۲ر مارچ ۲۹ء رنگون

باتصویر جوبلی نامہ کی طبع و اشاعت میں تو مضائقہ نہیں ہمدرد کے خریداروں کے پاس بھیج دیا جائے۔ لیکن خود ہمدرد نے کوئی خصوصی نمبر شائع نہیں کیا ہے۔ اس لئے ہمدرد کا جوبلی نمبر مجھے پسند نہیں[۱]

محمد علی

(۲۰)

۱۲ر جون ۲۹ء

۲۵ر راجپور روڈ۔ دہلی

پیارے ماجد میاں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

الحمد للہ کہ آپ بھی اس سعادت کو حاصل فرما کر اعزا و احباب میں آکر شامل ہو گئے۔ کاش میں بھی آپ کے ساتھ گیا ہوتا۔ مگر دیکھیے اب یہ سعادت کب

---

[۱] مولانا یورپ کے سفر صحت سے واپس آکر خلافت کمیٹی کے کام کے لئے مع مولانا آزاد سبحانی کے رنگون (برما) روانہ ہو چکے تھے۔ ہمدرد کی نگرانی ابھی بدستور میرے ہاتھ میں تھی۔ یورپ میں علاج کا پر مصارف سفر مہاراجہ الور کے روپیہ سے ہوا تھا۔ اب مہاراجہ کی جوبلی ہو رہی تھی۔ اور وہ لوگ چاہتے تھے کہ اجرت پر جوبلی کے مضامین ہمدرد میں شائع کرائیں۔ میں نے تار دے کر مولانا سے دریافت کیا تھا۔ یہ اس کا جواب ہے۔ مولانا کی جگہ کوئی دوسرا اخبار نویس ہوتا تو اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور معقول اجرت لے کر ضرور اپنے پرچہ کا ایک خاص نمبر نکال دیتا۔

نصیب ہوتی ہے۔ سنہ ۱۳۴۵ھ[1] سے اس وقت تک ہزاروں لاکھوں گناہوں کا بوجھ اور اپنے سر لے چکا ہوں اور اب تو بے حد شقی القلب ہو گیا ہوں۔ کاش پھر میدان عرفات میں سہ پہر کو بیٹھ کر دل کو بخشش کی امیدوں سے بھرتا۔ اور کاش پھر دیار حبیب پہنچ کر مولد سے مدفن مبارک کی طرف روانہ ہوتا اور روضہ پاک پر ندامت کے آنسو گراتا۔ اور پھر گھنٹوں وہاں بیٹھ کر آپ کی مدینہ منورہ کی ساری زندگی کا تصور کرتا اور قلب مضطر کو مسرور کرتا، اور بعض وقت باوجود اس ادب کے جس نے مزار مبارک کے پردے کو اپنے گندے ہاتھ نہ لگانے دئیے۔ پھر ایک بار عرض کرتا کہ ؎

رکھئے گا آج بھی دیدار سے محروم ہمیں ‏ ‏ تھی جو اک حسرت پابوس بدستور ہے آج
رقص بسمل کی ذرا اور اجازت دیجیے ‏ ‏ حسن مسئول نہیں، عشق بھی مجبور ہے آج
عشق خود باعث و سرمایۂ صد بدعت ہے ‏ ‏ رحم کر رحم کہ عاشق ترا معذور ہے آج

اپنے والدین، بھائیوں اور بہن اور آمنہ[2] کے لئے اور دوسرے اعزا و احباب نیز اپنے پیر و مرشد[3] کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔ حمیدہ[4] کی صحت کا سوال کرتا نیز اپنی صحت کے لئے بھی عرض کرتا اور ان سب سے پہلے سب کے بعد بھی مسلمانان عالم اور بالخصوص ہندوستان کے اس مہلک انتشار اور ان کی اس بے فکری کو دور کرنے کے لئے گڑگڑاتا مگر یہ نصیب کہاں۔ نہ معلوم اب کب جانا ہوتا ہے۔ تشریف حسین ہی کے قبضہ

---

[1] مولانا کا سال حج۔

[2] مولانا کی محبوب لڑکی متوفیہ ۱۳۴۳ھ۔ مولانا کی ہمشیر کا انتقال بھی حال میں ہوا تھا۔

[3] یعنی مولانا عبد الباری فرنگی محلی۔

[4] مولانا کی تیسری لڑکی اس وقت بیمار تھی صاحب فراش

کو میں قبضہ دشمن سمجھتا تھا اور جب جب موسم حج آتا تھا۔ یہ کہہ کر دل کو سنبھالا کرتا تھا کہ ؎

کیا جاؤں کوئے یار میں بدوں اذن خیر سے۔
ہے انتظار دیکھئے کب تک بلائے دوست

دیار حبیب کے متعلق ہزاروں سوال کرنا ہیں۔ مگر اس کے لئے تحریر بے فائدہ ہے۔ حسب وعدہ تشریف لائیے اور سب کچھ سنائیے۔ افسوس کہ نہ آپ کے جانے وقت بمبئی پہنچ سکا نہ آپ کی واپسی پر آپ کا خیر مقدم کر سکا جو حالات ہیں ان کو بالتفصیل شوکت صاحب کو لکھ چکا ہوں اس لئے کہ بظاہر وہ اب تک ان سے بے خبر تھے۔ دو دن صرف کر کے اہم صفحے کا خط لکھا نہ معلوم وہ آپ کو دکھایا گیا یا نہیں یا عرفان صاحب سے آپ کو یہاں کے حالات کا پتہ چلا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ اہم صفحے کا خط بھی بے کار گیا اس لئے کہ شفیع داؤدی صاحب کا عجیب وغریب خط آیا ہے کہ آپ کی پریشانی سے سخت تشویش ہے۔ کوئی تدبیر سوچنا چاہیے۔ یہاں آئیے تو سوچیں وہاں گرمی بھی سخت ہے۔ یہاں بارش ہو گئی ہے۔ اگر حمیدہ اور بیگم صاحبہ نہ آسکیں تو آپ ہی چلے آئیے۔ شوکت صاحب سخت پریشان ہیں۔ میں نے انھیں کہتے سنا ہے کہ I AM COLLASPSING NOW جو اس سے پہلے کبھی ان کی زبان سے کسی نے نہیں سنا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ فسادات بمبئی کی کمیٹی کی شہادت لے رہی ہے۔ میں سب سے کہتا تھا کہ ایک محمد علی ان سب کے لئے کافی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جس کے معنی یہی ہیں کہ بمبئی کے فسادات بمبئی کی کمیٹی کے سامنے شہادت دو۔ اور شہادتیں دلواؤ۔ لیکن کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ میں بھی کبھی معذور ہو سکتا ہوں اور آج ابھی

علالت نہ سہی، حمیدہ کی علالت کے باعث معذور ہوں۔ آرمنہ مرحومہ کی علالت کی تشخیص ہو چکی تھی۔ علاج تجویز ہو چکا تھا۔ تیمارداری کے لئے اپنی بیوی کو چھوڑ کر کہاں نہیں گیا؟ جب اس کی آخری گھڑیاں گنی جارہی تھیں۔ اس وقت بھی مصطفیٰ کمال کو بھیجنے کے لئے ایک طول طویل تار کا مسودہ تیار کر رہا تھا اور الغائے خلافت کو لڑکی کی موت سے بھی زیادہ اہم شے سمجھتا تھا۔ مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ اب تک مرض ہی کوئی تشخیص نہ کر سکا تھا۔ اس لئے کوئی علاج مفید ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ اب بخار روز ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵ اور اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ہر وقت متلی ہوتی ہے نہ غذا ٹکتی ہے نہ دوا۔ نقاہت کا یہ عالم ہے کہ دوا پینے کے لئے اُٹھنا بھی محال ہے۔ آج اس ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہوں، کل دوسرے سے۔ پرسوں تیسرے سے۔ ڈاکٹر۔ لیڈی ڈاکٹر۔ حکیم۔ وید کوئی نہیں چھوٹتا۔ ملیریا۔ دق (BACCILLUS COLI) نسوانی امراض ہر ایک کے متعلق امتحان ہو چکا اور ایک چیز ثابت نہ ہوئی۔ ڈاکٹر انصاری اور مولوی عبدالغفار قصوری (کار فرما پنجابی ٹولی و سرگروہ نا بیان) کے بھتیجے ڈاکٹر محمد جلیل قریشی نے سب جتن کر دیکھے اور مجبور ہو کر کہا کہ اب سول سرجن سے آزادانہ رائے طلب کرو۔ چنانچہ ان کو دکھایا گیا اور صرف ایک چیز باقی رہ گئی تھی۔ سو انھوں نے احتیاطاً اس کی بھی فرمائش کی یعنی (X - RAY) سے آنتوں کا امتحان۔ لیڈی ہارڈنگ زنانہ ہسپتال میں بھی اس کا سامان موجود تھا۔ مگر سنا گیا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر جو تصاویر لیتی ہیں گرمیوں میں رخصت پر پر چلی گئی ہیں۔ اس لئے مجبوراً سول ہسپتال میں حمیدہ کو لے جا کر تصاویر کھچوائیں۔ یہ ہسپتال نہایت ہی گندہ اور تکلیف دہ مقام ہے۔ کوئی کمرہ

ایکس رے کے کمرے کے پاس ایسا نہ تھا۔ جہاں مریضہ بارہ تیرہ گھنٹے رکھی جاسکے۔ خوشامد اور کسی قدر سختی دونوں کے استعمال سے ایک کمرہ میں سول سرجن سے کہہ کر لیا اور ۸ بجے صبح کو ایمبولنس کار (AMBULANCE CAR) میں ڈال کر حمیدہ کو سول اسپتال لے گیا۔ خود نماز فجر کے بعد ہی سے گیا ہوا تھا۔ تب جاکر اس کمرے کو صاف کرایا۔ دھلوایا۔ خس کی ٹٹی وغیرہ کا انتظام کرایا۔ (پہلے LUMBER ROOM کا کام دیتا تھا) پنکھا لگوایا گیا۔ دودھ ڈبل روٹی میں (BISMITH) ملاکر ہزاروں دقتوں سے حمیدہ کو کھلوایا گیا اور ہر وقت متلی کا خوف تھا۔ ایک معجزہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی وقت سب کچھ نہ ڈال دیا گیا۔ اس لئے کہ جبر غذا مرغوب ترین ہوتی تھی۔ وہ تک اسی طرح ڈال دی جاتی تھی۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس دن اسی وقت نہ ڈالا۔ ایک تصویر اسی وقت لی گئی۔ دوسری ایک بجے دوپہر کو۔ تیسری پانچ بجے اور چوتھی رات کے آٹھ بجے۔ اس کے بعد حمیدہ کو لے کر ہم لوگ اس کوٹھی پر جو ماجد[1] نے ارسئی سے ڈاکٹر طاہر ان کے ولایت جانے پر ان سے پانچ ماہ کے لئے کرایہ پر لی ہے۔ چلے آئے۔ دوسرے دن صبح کو ۸ بجے پھر ہسپتال گئے۔ اور پانچویں تصویر کھچوائی۔ ان تصاویر سے پتہ چلتا ہے کہ غذا کتنی دیر آنتوں میں گھومتی ہے۔ پانچ بجے کے بعد دودھ کی برف دی گئی۔ دو آدھ گھنٹے بعد ڈال دی گئی اور متلی پھر ہر روز کی طرح ہوتی رہی۔ ڈاکٹر نسیم انصاری نے جو ابھی دہرہ دون میں ایکس رے کا کام سیکھ رہے تھے کہا کہ یہ تصاویر اچھی نہیں بنیں اور تقریباً سو روپیہ بیکار ضایع ہوا۔ سول

---

[1] ماجد علی خاں۔ حمیدہ بی کے شوہر

سرجن ان کو ناقص تو نہیں بتاتے۔ مگر ان سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ البتہ گمان کرتے تھے کہ آنتوں میں دق ہے۔ نعیم انصاری[1] کی صلاح تھی کہ دوسرے دن میں پھر تصاویر لی جائیں مگر جس دن یہ تصاویر لی گئیں۔ اسی دن سول سرجن نے احتیاطاً BACILLUS COLI کے لئے پھر قارورہ بھجوایا تھا اور گورنمنٹ کے (ANALAYST) کی رائے ہے کہ BACILLUS COLI کی CULTURAL GROWTH ہوئی۔ حالانکہ اواخر مارچ میں ڈاکٹر سیلن نے قارورہ کا امتحان کیا تھا تو باوجود ڈاکٹر انصاری کے گمان کے رپورٹ کی تھی (CULTURAL REPORT) نہیں ہوئی اور یہ جیسی تس موجود نہیں ہے۔ اس رپورٹ کے بعد علاج میں کایا پلیٹ ہو گئی ہے۔ اور اب پھر BACILLUS COLI کا علاج جاری کیا گیا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر انصاری اور قریشی اس علاج کو چھوڑ چکے تھے۔ اب اسی قارورہ سے (VACCINE) تیار ہو رہا ہے اور چار پانچ کے روز کے بعد مل جائے گا تو ٹیکے لگانے شروع کئے جائیں گے ڈاکٹر انصاری نے پہلے پہاڑ جانے سے روک دیا تھا۔ ورنہ اپریل ہی میں منصوری بھیج دیا جاتا۔ مگر اب تاکید ہے اور سول سرجن زور دے رہا ہے۔ ماجد بیچارہ صفدر علی صاحب قدر دانی کے۔۔ ۔۔ ۔۔ باعث سخت پریشان ہے۔ حکم کے سامنے مقدور مجبور ہا ہے اور کوئی اُمید تصفیہ کی نہیں اور انھوں نے سب ریاستوں کو لکھ کر بلوں کی ادائیگی و کوادی ہے۔ خود دتاً فوقتاً اپنے لئے اپنی بیوی بچوں کے لئے اعونیز اپنی ایک۔۔۔۔۔ تک کے لئے رقمیں لیتے رہے مگر اب MALARIAL SUPPLIERS کے BILLS ماجد کی FIRM کے نام

---

[1] یہ بھی ایک اچھے ڈاکٹر تھے۔

آ رہی ہیں اور چار پانچ روز سے سخت تقاضے ہو رہے ہیں اور روپیہ ہر جگہ بند پڑا ہے۔ وہ مارا مارا پھرتا ہے اور میں بھی کوچہ چیلاں پر اپنا بندھا بندھایا سامان چھوڑے ہوئے یہاں تیمارداری کرتا ہوں اور رات کو پہرہ دیتا ہوں۔ اب پہاڑ بھی مجھ ہی کو جانا پڑے گا۔ یہاں میں مکان کو تبدیل کرنا چاہتا تھا مگر پریس کو اکھڑوانا ناممکن ہے۔ اس کی فروخت کی اجازت DEBENTURE HOLDER سے لینا ہے اور پھر فروخت کرانا ہے۔ مگر مالک مکان صرف پریس کا حصہ کرایہ پر پہلے کی طرح نہیں دیتے۔ اور ہا بیت میں مست مجھے گھر سے نکال رہے ہیں۔ مگر میرا نکلنا آسان نہیں۔ پریس کو کہاں لے جاؤں؟ کل وکیل کی معرفت ان کا نوٹس آیا ہے کہ ۲۴ گھنٹے میں خالی کردو۔ یہ تو تھا ہی۔ اب منصوری میں مکان کی تلاش ہے اور اگر وہاں گیا تو پریس کو فروخت کون کرے گا؟ ان حالات کو پیش نظر رکھئے اور شفیع داؤدی صاحب کو اس تجویز کو سوچیے۔ کہ اس لڑکی کو یہاں سے ہی چھوڑ کر بمبئی چلے آؤ اور فسادات بمبئی کی شہادتیں دلواؤ۔

میری صحت اب ایسی ہے کہ مجھ کو بھی اب زندوں میں نہ سمجھیے اس پر بھی آریہ سماج راج پال کے قتل کے بدلے میں مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور ابھی لاہور سے اس (RED LETTER) کے لونڈم نے ایک (CARBON PEPER) ارسال فرمائی ہے کہ چونکہ تم نے علم دین کی مدد نہیں کی ہے اس لئے ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے[1]۔ دونوں یا ڈل بے کار ہیں اور روز حالت بد سے

---

[1] لاہور کے ایک آریہ سماجی کتب فروش راجپال نامی نے رسول کریم کی شان میں ایک نہایت گستاخانہ کتاب لکھ ماری تھی۔ مسلمان فطرتاً سخت مشتعل ہوئے اور ایک پرجوش پنجابی علم الدین نے جا کر اس گندہ ذہن کو قتل کر ڈالا۔ مقدمہ چلا اور فیصلہ وہی ہوا جو غیر اسلامی قانون اور غیر اسلامی عدالت کو کرنا ہی تھا۔ اب مولانا کی قوم کے لوگ اپنے مولانا ہی سے بیزار ہوئے کہ انھوں نے علم الدین کو بچانے کی کوشش کیوں نہ کی۔

بدتر ہو رہی ہے۔ بائیں آنکھ پر پانی آ رہا ہے اور (CATRACT) بن رہا ہے
ہاتھوں میں لکھتے وقت اور یوں بھی احساس کی کمی ذرا ذرا سی معلوم ہوتی ہے۔
سب سے آخر میں رزق کا سوال ہے اور نہیں جانتا کہ جو روپیہ آج ہے
اس کے ختم ہونے پر کہاں سے آئے گا۔ چاہتا تھا کہ ایک سال کے لئے
قوت لا یموت کا سامان ہو جائے تو ایک کتاب انگریزی میں اور ایک اردو
میں اسلام پر لکھوں۔ پچھلے سفر کے حالات اس سے پہلے لکھ ڈالوں اور کچھ روپیہ
سال بھر کے لئے کما لوں مگر...... برما سے واپسی پر مولانا ..... صاحب
ایک ... پر لٹو ہو گئے رنگون ہی میں جھیل کے کنارے بیٹھ کر حسن پرستی اور
غزل گوئی کیا کرتے تھے۔ اب تو جہاز پر بھی تغزل کا زور شور تھا۔ انھیں
کی طرح مجھ سے دو شعر زبردستی نکل آئے۔ میں تو سوائے جیل خانے کے
کہیں اور شعر نہیں کہا کرتا۔ مگر واپسی میں ریل میں یہ دو شعر نکلے۔ انھیں سے
میری حالت کا اندازہ کر لیجئے۔ وہ یہ ہیں:

ہوا محسوس جب سے ہے خوشی تیری خوشی اپنی
نہ اپنی موت، موت اپنی، نہ اپنی زندگی اپنی

کبھی چھوڑا نہ دامن کو ترے پھر تو ہی تبلا دے
اسے بےچارگی تیری کہوں یا بےکسی اپنی

آپ کا تار آتے ہی گمان ہوا کہ آپ اسی دن یا دوسرے تیسرے دن بچوں
کو لینے حیدر آباد جا رہے ہوں گے۔ اس لئے تار کا جواب نہ دیا۔ اب بیمہ
کے ساتھ ...... اور خط ملا۔ حیران ہوں کہ رسید کہاں بھیجوں اور اس عطیہ
کی شکایت اور پھر شکریہ کس پتہ پر ادا کروں جب ہمدرد کے آخری پرچہ
کی طلبی کا کارڈ لکھنؤ سے آیا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ دریاباد جا رہے ہیں۔ آج ...

وقت نکال کر بڑی مشکل سے یہ خط لکھا ہے اور دیا بارنہ بھیج رہا ہوں۔ کارڈ جعفری کو بھجوادیا اور تاکید کردی کی اس کی تعمیل کر دو۔ مگر نہیں سمجھ سکتا کہ کیا ہوگا۔ دفتر کا سارا سامان پولیس کے حصہ میں بند پڑا ہے۔ کل نماز جمعہ کے لئے شہر جاؤں گا تو کوشش کر کے اپنے فائل میں دیکھوں گا کہ شاید اسی میں اور وہ پرچہ مل جائے مگر سہ

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟

آپ نے روپیہ کیوں بھیجا؟ خدا گواہ ہے کہ صرف اس خیال سے کہ آپ بُرا مانیں گے۔ اسے واپس نہیں کیا۔ حمیدہ بی کو اسی وقت دے دیا۔ مگر وہ اور ان کے شوہر بھی واپس کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے روکا ہے۔ اگر آپ مجھ سے دوستی قائم رکھنا چاہتے ہیں تو خدارا یہ ہرگز نہ کیجئے۔ ہاں جب ضرورت ہوگی اور میرے مصارف آپ سے کم ہوں گے تو ضرور منگوالیا کروں گا۔ شکایت کے بعد شکریہ بھی قبول ہو۔ محترم بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ بچوں کو پیار۔ خدارا جلد آؤ۔ اگر منصوری گیا تو وہاں بلاؤں گا۔ جس میں اور زحمت ہوگی۔ اگر یہیں آجاؤ تو کیا اچھا ہو۔ دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں اور سنئے کو کان

لیجئے۔ ابھی خط ختم کیا تو صفحات بے ترتیب ہو گئے اور پاؤ گھنٹہ میں ترتیب دے سکا۔ اور ابھی اطلاع ملی کہ حمیدہ کا بخار بہت بڑھ گیا اور جاڑا آگیا۔ دعا کیجئے۔ خدا رحم کرے۔

آپ کا دلدادہ

محمد علی

(۲۱)

۱۵ر جولائی سنہ ۲۹ء۔ البرٹ لاج منصوری

برادر محترم مکرم حاجی الحرمین الشریفین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے خط پیہم آرہے ہیں۔ کارڈ آرہے ہیں اور یہاں ایک حرف بھی جواب میں نہیں جاتا۔ پہلے آخری بات سنیئے۔ پھر ابتدائی مراحل طے کروں گا۔ ڈاکٹر انصاری وسول سرجن اور ڈاکٹر بچرا اور ایک لیڈی ڈاکٹر مسز ڈالٹن نے خوب دیکھ لیا اور آخری جواب دے دیا۔ صرف مجیب الدعوات کے جواب کا انتظار ہے اس لیئے نہ بمبئی جاسکا۔ نہ اس وقت تک دہلی جاسکوں گا۔ جب تک مجھے اپنے "حکیم" سے جواب نہ مل جائے۔ دن اور رات ہم لوگوں کو مریضہ کی چارپائی کے پاس ہی گذر رہے ہیں۔ جس کو جس وقت کچھ سونے کو مل جاتا ہے۔ سولیتا ہے۔ ایک انگریزی نرس دن بھر رہتی ہے مگر بااثر نہیں۔ مجھی کو اصرار کر کے دوا (حقیقتاً دوا نہیں بلکہ غذا اس لیئے کہ اب یہی دوا رہ گئی ہے) پلانا پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوئی ہے کہ ایک طرف سے شوکت صاحب بمبئی کسی ملکی یا ملی کام کے لیئے بلاتے ہیں۔ دوسری طرف تنقیح داؤدی صاحب سے تقاضا کرایا جاتا ہے۔ تیسری طرف سیٹھ سلیمان مٹھا اسی پر اصرار کرتے ہیں۔ اور مجھے میرے اسلامی فرائض یاد دلائے جاتے ہیں۔ اس وقت بظاہر میرا اسلامی فرض یہی ہے کہ مریضہ کی پٹی کے پاس بیٹھوں۔ برادرم کیا کہوں بعض وقت نماز تک قضا ہو جاتی ہے۔ اس لیے براہ کرم آپ منصوری ہی تشریف لائیے میرے دہلی جانے کا کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ میں سہارنپور کو لکھنے ہی والا تھا۔ کہ کارڈ ملا کہ دریاباد ہی کو خط لکھو۔ چنانچہ دریاباد کو لکھ رہا ہوں۔

اب ابتدائی مراحل سنئے۔ ڈاکٹر انصاری اور قریشی کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ (پہلے BACCILLUS COLI کا پھر آنتوں کی دق کا علاج کیا تھا) تو انھوں نے کہا کہ اب سول سرجن سے رجوع کرو اور اس کو آزادانہ رائے قائم کرنے دو۔ اس نے بھی کوئی رائے قائم نہ کی بلکہ کہا کہ ہر چیز کا تم امتحان کرا چکے ہو۔ آنتوں کی تصویریں بھی لوالو۔ اس لیے بڑی سخت محنت اور گفت و شنید بلکہ تہدید کے بعد نیم انگریز نرسوں کے کمروں میں ایک کمرہ گودام کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ وہ ملا۔ ورنہ دھوپ اور لو میں پچاس گز اسٹریچر پر اسے ایک نہایت ہی تنگ۔ مریضوں سے بھرے ہوئے PRIVATE ROOM سے X-RAY کے کمرے میں لانا پڑتا سخت محنت کے بعد اس کو صاف کرایا۔ اس میں پنکھے اور خس کی ٹٹی کا انتظام کرایا گیا سب سے مشکل مرحلہ کونہ دودھ ڈبل روٹی کھلانا تھی۔ جس میں BISMATH بہت سا ملایا گیا تھا۔ تاکہ تصاویر میں دیکھا جا سکے کہ چار چار گھنٹے بعد کھانا کس کس جگہ نظر آتا ہے۔ وہ دو کرم مریضہ نے کھانا کھایا۔ خدا کا بڑا شکر تھا کہ کھاتے ہی ڈال نہ دیا اس لیے کہ روز ایسا ہو رہا تھا۔ بہرحال تصاویر اس دن صبح کو آٹھ بجے سے رات کے آٹھ بجے تک لی گئیں۔ پھر دوسرے دن صبح کو آٹھ بجے لی گئیں۔ اور ان تمام پریشانیوں اور دقتوں کے بعد نعیم انصاری نے ان کو دیکھ کر کہا بے کار ہیں۔ سول سرجن نے تو کوئی خرابی ان میں نہ بتائی۔ مگر مرض کے متعلق متذبذب تھے BACCILLU-SCOLI کے لیے تازہ دوا کا امتحان اواخر مارچ میں ہو چکا تھا مگر کچھ نہ نکلا تھا۔ احتیاطاً سول سرجن نے سرکاری ر LABORATORY) میں امتحان کرایا اور میجر تلسی رام آئی۔ ایم۔ ایس نے فرمایا ہے کہ اور اسی بنا

پر (AUTO - VACCINE) تیار ہوا اور ٹیکے لگوانا پھر شروع کئے (اور یہی
تشخیص قرار پائی کہ (B. COLI) ہے جو پہلے انصاری صاحب کا بھی قیاس
تھا۔ جس کی بنا پر انھوں نے STOCK VACCINE سے ٹیکے لگوائے
تھے۔ اور بے نتیجہ دیکھ کر قیاس کیا تھا کہ آنتوں کی دق ہوگئی۔ سول سرجن کا
اصرار تھا کہ دہلی کی لو سخت مضر ہے پہاڑ جاؤ پہاڑ جاؤ۔ ماجد[1] کا روپیہ الور
میں پھنسا ہوا تھا اور صفدر علی صاحب کی عنایت سے ان کا دیوالہ نکلا جارہا
تھا۔ وہ الور گئے۔ بڑی مشکل سے دو ہزار روپیہ (چالیس پچاس ہزار میں
سے ملے) تو منصوری میں مکان کے لئے انتظام کیا جانے لگا۔ میں پہلے
ہی سے نصف مصارف ادا کرنا طے کر چکا تھا۔ سول سرجن نے اس قدر اصرار
کیا کہ دہرہ دون تو فوراً لے جاؤ۔ وہاں جاکر ملنے کا انتظار کرنا۔ چنانچہ
یکایک ۱۹ر جون کو فیصلہ ہوا کہ ۲۰ر کی شب کو چل دیں گے۔ میں نے ۱۹ر ہی
کو کہ عشرہ محرم تھا، قرول باغ میں مکان کی تلاش کرکے مغرب کے وقت
مالک سے کرایہ وغیرہ طے کیا اور ۲۰ر کی صبح کو خود ہی جاکر موٹر لاریوں اور
ٹھیلوں میں سب سامان دہلی سے قرول باغ کو ڈھلوایا۔ اسی دن رختِ
سفر باندھا۔ اسی دن اور گزشتہ شب میں (THROUGH CARRIAGE)
میں ایک درجہ (RESERVE) کرایا (جو چوبیس لکھتا تھا۔ اس لئے کہ گاڑی
دہلی سے نہیں لگتی بلکہ جھانسی سے لگتی ہے) اور اسی شب کو مریضہ ماجد کے
بچوں اور اپنے اہل و عیال کو لے کر دہلی سے روانہ ہوگیا۔ پانچ دن دہرہ
دون پڑا رہنا پڑا۔ اور سخت تکلیف رہی۔ اس لئے کہ گرمی تھی اور اس
مکان میں پنکھے نہ تھے۔ مریضہ کے سر پر رکھنے کے لئے برف مشکل سے ملتا تھا

---

[1] یعنی مولانا کے داماد جن کی بیوی بستر مرگ پر ہیں۔

ماجد کو معمولی کرایہ کا مکان نہ مل سکا۔ مگر ایک بیش کرایہ مکان والی کو کرایہ دار نہ مل سکا تھا۔ اس لئے کہ اس کی دو منزلہ کوٹھی جو ڈیڑھ دو ہزار کو جاتی تھی۔ سات سو میں مل گئی۔ مگر ہمارے لئے تو یہ بھی ہزاروں تھے۔ ۲۶ر کو مریضہ کو لے کر یہاں آیا۔ سول سرجن کا علاج شروع ہوا یکم جولائی کو ڈاکٹر انصاری بیچارے گو گرن ناتھ سرا کو دیکھنے یہاں آئے تھے۔ چونکہ اصلاح مرض مطلق نہ ہوئی تھی۔ اس لئے سول سرجن نے انھیں بھی دکھایا اور دونوں کی رائے ہوئی کہ BACILLUS COLI نہیں ہے اور غالباً آنتوں کی دق ہے۔ اب اس کا علاج پھر شروع ہوا اور جب افاقہ نہ ہوا تو لیڈی ڈاکٹر کو بھی دکھایا گیا اور اب قطعی رائے ہوئی کہ آنتوں کی دق ہے اور ڈاکٹروں کے تیور بدلے اور امید کم نظر آنے لگی۔ جب اس کے بعد بھی حالت خراب ہوتی گئی تو سول سرجن سے کہہ کر ڈاکٹر بیجر سے بھی مشورہ لیا گیا۔ گذشتہ جمعہ کو یعنی پرسوں انھوں نے کہا کہ کوئی امید نہیں ہے۔ ایک ہی موقع اصلاح کا ہے کہ ہم پیٹ پھاڑ کر دیکھیں کہ وہ کیا چیز ہے جو حائل ہو گئی ہے اور کھانے کو آنتوں میں نہیں جانے دیتی۔ ہر چیز جو کھائی جاتی ہے ڈال دی جاتی ہے مگر مریضہ میں اب اتنی جان باقی نہیں ہے کہ یقیناً اس کی متحمل ہو سکے غالباً صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے گی۔ اس وقت شوکت صاحب کو تار دیا گیا کہ ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا ہے کہ امید باقی نہیں ہے۔ ہماری امید خدا پر ہے۔ ہفتہ کو حالت کسی قدر اچھی رہی اور مریضہ نے اتوار کو ہوا خوری کے لئے علی الصباح ڈانڈی اور رکشا میں جانے کے لئے اصرار کیا۔ اور کپڑے بدلے کہ دفعتاً HYSTERIA کا سخت دورہ پڑا اور حالت اتنی خراب رہی کہ رات ہم لوگوں نے آنکھوں میں کاٹی۔ عجیب بات یہ ہے کہ کل ہی ماجد کی پہلی اہلیہ مرحومہ کی برسی تھی اور مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہیں اسی طرح نہ ہو کہ میرے سسر

عظمت خاں صاحب اسی شب میں انتقال کیا۔ جس کی مغرب کے وقت میرے والد مرحوم کی برسی کی فاتحہ ہو رہی تھی۔

حکیم محمد احمد صاحب کو دہلی سے بلایا ہے۔ کل نہیں تو پرسوں غالباً آئیں۔ دیکھئے اس وقت تک کیا ہوتا ہے۔ آپ آنے میں تکلف نہ کریں۔ آپ گھر والے ہیں۔ مہمان نہیں ہیں۔ پوری ایک منزل مکان کی خالی ہے اور آپ لیکن وحشی دے سکیں گے

میں آپ سے ناراض ہوں کہ باوجود میرے لکھنے کے آپ نے ․․․․․ کا بیمہ اپنی خورشد امن صاحبہ کے نام سے بھجوا دیا۔ آدھ گھنٹہ کھولے بغیر سوچتا رہا کہ واپس کردوں یا نہیں۔ وہ آپ کی امانت رکھی ہوئی۔ مختصراً سب کو سلام دُعا پیار۔ آپ کا پریشان حال مگر صابر و شاکر بھائی

محمد علی

(۲۲)

تار

۲۰ر جولائی ۱۲ بجکر ۲۰ منٹ منصوری۔

حکیم محمد احمد خاں کو دہلی سے دوبارہ بلوایا۔ نسوانی شکایات تشخیص کیں علاج قابلہ کے ذریعہ سے بتایا۔ بچ جانے کی امید تو دلا رہے ہیں۔ لیکن حالت بدستور نازک ہے[1] محمد علی

(۲۳)

تار

۱۲ر اگست ۸ بجکر ۵۳ منٹ دہلی

---

[1] میرے جوابی تار کا جواب ہے۔

کیا یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ جنوبی افریقہ کی روانگی سے پہلے ملاقات ہو سکے۔

روانگی ۲۳ر کو ہے[1] محمد علی

۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۹ء گلی قاسم جان۔ دہلی

جناب محترم۔ السلام علیکم۔

دہلی میں علماء و زعماء کی موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر ۲۷ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو ایک مجلس مشاورت منعقد کی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ وائسرائے ہند کی خدمت میں ایک وفد لے جانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے۔ جو وائسرائے اور ان کی حکومت کا طرزِ عمل مسلمانوں کے اس عام جوش و خروش کے متعلق معلوم کرے۔ جو مسلمانوں میں شاردا ایکٹ کے نفاذ سے اپنے تئیں مستثنیٰ کرانے اور شریعت اسلامیہ کو مداخلت سے محفوظ رکھنے کے باب میں پھیلا ہوا ہے اور یہ کمیٹی ان مسلمانوں کی ایک کانفرنس منعقد کرے جو اس مقصد سے اتفاق رکھتے ہوں۔ چنانچہ ابتدائی کام کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی۔

جناب والا بھی اس کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔ امید ہے کہ جناب جائنٹ سکریٹری کے پتہ پر اپنی منظوری سے اطلاع بخشیں گے بذریعۂ تار جواب مرحمت فرمائیے۔

(مولانا) محمد علی صدر۔ قرول باغ۔ دہلی[2]

---

[1] یہ دوسری بیٹی بھی عاشق زار باپ کو روتا تڑپتا چھوڑ چل بسی تھیں۔ کامریڈ اور ہمدرد دونوں پہلے بند ہو چکے۔ غمزدہ اور اپنے سن سے کہیں زیادہ بوڑھے محمد علی شہر سے باہر حمیدہ مرحومہ کے شوہر ماجد علی خاں کی کوٹھی میں مقیم تھے۔ جنوبی افریقہ کے غیور مسلمانوں نے مولانا کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ [2] یہ گشتی خط ہے۔

(۲۵)

۱۱ / اپریل سنہ ۱۹۳۰ء ۔ دار الخلافت ۔ ٹولین ۔ نزد بائیکلا برج ۔ مزگاؤں ۔ بمبئی

برادرم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے تین کارڈ اور آج ہی جبکہ آپ کو عریضہ لکھنے والا تھا ۔ ایک لفافہ بھیجا سب مجھے موصول ہوئے ۔ چونکہ لکھنے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے ۔ اس لئے ارادہ کیا تھا کہ جب گلنار[1] کی شادی کی تاریخ مقرر ہو جائے گی تو آپ کو بلاؤں گا اور بلا لکھے پڑھے گفتگو میں سب کچھ کہہ دیا جائے گا ۔ مگر گلنار کی شادی کی تاریخ شعیب کے اور ہم سب کے رفیق شفیق عبدالرحمٰن صدیقی[2] کی ولایت سے آمد پر موقوف ہے ۔ اور متعدد تاروں کے تبادلے کے بعد وہ یورپ سے ۷ / اپریل کو چل پڑے ۔ مگر زیارت روضہ پاک اور حج بیت اللہ کے بعد ہندوستان پہنچیں گے اور ہم سب اسی امید پر جی رہے ہیں کہ وہ ذی الحجہ ہی کی کسی تاریخ کو دہلی پہنچ جائیں گے ۔ کیونکہ محرم میں شادی نہ ہو سکے گی اور صفر میں حمیدہ مرحومہ کا انتقال ہوا تھا ۔ وہ زمانہ بھی ناموزوں ہوگا ۔ یوں تو کون عبدالرحمٰن کے حج سے خوش نہ ہوگا بالخصوص جب ان کی صحت بالکل غارت ہو گئی ہے ۔ اور وہ متعدد امراض میں گرفتار ہو گئے ہیں اور سخت تکالیف اور درد میں مبتلا ہیں ۔ لیکن ہم سب چاہتے ہیں کہ گلنار کی شادی جلد سے جلد ہو جائے ۔ اور صرف عبدالرحمٰن ہی کی وجہ سے دیر لگ رہی ہے ورنہ تاریخ ہی میں عقد کر دیتے

۱؎ مولانا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جن کی شادی شعیب قریشی کے ساتھ طے پائی تھی

۲؎ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی بی ۔ اے کینٹ ۔ سابق منیجر کامریڈ ۔ شعیب صاحب کے خاص دوست ۔ بعد کو پہلے کلکتہ سے پھر ڈھاکہ سے ایک انگریزی روزنامہ مارننگ نیوز نکالا چند سال ہوئے انتقال کیا ۔ (نظر ثانی)

کا خیال تھا۔ خط اب تک نہ لکھنے کی وجہ میں نے بیان کر دی مگر اب خط لکھ رہا ہوں تو باوجود آنکھوں کی بصارت اس درجہ تک کھو بیٹھنے کے جی نہیں مانتا کہ مفصل خط نہ لکھوں اور سب باتوں کا جواب نہ دوں۔ اور کچھ شکایات بھی نہ کروں جو ایام سرما میں دل کو جلا رہی ہیں۔

پہلے اسراف کے متعلق سن لیجئے۔ اب میرے پاس ہے ہی کیا جو گلنار کی شادی میں اسراف کروں گا۔ برادرم میں نے پہلے بھی ان رسوم میں اسراف سے کام نہیں لیا تھا۔ زہرہ اور آمنہ مرحومہ کی۔ نہ ان دو بچیوں کی کبھی کوئی رسم ادا کی جو اس اسراف کا الزام مجھ پر لگ سکتا ہے۔ چونکہ نہ عقیقہ میں۔ نہ بسم اللہ میں۔ نہ نشرہ میں نہ منگنی میں کوئی رسم ادا کی تھی۔ اور در حقیقت اس زمانہ کا اکثر حصہ قید و بند میں گزرا تھا۔ رسم ادا بھی کس طرح کرتا۔ صرف نکاحوں کے موقعوں پر میری اہلیہ نے کچھ خوشی منالی۔ وہ بھی نہ اس طرح کہ ناچ ورنگ ہوا ہو یا شب گشت ہوئی ہو یا کسی اور طریقہ پر برات نکلی ہو۔ جب سے پہلی دو بچیاں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی ماں عورتوں کے طریقہ پر ان کے لئے کچھ نہ کچھ میری تنخواہ میں سے بناتی یا خریدتی ہی رہتی تھی اور وہ بھی زیور نہ تھا بلکہ معمولی روزمرہ کے استعمال کے کپڑے اور برتن بھانڈے جب میں اکتوبر ۱۹۲۰ء میں یورپ سے واپس آیا تو ایک لڑکی رہ گئی تھی اور دوسری اس سے کچھ ہی کم ہوگی۔ میں تو ایک ہی کا نکاح کرنا چاہتا تھا اور اس کا بھی اس وقت نہیں۔ لیکن میری بیوی نے سب انتظام میرے ولایت سے آنے سے قبل ہی کر لیا تھا اور انھوں نے کہا کہ تمھارے قید و بند کا زمانہ اب پھر آگیا۔ میں تنہا دو جوان لڑکیوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے سر لینا

۱؎ میں نے برنبائے اخلاص و نیاز مندی عرض کیا تھا کہ ہر طرح کے اسراف سے احتیاط رہے۔

نہیں چاہتی۔ دو مسلمان نوجوانوں کو اس ذمہ داری میں شریک کرتی ہوں۔ آمنہ
کی عمر ابھی اٹھارہ کی نہیں ہے۔ جس سے قبل تمہارا ارادہ کسی لڑکی کے نکاح
کا نہ تھا۔ لیکن اس کو ہسٹریا کا مرض ہو گیا ہے اور حکیم اجمل خاں صاحب
(رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے ہے کہ نکاح کرنا ہی بہترین علاج ہے۔ دوسرے
اشارہ یہ کس کے پاس ہے کہ ہر سال ایک نکاح کیا جائے۔ میں ان
دلائل سے قائل ہو گیا اور نکاحوں کی اجازت دی۔ مگر مجھ کو جامعہ ملیہ
کے آغاز کے باعث ایک منٹ کی فرصت نہ تھی۔ اس لئے نکاح سے دو
تین روز پیشتر یہاں داخل آکر مراد آباد میں معظم صاحب اور عبدالسلام اور مسعود کے
مکانوں میں بیٹھ رہا۔ سوائے مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کے کسی کو بھی مدعو
نہ کیا۔ انصاری وغیرہ دہلی سے بلا دعوت کے آ گئے اور کچھ دے ہی گئے۔
مہمانوں کو معمولی کھانا کھلایا گیا۔ صرف رامپور سے برات آنے پر رسم کا
پلاؤ، زردہ، قلیہ، قورمہ کھلا دیا گیا۔ جو بظاہر نکاح کے کھانے کے لئے
اسی طرح ضروری ہے۔ جس طرح عید الفطر کے لئے سویاں اور شب برات
کے لئے حلوا۔ میں نے اس شادی میں بجز شرکت کے کوئی حصہ نہیں لیا۔ اسلئے
حق بھی نہ تھا کہ بیگم صاحبہ سے جن کے حسنِ انتظام کے ہم سب قائل ہیں، کچھ
کہتا۔ یہ تھی میرے گھر کی پہلی رسم۔ آمنہ مرحومہ اور والدہ ماجدہ مرحومہ کی مرتیں
دوسری اور تیسری رسم تھیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اسراف سے کام
لیا۔ وہ حقیقت کوئی رسم ادا نہیں کی گئی اور جو کچھ کی بھی گئی تو خیرات نقد
کی گئی اور جمعیۃ خلافت وغیرہ کی نذر کر دی گئی۔ یا محلہ کی مسجد میں برقی روشنی
کا انتظام کر دیا گیا جو الحمدللہ اس وقت تک جاری ہے۔ آمنہ کا سارا زیور
خلافت کو دے دیا گیا۔ یہی بڑی خیرات تھی۔ چوتھی رسم حمیدہ مرحومہ کی شادی

تھی جو بڑی دو بہنوں کے تقریباً آٹھ برس بعد ہوئی۔ اس کے لئے بھی باوجود ہماری قید و بند کے میری بیوی نے کچھ نہ کچھ کرہی لیا تھا۔ مگر وہ انھیں کافی معلوم نہ ہوا اور نہ معلوم مرحومہ کو اپنے آنے والی موت کا پہلے ہی سے کچھ اندیشہ تھا یا گیا (اور ہو بھی تو کیا عجب ہے کہ تین سال سے حرارت اور درد گردہ میں مبتلا تھی اور حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور انصاری دونوں کا اصرار تھا کہ شادی کے بعد ہی تو انی علاج ہو سکے گا۔ کیونکہ اس نے گھر میں آئی ہوئی لیڈی ڈاکٹر کو فیس دے کر امتحان اور معائنہ کئے بغیر رخصت کر دیا تھا) خود مرحومہ نے کسی نہ کسی طریقہ پر اپنی ماں پر ظاہر کر دیا تھا کہ وہ دھوم دھام چاہتی ہے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ ایک صاحب نے دسمبر میں تین سو روپے دئے تھے۔ اداس کانگریس میں اسی کی عمدہ کھدر خریدی تھی اور ایک دوست کی دوکان سے جلیتی کے برتن اور گلاس وغیرہ قرض لے لئے تھے۔ اور بس۔ مگر اس کی ماں نے اپنے بھائی معظم کو لکھا کہ اپنے باپ کے ترکہ میں سے ۲۲ برس میں انھوں نے ایک بار کوئی دو ہزار روپیہ آمنہ مرحومہ کے مکان کے لئے زمین خریدنے کو لئے تھے جو اب تک یوں ہی پڑی ہے اور ایک بار ۲۶ء میں اپنے اور میرے حج کے لئے دو ہزار لئے تھے۔ اب انھوں نے تین ہزار معظم کو لکھ کر منگوائے اور ساری خرید و فروخت خود کی۔ اس بار چونکہ ماجد مالی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ اس لئے رام پور سے بھی سب عزیزوں کو نہ بلایا گیا۔ معظم کی بیٹیاں اور میری بہن اور شوکت صاحب کی بچیاں ہی شریک ہوئیں۔ باہر سے بھی کسی کو مدعو نہیں کیا گیا۔ البتہ ایک شب کو دہلی سے کوئی سو پچاس احباب کو کھانے پر مدعو کر لیا گیا۔ یہی اسراف ہوا تھا یا مرحومہ کے لئے کچھ کپڑا لیا گیا تھا پہلے اسراف کا کفارہ یہ کیا گیا کہ جامعہ ملیہ کو

بانو، جمعیت خلافت اور جمعیۃ العلماء وغیرہ کو چند سو نقد دیے گئے۔ دوسرے اسراف کا کفارہ یہ کیا جا رہا ہے کہ مرحومہ کے کپڑے اور برتن بھانڈے، غریب لڑکیوں کو ان کے عقد نکاح کے موقعوں پر دیے جا رہے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ گلنار کی شادی کی مجھے سب سے زیادہ خوشی ہے کہ نصیب جیسے صالح مسلمان کے ساتھ خاندان کی رسم کو توڑ کر جوڑا جا رہا ہے۔ اور خدا اس کی عمر دراز کرے۔ توکل تو خدا ہی پر ہے لیکن اب اب اپنی صحت کا خیال کر کے کسی قدر مطمئن ہوں۔ کہ اس رزاق حقیقی نے مسبب الاسباب ہے۔ میری بیوی اور بچیوں کے لئے ایک یار روزگار بھی پیدا کر دیا۔ مگر اب خوشیاں منانے کی ہمت ہی نہیں۔ دو جوان لڑکیوں کے نکاحوں کے اتنے جلد بعد ان کا انتقال ہو گیا کہ شادی و خانہ آبادی کے نام سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے جو کچھ اسراف کیا ہے وہ والدۂ مرحومہ اور آمنہ مرحومہ کی قبروں کے بنوانے میں کیا ہے۔ کوئی قبہ نہیں بنوایا، سینے پر سوائے خاک اور گھاس کے کچھ نہیں۔ مگر ایک جگہ سنگِ سبز کا فریم سا بنوا دیا ہے اور ایک جگہ سپید سنگِ مرمر کا اور لوح مزار کو خود (DESIGN) کیا ہے۔ آمنہ کی قبر پر "پیام مجس اور دعائے اسیری" کا ایک شعر کندہ کرا دیا ہے۔

تیری صحت ہمیں مطلوب تھی، لیکن اس کو
نہیں منظور، تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

حمیدہ کی قبر بھی سپید سنگِ مرمر کی اسی طرح تیار کرائی جا رہی ہے اور اس پر اسی زمانے کے کہے ہوئے یہ دو شعر انشاء اللہ کندہ ہوں گے۔

ہوا محسوس جب سے ہے خوشی تیری خوشی اپنی
نہ اپنی موت، موت اپنی، نہ اپنی زندگی اپنی

کبھی چھوڑا نہ دامن کو ترے پھر تو ہی بتلا دے
اسے لے جائے گی تیری کہوں یا لے کسی اپنی

صبر کے سوا اب بھی چارہ نہیں۔ مگر اب یارائے ضبط کم ہے تو کیا کروں ؎
تو نا گفتہ دانی بگفتن چہ سود

نکاح پڑھانے کا مسئلہ میرے اختیار کا نہیں ہے۔ شعیب کی جو مرضی ہوگی۔ کیا جائے گا۔ گو میرا جی تو یہی چاہتا ہے کہ میرے صاحب انجمن اور آپکے پیر و مرشد ہی نکاح پڑھائیں۔[1] بہر حال انشاء اللہ مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند نکاح نہ پڑھائیں گے۔[2]

(۲۶)

۱۱ اپریل ۳۰ء

بھائی۔ تم اگر نہ بھی لکھتے[3] تب بھی میں تریت حقہ کے احترام کو قائم رکھنے کی خاطر ان مفسدوں کا مقابلہ ضرور کرتا۔ جو اسمبلی میں جا کر اپنے تئیں مصلحین کہتے ہیں۔ انھیں پر سورۂ بقر کی وہ آیات صادق ہیں کہ و اذا قیل لهم لا تفسدوا فی الارض ...... فما ربحت تجارتهم وما کانوا مهتدین

---

[1] میں نے مشورہ دیا تھا نکاح مولانا حسین احمد صاحب پڑھائیں۔ کراچی کے مشہور مقدمہ میں دونوں صاحب ایک ساتھ اسیر ہوئے تھے۔ اور ایک ساتھ ہی سزایاب۔ اس وقت تک یہی باہمی تعلقات بہت غنیمت تھے۔

[2] مولانا سے اس وقت تک مفتی صاحب سے سخت بے لطفی ہو چکی تھی۔

[3] ساردا ایکٹ قانون امتناع ازدواج کم سنی بنا تھا۔ ہندوؤں کے بے گرچیک دیا گیا مسلمانوں کے سر بھی میں نے لکھا تھا کہ اس عظیم الشان فتنہ سے مقابلہ کے لئے آپ ہی جیسے قائد کی ضرورت ہے۔

میں نے پربھنی[1] میں ایک لمبا چوڑا برقی پیغام تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر ٹائپسٹ نہ ملنے سے اور خود علیل ہونے کے باعث اسے ٹائپ کر کے بھجوانے نہ پایا تھا کہ اندور میں معلوم ہوا کہ کونسل آف اسٹیٹ نے بھی شاردا بل کو پاس کر دیا۔ تب خود ہی بیٹھ کر ٹائپ رائٹر پر وائسرائے کو ایک طویل اور سخت خط لکھا۔ مگر وہ بدبخت منظوری دے ہی چکا تھا اور عازم یورپ ہو گیا۔ میں بھوپال میں تھا کہ دہلی کے جلسے کی اطلاع ملی اور میرے پاس جمیل میاں[2] کا تار آیا کہ داعیوں میں مفتی صاحب کا، ان کا اور میرا نام ہوگا۔ اجازت درکار ہے۔ ہفتہ کو تار ملا۔ ارجنٹ تار کے دام کہاں سے لاتا۔ ارادہ کیا کہ پیر کو معمولی تار دے دوں گا۔ مگر بھول گیا۔ حالانکہ اس دن کا خط بھی پیر تک پہنچ جاتا۔ بعد کو بمبئی سے گھومتا گھامتا احمد سعید کا خط آیا کہ آپ کا پتہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے خلافت کی معرفت لکھا جا رہا ہے بہرحال میں جواب دینا بھول گیا مگر جلسے کی شرکت کے لئے دو دن پہلے ہی دہلی پہنچا۔ احمد سعید نتین عمر[؟] کمیٹی کے سامنے تائید کر چکنے کے بعد خود ہی میری جگہ داعی بن بیٹھے تھے۔ میں آتے ہی دو بار ان کے اور مفتی صاحب کے گھر گیا اور ایک بار دفتر جمیعت۔ مگر نہ ملے[3]۔ دوسرے دن جمعیۃ کا جلسہ تھا۔

---

[1] پربھنی علاقہ نظام دکن۔ مولانا وہاں اپنے ایک مخصوص دوست کے ہاں سکون، صحت اور تبدیل آب و ہوا کے سلسلہ میں مقیم تھے۔

[2] یعنی حکیم محمد جمیل خاں دہلوی فرزند حکیم اجمل خاں مرحوم

[3] خوب یاد کر لیجئے کہ یہ وقت کون سا تھا۔ جمعیۃ العلما اور مولانا کے اختلافات اس وقت تک نہایت درجہ تلخ ہو چکے تھے۔ مولانا کا دل اپنے ان سابق رفیقوں کی طرف سے بہت ہی جلا ہوا تھا اور خود بھی ہر طرح کی جسمانی آلام اور قومی و ذاتی صدمات سے چور چور تھے۔ رنجیدگی کی خستگی اور خستہ تنی اور دونوں بھی ایک نجی خط میں ایسی حالت میں بالکل در گذر کے قابل ہے۔

جس میں سیاست (سطحی) بہت کچھ تھی۔ مگر مذہب کا قطعی فقدان تھا۔ شام کو دوسرے جلسہ کے متعلق جمیل صاحب کے ہاں مشورہ تھا۔ مگر مفتی صاحب اور احمد سعید دیر میں آئے۔ اور لوگ مشورہ کرتے رہے اور سب کی رائے یہی تھی کہ میں اس جلسے کا صدر بنوں۔ نہ الٹرا ئے کو ایک وفد کے ذریعہ الٹی میٹم دے دیا جائے۔ سلمان اس ایکٹ سے مستثنیٰ نہ کئے جائیں تو کانپور کانفرنس کی جائے اور تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا وبینکم پر عمل کر کے ہر کلمہ گو کو جو اس مداخلت فی الدین سے بیزار ہو دعوت دی جائے اور اس مصیبت پر خدا کا شکر کر کے انتشار و افتراق کو دور کیا جائے۔ (اس لئے باوجود میرے صدر جمعیۃ خلافت ہونے کے میں نے صرف خلافت کمیٹی کا جلسہ نہ کیا۔ کیونکہ "معتدلین" نہ آتے۔ نہ شیعہ اور قادیانی تحریک ہوتے) اتنے میں مفتی صاحب اور احمد سعید آ گئے۔ پہلے صدارت کے متعلق پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک کس کا صدر ہونا مناسب ہوگا۔ مفتی صاحب کا جواب بے حد (SIGNIFICANT) ہے۔ خود ہی داعیوں میں شامل ہیں اور خود ہی فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک اس کے متعلق بالکل خالی الذہن ہوں۔ مگر احمد سعید نے اس خلائے محض کے پُر ہونے کا بھی ثبوت دے دیا اور کہا کہ "مگر یہ جلسہ تو جمعیۃ العلماء کا بلایا ہوا ہے" اسکا مستقل اور دوامی صدر اس کا بھی صدر ہوگا۔ تب جا کر چند دہلی والوں نے جو اس وقت موجود تھے۔ کہا کہ جلسہ تو اہلِ دہلی کا طلب کردہ ہے۔ جمیل میاں بھی داعی ہیں۔ اہلِ دہلی نے مہمانوں کے لئے خود ہی چندہ کیا ہے آپ کو اسی لئے دے دیا ہے کہ جمعیۃ العلما کی کمیٹی منتظمہ کا بھی جلسہ ہونے والا تھا۔ اپنے مہمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارے مہمانوں کا بھی

جلسہ ہونے والا تھا۔ اپنے مہمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارے مہمانوں کا بھی انتظام کر دیجئے گا۔ بالآخر دعوت نامے منگا کر دیکھے گئے تو صاف درج تھا کہ یہ جلسہ جمعیۃ کے جلسے سے بالکل الگ تھا۔ یہ دعوت نامہ خود مفتی صاحب کا تحریر کردہ تھا۔ مگر احمد سعید صاحب کا تحریر کردہ دعوت نامہ جو جمعیت والوں کو بھیجا تھا اس میں اسے جمعیت ہی کا جلسہ بتایا گیا تھا۔ اس تضاد و تباین کا اقبال انھوں نے بھی کیا۔ بہر حال میرا نام صدارت کے لئے پیش کیا گیا اور بلا عذر تسلیم کیا گیا۔ گو چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں علمائے کرام اسے کرہاً قبول کر رہے ہیں آپ کو نہ معلوم وہ گندہ قصہ یاد ہے یا نہیں کہ ایک ہیجڑا بنیے کی دکان پر سے اس کی غیر حاضری میں چنے ٹونگ رہا تھا۔ وہ پیشاب کر رہا تھا۔ پیٹھ پھیر کر دیکھا تو یہ نظارہ نظر آیا۔ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مرد ہے یا عورت۔ گھبرا کر چیخ اٹھا کہ سارے چنے ٹونگ گیا۔ سارے چنے ٹونگ گئی۔۔۔ مفتی صاحب نہ پورے دیندار نکلے نہ پورے دنیادار۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ محمد علی کا نام صدارت کے لئے بہ حیثیت داعی جلسہ پیش فرمائیں اور جمیل میاں بحیثیت داعی دوم اس کی تائید کر دیں گے تو فرمایا کہ جمیل میاں پیش فرمائیں۔ میں تائید کروں گا۔ باوجود سب کے اصرار کے انھوں نے تحریک کرنے سے انکار کیا۔ مگر تائید کرنے کا اقرار کیا۔ نواب اسمٰعیل خاں[1] نے اس حیرت انگیز انکار و اقرار پر ایک سیدھا سوال کیا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے تو کچھ نہ فرما سکے۔ جواب دیا تو یہ کہ تحریک پر اصرار کیوں ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ جو سلوک مولانا محمد علی کے ساتھ جمعیۃ العلماء کے جلسہ میں حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کیا

---

[1] میرٹھ والے۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ اس وقت بھی قومی کاموں میں پیش پیش تھے۔ بعد کو یو۔ پی مسلم لیگ کے صدر ہوئے اور آگے چل کر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے وائس چانسلر۔

اور باوجود ان کے رکن جمعیت اور اس کی انتظامیہ اور عاملہ دونوں مجالس کے رکن ہونے کے اپنی تقریر میں کہا کہ میں محمد علی کو تو جمعیت کا رکن ہی نہیں تسلیم کرتا اور جس طرح مسلم لیگ کے جلسے میں جو گذشتہ اواخر مارچ میں ہوا۔ انھوں نے 'لیمیز اللہ الخبیث من الطیب' کی آیۂ کریمہ پڑھ کر نہرو رپورٹ کے مخالفین کو "خبیث" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ اور نہرو ائیٹوں کو "طیب" کا اور جس طرح مقدم الذکر جماعت کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر محمد عالم کو صدر تجویز کر کے بلا رائے لئے ہوئے کرسی صدارت پر بٹھا دیا تھا اور اسی طرح ایک تجویز نہرو رپورٹ کے متعلق پاس کر لی تھی۔ اس سے خطرہ ہے کہ جلسے کے لئے لوگوں کے آنے سے ہی حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ان کے بھائی نعیم خود آپ کا نام صدارت کے لئے پیش کر دیں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ آپ خود ہی بہ حیثیت داعی جلسہ محمد علی کا نام پیش فرمائیں تاکہ وہی بے لطفی پیدا نہ ہو جو مراد آباد میں جمعیت العلماء کی صدارت کے لئے ان کا نام پیش کئے جانے کے باعث کانپور کے سالانہ جلسہ جمعیت العلماء کی مجلس استقبالیہ کو آج تک نصیب ہو رہی ہے۔۔۔۔ اس کے بعد انھیں کی طرف سے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ صدر کا انتخاب تو حاضرین جلسہ کے ہاتھ میں ہے تو ان سے عرض کیا گیا کہ یہ کلیہ نہیں ہے۔ خود جمعیۃ کے سالانہ جلسے کے لئے خلافت کانفرنس، کانگرس، مسلم لیگ وغیرہ کے لئے پہلے ہی انتخاب کر لیا جاتا ہے تاکہ اس قسم کی ناگوار حالت نہ پیدا ہو جو کانگرس کو سورت میں ۱۹۰۶ء میں پیش آئی تھی۔ وہیں جو آل انڈیا مسلم کانفرنس آپ نے منعقد کرائی تھی۔ اس کے لئے آغا خاں کا انتخاب ان کے ولایت سے چلے جانے سے بھی پیشتر کر کے ان کو مدعو کیا گیا تھا۔ آپ لوگ بہ حیثیت داعیان کے انتخاب کر لیجئے اور اسی حیثیت سے جلسہ کا آغاز

کل صبح ذرا کر محمد علی سے صدارت کرائیے۔ یہ معاملہ صرف فتویٰ دینے کا نہیں ہے۔ فتویٰ تو جمعیت العلماء دے ہی چکی ہے۔ اب مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنےٰ کرانے کی تدابیر پر غور کرنے اور ہر عقیدے اور ہر سیاسی روش کے مسلمان کو متحد کر کے شریعت کے احترام کرانے کا ہے۔ اس پر مفتی صاحب نے کہا کہ اچھا ہم تینوں داعی اس کا فیصلہ کرلیں گے کہ محمد علی کا نام میں پیش کروں یا جمیل میاں پیش کریں۔ اور میں تائید کروں۔ چونکہ ہم نے اعلان کر دیا تھا کہ میں اسی شب کو مسجد جامع میں فلسطین۔ افغانستان۔ سارداابل وغیرہ کے متعلق بالتفصیل تقریر کرنا شروع کروں گا۔ اور دو تین روز تک اس سلسلہ کو جاری رکھوں گا تاکہ ایک عرصہ سے میری دہلی کی غیر حاضری کے باعث اظہار خیالات کا جو موقع نہیں مل سکا ہے۔ وہ مل جائے اور یہاں خلاف توقع صرف صدارت ہی کے مسئلہ پر دیر تک بحث چھڑ جانے کے باعث ہمیں مولانا نثار احمد وغیرہ کو مسجد جامع کا جلسہ شروع کر دینے کے لئے بھیجنا پڑا۔ اس لئے اب ہم لوگ اٹھ کر مسجد جامع کو چلے گئے۔ جہاں دہلی کے مسلم رضاکاروں کی ایک جمعیت نے تین راتوں کے لئے جلسوں کا پوسٹر وغیرہ کے ذریعے سے اعلان اور روشنی وغیرہ کا انتظام کر دیا تھا اور مفتی صاحب وغیرہ کو جمیل میاں کے پاس چھوڑ گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا مولانا عبدالحلیم صدیقی ناخواندہ مہمان کی حیثیت سے بیچ میں کود پڑے تھے اور جمعیۃ العلماء اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی فضیلت میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے وعظ فرما رہے تھے۔ اور مولانا نثار احمد صاحب کو لب کشائی کا بھی موقع نہ دیا تھا۔

دوسرے دن بجائے مفتی صاحب کے جلسے کا بہ حیثیت داعی کے آغاز کرنے کے احمد سعید نے آغاز کر دیا اور یعقوب کی اور مولانا عبدالحلیم کی تقریریں ہونے لگیں۔ جس کے باعث یوں ہی فضا مکدر ہوگئی۔ اب حبیب الرحمٰن لدھیانوی

نے مفتی صاحب کا نام پیش کر دیا۔ نعیم نے بھی اسی طرح کی تقریر کی (جس اب نہیں کہہ سکتا کہ کس کس نے تقریر کی مگر جہاں تک ایک مریض کا حافظہ کام دے رہا ہے لکھ رہا ہوں) بالآخر خواجہ غلام السبطین نے جو انتظامات جلسہ اور دعوت ناموں کے اجرا میں احمد سعید کے ساتھ شریک مقرر کیے گئے تھے۔ رات کا فیصلہ مفتی صاحب کو یاد دلایا۔ اور مفتی صاحب نے مبہم طریقہ پر اس کی ایک حد تک تصدیق کی۔ مگر یہ نہ کہا۔ کہ ہم یہ طے کر چکے ہیں کہ بہ حیثیت داعی ہم خود ہی صدر کو منتخب کریں گے۔ کہا تو یہ کہ مجھے اس وقت تک فرصت نہیں ملی کہ جمیل میاں سے طے کرتا کہ وہ محمد علی کا نام پیش کریں اور میں تائید کروں یا میں خود تحریک کروں اور وہ تائید کریں۔ اب بحث اور بھی چھڑ گئی اور گلا بی رہا ہوں کی تائید ایک پیچھے وہابی مولانا ابراہیم سیالکوٹی نے اس طرح فرمائی کہ خود مجھ سے اپیل کی کہ میں اپنا نام واپس لے لوں۔ میں نے مجبور ہو کر ایک تقریر کی اور اس کے آخر میں یہ کہہ کر اپنا نام واپس لے لیا کہ مجھ پر اس اپیل کے خلوص کا تو مطلق اثر نہیں ہوا۔ مگر جو حالات پیش آئے ہیں ان کے بعد اس جلسے کی صدارت کرنا میں اپنی توہین سمجھوں گا۔

برادرم! جو ذہنیت ان زمینداروں کی اور جو مکاری ان کے لفظ لفظ سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اسے اس طرح ایک ایسے معاملہ میں بھی دیکھ کر جس میں ہمیں اپنی شریعت برقرار رکھنے کے لئے غیروں کو بھی حاملین شریعت کے انکار اور ان کے اعمال سے متاثر کرنا تھا اور ہر عقیدے اور طبقے کے مسلمانوں کے اس امر میں اتحاد و اتفاق کو عالم آشکار کرنا تھا۔ میرا دل رو رہا تھا۔ میں نے جمعیتہ العلماء کی صدارت کا کبھی بھی خیال نہ کیا تھا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ ایک خاص جماعت کو اس پر اصرار ہے اور بلا مجھ سے استمزاج کئے ہوئے انھوں نے

چند ماہ بیشتر ہی میرا نام مجلس استقبالیہ کی طرف سے بھجوا دیا تھا۔ اور اس کے بعد سے علماء کرام میں عجیب عجیب ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں۔ تو میں نے کانپور سے خط آنے پر اور مجلس استقبالیہ کے اصرار پر صرف اس کا وعدہ کیا تھا کہ خود انکار نہ کروں گا۔ اور نہ خود کوئی کوشش کروں گا اگر منتخب ہو گیا تو مسلمانوں کی مذہبی اصلاح اور جمعیتہ کی از سر نو ترتیب کے متعلق جو عرصہ دراز سے میرے خیالات ہیں۔ انھیں بصد عجز و ادب جمعیت کے سامنے پیش کر دوں گا۔ مگر جو کارروائی کہ مراد آباد میں ہوئی اور اس سے پیشتر جو مضامین اور خطوط الجمعیتہ میں شفیع داؤدی اور شوکت صاحب کے خلاف صوبہ بمبئی کی جمعیتہ العلماء کے جلسہ کی صدارت کے بارے میں بطور پیش بندی کے شائع کئے گئے۔ اور جس طرح کانپور والوں کے ساتھ صریح اور مسلسل بے ایمانی کی گئی ہے اور اب جس طرح بلا حصول رائے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب خود کھسک کر مسند صدارت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ اس کے بعد میرے لئے ناممکن ہو گیا کہ ان حضرات سے کوئی توقع اصلاح کی رکھوں۔ جب جلسہ شروع ہو گیا تو میرے پاس متعدد درخواستیں آئیں کہ جلسہ سے ہم سب اٹھ کر چل دیں۔ مگر میں نے انکار کیا اور سب کو روکا۔ تاکہ حکومت کو اور ہنود کو اس نفاق و شقاق کا نظارہ نہ دکھایا جائے۔ سب بیٹھے رہے۔ البتہ یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ شام کے جلسے میں نہ آئیں گے۔ ہم نے کوئی احتجاج نہ کیا اور جو بیان ان تمام واقعات کے متعلق تیار کیا گیا۔ اس کے حرف حرف کو صحیح اور درست کرنے کے بعد خود میں نے اس کی اشاعت کو روک دیا۔ جن لوگوں نے جمعیت العلماء سے استعفے دئیے۔ ان کے استعفوں کو بھی اس وقت نہ بھجوانے دیا۔ ہماری جماعت نے وائسرائے کے پاس جو وفد

بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس میں بھی علاوہ مولانا حسین احمد صاحب اور دیوبند کے اکابر کے خود مفتی صاحب کو بھی شامل کیا۔ میں شام کے جلسے میں یوں بھی نہ آسکتا تھا۔ کیونکہ علیل ہو گیا تھا۔ مفتی صاحب ان تمام بیہودگیوں کے بعد اشک شوئی کے لئے میری عیادت کے نام سے تشریف لائے۔ اور میں نے انھیں ناشتہ کرایا اور وندیں جانے کے لئے نواب اسمٰعیل خاں نے ان سے کہا اور انھوں نے اقرار کیا۔ مگر دوسرے دن یہ لکھ کر علیحدہ ہو گئے۔ کہ شام کو میری "جماعت" (جمعیت نہیں۔ اس لئے کہ اس نے اس کے خلاف کوئی قرارداد نہیں کی) نے کہا کہ تم نہ جانا۔ تاہم میں نے اُن سے احکام شریعت دربارۂ نکاح حاصل کئے۔ اور گو مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا عنایت اللہ صاحب کے بیانات نے جو بے حد مفصل اور مرتب تھے۔ مجھے اس سے مستغنی کر دیا تھا۔ تاہم میں نے بار بار مفتی صاحب سے ان کے بیان کا تقاضا کیا اور ان سے باوجود اپنی علالت کے ملنے گیا۔ مولانا حسین احمد صاحب شاہجہانپور جا رہے تھے۔ اور وہاں کئی روز وعظوں میں تھے تاہم میرے اصرار پر تشریف لائے۔ اور اسٹیشن سے سیدھے گورنمنٹ ہاؤس چلے گئے۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب مرحوم[1] نے آنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر مرض الموت نے نہ آنے دیا اور طیب[2] کو اپنی جگہ بھجوایا۔ لیکن مفتی صاحب اور ان کے حواریوں کا رد یہ دیکھیے کہ مولانا عبد الحلیم صدیقی نے ایک تقریر فرمائی۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ خدارا ہمیں گورنمنٹ کے آستانہ پر سر جھکانے

---

[1] مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم دیوبندی ناظم دار العلوم دیوبند

[2] مولانا محمد طیب دیوبندی موجودہ ناظم دار العلوم دیوبند

کے لیئے نہ لے جایئے۔ ہم پر رحم کیجئے۔ (حالانکہ احمد سعید AGE OF -
CONCENT COMMITTEE[1] کے سامنے غلط سلط شہادت نہ دینے
کے لئے بلا تامل چلے گئے تھے۔ بہار کے سجادہ نے ہم پر دا شرائے کی
دست بوسی کی ہتمت لگائی اور احمد سعید نے بھی الجمعیۃ میں دروغ بافیوں
کا عرصہ تک سلسلہ جاری رکھا۔ (جو حقیقتہً آج تک جاری ہے) آپ کو
معلوم ہے کہ مسلمان ہم دونوں کو بیگار سمجھ کر سارا کام ہمیں پر چھوڑ دیا کرتے
ہیں مگر یہ سن کر آپ کو بھی حیرت ہوگی کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کو اسی
جاہلِ مطلق نے جاکر سوتے سے جگایا تھا اور ہمدرد میں میرا ہی مضمون اوا خر
مارچ ۲۸ئہ میں اس بل کے خلاف شائع ہوا تھا اور اسی کو لے کر
میں صدر جمعیۃ العلما کی خدمت میں خود حاضر ہوا تھا۔ اور اس پر بھی ان کی
غفلت کا یہ عالم رہا کہ نہرو رپورٹ کے معاملے میں تو یہ اس کی تائید میں
در پردہ کوشش کر رہے ہیں۔ مگر شریعت کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے
انھوں نے ساردا بل کے منظور ہو جانے تک اس قدر کم کام کیا کہ نہیں
کرنے کے برابر ہے۔ بہر حال اب باوجود بصارت اور اعصاب کی اس
حالت کے اور بخار جاڑے کے دو تین دن میں میں نے AGE OF CONE-
NT COMMITTEE کمیٹی کی رپورٹ پڑھی اور ۲۵ ٹائپ کے صفحات کا تحریری
بیان تیار کیا اور ساری رات اور سارے دن خود ہی جاگ کر اور آرام
لئے یا کھانا کھائے بغیر اسے ٹائپ کر کے ایک دن پہلے وائسرائے کے
سکرٹری کو دے آیا۔ مسلمانوں کی قوم میں ایک ٹائپسٹ بھی نہ ملا کہ اس
کام کو کرتا۔

---

[1] کمیٹی برائے عمر رضامندی

تین بجے شام کو یہ بیان وائسرائے کو ملا۔ بیچارے کو گھنٹہ بھر بھی اس کو دیکھنے کو نہ ملا ہوگا۔ دوسرے دن گیارہ بجے وقت پہنچا۔ جو جواب دیا۔ اسکا جواب ہمارے تحریری بیان میں پہلے سے موجود تھا۔ جب اس نے کہا کہ آپ کے بیان پر میں اس وقت تک صرف ایک سرسری نظر ڈال چکا ہوں تو میں نے اس اقبال سے فائدہ اٹھایا۔ اور کہا کہ آج ہم آپ سے جواب لینا نہیں چاہتے۔ جب آپ اسے دوبارہ اچھی طرح پڑھ لیں گے تو آخری جواب اس وقت لیں گے۔ چنانچہ ۵ ار نومبر کو باوجودیکہ وہ اسی دن دکن کے دورہ پر جا رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ اس سے مفصل اور صاف صاف گفتگو رہی اور وہ قائل ہو گیا کہ ہم اپنے عقائد اسلامی پر قائم رہتے ہوئے اس قانون کو قبول نہیں کر سکتے۔ گو ہنود کے باعث اپنی مجبوری کا بھی اظہار کیا (اس کو راز ہی میں رکھئے) دوسرے ہی دن وہ نواب صاحب سے ملا اور کہا کہ اگر محمد علی نے (TEST CASE) اس بنا پر جیت لیا کہ میں نے جس بل کے پیش ہونے سے پیشتر اس کے پیش ہونے کی اجازت دی تھی (جس کے بغیر کسی کے مذہب یا مذہبی رسوم و رواج کے متعلق کوئی مسودہ پیش ہی نہیں ہو سکتا) وہ صرف ہنود کے لئے تھی تو میرے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے اور مسلمانوں پر اس کا نفاذ کسی دوسرے بل کے ذریعے سے نہیں ہونے دوں گا۔ میں وائسرائے سے ملنے سے پیشتر مفتی صاحب اور احمد سعید کے سامنے جامع مسجد میں مسلمانوں کو جتا کر گیا تھا کہ کیا کہنے جاتا ہوں اور واپس آکر مسجد جامع میں نماز مغرب سے قبل جو گفتگو ہوئی تھی۔ سب دہرا دی اور دونوں کو گھر سے بلوا کر انھیں کے سامنے سب کچھ کہا۔ تاہم ان کی حرکات ملاحظہ ہوں کہ ایک مجلس ناموس تحفظ شریعت بناتے ہیں۔ جس میں نہرو وانی جماعت[1] کے حبیب الرحمٰن

---

[1] یعنی پنڈت موتی لال نہرو کی جماعت کے لوگ۔ نہرو رپورٹ والی کمیٹی کے یہی صدر تھے۔

لدھیانوی۔ نسیم اور ظفر علی خاں تک ہیں۔ لیکن میرا نام تک نہیں۔ ان کی بے سود ہڑتال کی میں نے مخالفت نہیں کی۔ گو اُسے بے سود اور غیر موثر سمجھا۔ تاہم مجھے بدنام کیا گیا۔ پھر جب اس سے بھی کام نہ نکلا۔ تو جلوس نکالا۔ مجھ سے آکر ملے اور امداد چاہی تو میں نے اس جلسہ میں بھی ان کی صدارت میں تحریک پیش کی۔ گو انھوں نے میری رائے پر عمل نہ کیا اور جلوس کو چیف کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کی کچہری تک نہ لے گئے۔ اس کے بعد ان حضرات کے پاس کچھ نہ تھا۔ میرے گھر آئے۔ میں نہ تھا۔ دوسرے دن میں اسمٰعیل خاں اور شفیع کو[1] لے کر ان کے گھر گیا تو انھوں نے کہا کہ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں؟ تب میں نے وہی تدبیر بتائی جو میں لے اندور ہی کے قیام میں طے کر چکا تھا کہ اس قانون کی خلاف ورزی کی جائے۔ مگر اس طریقہ پر نہیں۔ جس سے شریعت بدنام ہو۔ یعنی محض خلاف ورزی کی خاطر بلا ضرورت گڈے گڑیا کا بیاہ کرنا۔ بلکہ جس لڑکے کو جس کی عمر ۱۶ یا ۱۷ سال کی ہو تو "قانون" کے باعث نکاح کی ضرورت ہو اور وہ اس حالت میں فرض یا کم سے کم واجب ہی ہوتا ہو۔ ایک ۱۵ یا ۱۶ برس کی تندرست اور بالغ لڑکی سے اس کا نکاح کرا دینا یا نابالغہ کا نکاح اس کے ولی کے حکم سے کرانا جبکہ اسے اپنی عمر یا سفر کے باعث اندیشہ ہو کہ اگر وہ مر گیا تو لڑکی یا اس کا مال متاع خراب لوگوں کے ہاتھ میں پڑ جائے گا اور اس لئے وہ اس کے سسر وغیرہ کے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ یا ایسی حالت میں جبکہ لڑکی کی ماں زندہ نہیں ہے۔ یا بڑی بہن کی شادی ہونے کے بعد وہ رخصت کر دی جائے گی اور اس کی تربیت کے لئے ساس کے سوا کوئی عورت میسر نہیں ہے یا ولی اس قدر غریب

[1] مولانا حاجی شفیع داؤدی ایڈوکیٹ مظفر پور (بہار) سابق صدر خلافت کمیٹی۔ مولانا کے خاص مخلصوں میں تھے۔

ہے کہ بچی کی پرورش نہیں کر سکتا اور سسر کے حوالے کرنے کے سوا چارہ نہیں صرف انھیں حالتوں میں نکاح پڑھوا کر اور رخصت کرا کے ساردا ایکٹ کی خلاف ورزی کی جائے[1]۔

یہاں تک ۱۱ر اپریل کو لکھا جا چکا تھا۔ مگر اتنا لکھنے کے بعد اس قدر تھک گیا کہ دوسرے دن کے لیے مجبوراً ملتوی کرنا پڑا۔ لیکن دوسرے دن آنکھوں کے (SPECIALIST) کے پاس گیا اور اس نے بہت محنت کے ساتھ آنکھوں کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ بائیں آنکھ تو بالکل جا ہی چکی ہے اس سے بالکل مایوس ہو جانا چاہیئے۔ لیکن سیدھی آنکھ کی حالت بھی نہایت خطرناک ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے حال ہی میں نگاہ پر زیادہ زور ڈالا ہے۔ یا جوش کی حالت میں کسی سے باتیں کی ہیں۔ اس لئے کہ خون کی ایک دو پھٹکیں تازہ نظر آ رہی ہیں۔ غالباً یہ اسی عریضے کے متعلق ڈاکٹر کا خیال تھا یا ایک اور خط کے متعلق جس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ جو میں نے سپرو[2] کو خود ہی بیٹھ کر مسلسل کچھ گھنٹے میں ٹائپ کیا تھا۔ بہر حال ڈاکٹر کا بیان ہے کہ آنکھ کی BLOOD VESSEL[3]) دیواریں پھٹنے کے بعد اب اتنی کمزور ہو گئی ہیں کہ اب ہر وقت دوبارہ پھٹنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت تک خدا کا بڑا فضل ہوا ہے۔ کہ گو ہر طرف خون کی چند "پھٹکیں" موجود ہیں۔ جو بصارت کو دھندلا کر رہی ہیں۔ مگر بیچ کے دائرے میں جسے (MACULA) کہتے ہیں ایک پھٹک بھی موجود نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ اسی آنکھ کی بصارت ہے۔ اگر آپ نے لکھنے پڑھنے کا کام جاری

---

[1] اس کے آگے خط کسی اور کے قلم کا ہے۔

[2] ہندوستان کی لبرل (معتدل) پارٹی کے مشہور لیڈر سر تیج بہادر سپرو۔

[3] شریان خون

رکھا یا تقریر کی تو نہیں کہہ سکتا کہ چند سیکنڈ یا چند منٹوں یا چند گھنٹوں میں آپ بالکل اندھے ہو جائیں۔ آپ کی آنکھ کے لئے کوئی دوا نہیں جو مفید ثابت ہو۔ سوائے اصل مرض کے علاج کے جو ذیابیطس ہے اور سال دو سال کے مسلسل آرام کے۔ میں تو کہوں گا کہ آپ نوکر کو بھی کمرے میں سے نہ پکارا کریں۔ بلکہ اسے کمرے ہی میں بیٹھے رہنے دیں تاکہ اشارے سے بلا سکیں اس لئے کہ اس کو پکار کر بلانے سے بھی آنکھ کے کسی نہ کسی BLOOD VESSAL کے پھٹنے کا اندیشہ ہے۔ اگر (HAMRRAGE) ہو گیا اور خون کی پھٹک آنکھ کے سامنے آگئی تو آپ بالکل اندھے ہو جائیں گے۔ کامل ایک گھنٹے کے امتحان کے بعد ہندوستان کے سب سے بڑے (EYE SPECIALIST) کی یہ رائے ہے۔ مجبور ہو کر سب کام چھوڑنا پڑا ہے۔ مگر ڈاکٹر نے جو مزید شرط لگائی ہے کہ تفکرات کو دور رکھو۔ اس کا کیا انتظام کر سکتا ہوں۔ بالخصوص اس زمانے میں جبکہ بظاہر ہندوستان اور بالخصوص مسلمانانِ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ وہ مسلمان جو ہماری قید و بند سے بھی متاثر ہو کر ہماری منت و سماجت پر ہم سے متفق نہیں ہوتے تھے۔ اور انگریزوں کی غلامی ترک کر کے ہندوؤں سے مصالحت کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض باوجود ہماری آج کل کی منت و سماجت کے ہندوؤں کی غلامی کی طرف جھپٹے چلے جا رہے ہیں۔ اور صرف اس لئے کہ اگر ہندو اس جنگ میں جیت گئے تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔ اور ان متیہ گرہی سورماؤں کو اپنی حفاظت کا سوائے اس کے کوئی طریقہ نہیں نظر آتا کہ علی برادران پر حملہ کریں ان نبرد آزماؤں کو اس کا بھی خیال نہیں کہ وہ ایک مریض پر بھی جو ان کا جواب نہیں

لہ۔ سیلان خون۔ لہ ماہر امراض چشم۔

دے سکتا۔ متواتر حملے کر رہے ہیں اور اس کے خلاف گندے سے گندے اور جھوٹے سے جھوٹا پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور لطف تو یہ ہے کہ حاملین شریعت حقہ یعنی علمائے کرام ان نبرد آزماؤں کے قائد اور رہنما ہیں اور الجمعیۃ[1] کے کالم اس کے لئے وقف ہو گئے۔ اب ان حملہ ہائے معترضہ کو میں یہیں ختم کرتا ہوں اور اپنے عریضہ کا سلسلہ دوبارہ شروع کرتا ہوں۔ میری بتائی ہوئی تدبیر پر خوب جرح و قدح کی گئی اور جو تدبیریں اور بتائی تجاویز بھی یعنی شراب کی دکانوں پر پکیٹنگ وغیرہ۔ اس پر بھی غور کیا گیا اور آخر کو یہی طے پایا کہ دہلی میں ہم سب مل کر متفقہ طور پر مذکرہ بالا قسم کا ایک نکاح پڑھیں اگر شاردا ایکٹ[2] کی خلاف ورزی کریں اور جب ہم پر مقدمہ چلایا جائے تو عذر پیش کریں کہ اس قانون کا نفاذ مسلمانوں کے خلاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ ہماری شریعت کے خلاف ہے اور ایسے قانون کو مجالس مقننہ میں پیش کرنے سے پہلے گورنر جنرل سے۔

(مکتوب اس مقام پر اچانک ختم ہو گیا ہے۔ اس کے آگے کے فقرے پھر مولانا کے قلم کے ہیں)

برادرم۔ ایک اپاہج بھائی نے جس قدر لکھایا لکھوایا جا سکا۔ کیا گیا۔ مگر اتنے دن کے انتظار کے بعد مجبور ہو کر اس عریضے کو اسی طرح ناتمام بھیج رہا ہوں۔ میری آخری تحریر ہے۔ آخری تقریب اماں کے مولد امروہہ میں ۲ر۴ر۵ر کو کروں گا۔ براہ کرم وہاں تشریف لے آئیے۔ کانپور آنے کا وعدہ

---

[1] جمعیۃ کا ہفتہ وار اخبار۔

[2] امروہہ میں جمعیۃ العلماء جدید کا جلسہ تھا۔ یہ انتہائی حسرت ویاس کے لفظ مسلمانان ہند کے سب سے بڑے لیڈر کے قلم سے کل ۵۲ سال کی عمر میں نکل رہے ہیں۔

زمانے کے باوجود انتظار ہی نہ کھایا۔ اگر میں واقعی اب بھی اس قابل ہوں کہ آپ جیسا مسلمان مجھ سے مل سکے تو ضرور آئیے۔ آپ کا اپاہج بھائی

محمد علی

(۲۷)

۲۲ مئی ۱۹۳۰ء۔ اقبال منزل۔ قرول باغ۔ دہلی۔

برادرم ماجد میاں صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ایک نہایت ہی طویل مگر اپنی بینائی کے باعث ناتمام عریضہ مدت ہوئی ارسال کر چکا ہوں۔ مگر اب تک رسید نہیں ملی۔ کانپور آنے کا[1] وعدہ کر کے نہ آئے۔ حالانکہ اس وعدے میں بھی مجھ سے علیحدگی کا اعلان تھا اب امر وہے بلایا تب بھی نہ آئے۔ سنا ہے۔ بہن[2] کی طبیعت نادرست ہے اگر یہ ہے تو دست بدعا ہوں گو ع

کیا کہوں میری دعا بھی تو نہیں ہے مقبول

ورنہ خود حالت اس قدر خراب کبھی نہ ہوتی۔ گلنار[3] کا نکاح چھ بجے شام کو بتاریخ ۲۹ ذی الحجہ ۲۹ مئی قرار پایا ہے۔ مع بہن اور بچوں کے تشریف لائیے۔

---

[1] کانپور میں مجبوراً مولانا کو اپنے جدید رفیقوں کے ساتھ مل کر ایک جدید جمعیت العلما بنانا پڑی تھی۔

[2] میں نے عرض کیا تھا کہ کانپور حاضر ہونے کو آمادہ ہوں۔ آپ کے نیاز مندی کی حیثیت سے۔ قومی حیثیت سے شرکت کے لئے معافی چاہتا ہوں۔

[3] یعنی میرے گھر میں۔ مولانا انھیں بہن ہی کہا کرتے تھے۔ یہی اندر اصلی وجہ میری عدم حاضری کی غالباً یہی تھی۔

[4] مولانا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی۔ انھیں کا نکاح شعیب قریشی کے ساتھ ہونا تھا۔

آپ کا سخت انتظار ہے۔ علیاحضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا انتقال ہو گیا۔ عالی حضرت نواب صاحب رام پور سخت علیل ہیں۔ مگر اپنی مجبوریوں کے باعث معذور ہوں۔ یہ سنت مارچ سے ٹلتے ٹلتے آخر مئی تک آپہنچی ہے۔ تشریف آوری کے وقت سے مطلع فرمائیے۔

ہمدرد کے نام سچ آتا تھا جو بند ہو گیا۔ تعجب ہے کہ سچ میرے نام جاری نہ ہوا۔ آپ کا بھائی محمد علی

(۲۸)

۳؍ جون ۳۰ء۔ ووڈ لاج۔ کارٹ روڈ شملہ

برادرم محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

میرے امراض کی فہرست یوں بھی طویل ہو چکی تھی۔ صرف مرگِ ناگہانی کا انتظار اور تھا۔ اب نقرس پر بھی ریاح کا بار بار حملہ ہو رہا ہے اس نے مرگِ ناگہانی کا بھی انتظام کر دیا[1]۔ ارادہ کر چکا تھا کہ گلنار کے عقد نکاح کے بعد ہی یہاں آجاؤں گا۔ مگر ایک وہابی کی نالش نے پندرہ دن تک روک رکھا۔ ۱۵ کو چل کر ۱۶ اپریل کو یہاں پہنچا۔ راستے میں درد اٹھا۔ دوسرے دن یہاں بھی شب کو یہی حالت رہی تیسرے دن صبح کو بھی وہی حالت تھی۔ ڈاکٹر کو بلایا۔ اب طبیعت قدرے سدھری ہے۔ میں اب ظفر الملک صاحب کے مضامین اور عطاء اللہ کی تقاریر[2] و کفایت اللہ صاحب و احمد سعید صاحب کی سازشوں کے جواب دینے کے قابل کہاں جو

---

[1] عین اس زمانہ میں یعنی ۱۹۳۰ء مسلمان اخبارات میں اس لب مرگ زار و نزار بلکہ نیم جاں محمد علی کی بیماریوں پر بھی مضحکہ ہو رہا تھا۔ [2] یعنی مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری حاجی ظفر الملک صاحب بھی۔ اب مولانا کے مقابلہ میں قلم در کف تھے۔

جلسوں میں شریک ہوں۔ ڈیڑھ ماہ آرام اور کچھ کام کی غرض سے آیا ہوں۔ آئیے تو یہاں آئیے تاکہ دل کھول کر باتیں ہوں۔

آپ کا عقیدت مند بھائی محمد علی

(۲۹)

۲۰ ستمبر سنہ۳۰ء گسٹ ہاؤس بھوپال

برادرم محترم۔ السلام علیکم و برکاتہٗ۔

آپ کا محبت نامہ ۲ اگست مجھے کوئی ۸/۱۰ اگست کو غالباً مل گیا تھا۔ لیکن چونکہ محض عیادت نامہ نہ تھا بلکہ سیاست نامہ بھی تھا۔ اس لئے جواب کی ہمت اس وقت نہ کر سکا اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن کے حکم سے اس وقت تک انتظار کیا۔ جب کہ خود آدھ گھنٹہ بیٹھ کر خط لکھنے کے قابل ہو جانے کی امید تھی۔ جوں ہی حالت اس قابل ہوئی، سیدھی آنکھ نے بھی تقریباً جواب دے دیا۔ اور جس بیمار کو نئے نواب صاحب رام پور اور شوکت صاحب کی طلبی پر رام پور جانے سے ڈاکٹر صاحب نے روک دیا تھا اور نواب صاحب بھوپال نے معذرت کا تار بھیجکر اس کی وجہ بیان کر دی تھی۔ اس کو دوسرے ہی دن بمبئی بھاگنا پڑا کہ ڈاکٹر چشم کو پھر آنکھ دکھائے اور اندھا بننے سے بچ سکے۔ اُسی دن سے آجتک آنکھ اس قابل نہیں ہے کہ کچھ بھی لکھ پڑھ سکوں۔ دوسروں کا محتاج۔

ل مولانا اب بھوپال میں تھے اور ایک مجموعہ امراض و آلام۔ یہ مکتوب کسی سے لکھایا ہوا ہے۔ صرف آخر میں دستخط مولانا کے قلم کے ہیں۔ افسوس اس کے بعد پھر کبھی مولانا کے قلم کی کوئی چیز موصول نہ ہوئی۔ ٹ میں نے ڈرتے ڈرتے کچھ مشورے عرض کئے تھے۔ حقیقتاً اس وقت مولانا قابل رحم تھے۔ کوئی سخت سے سخت طنز اور طعن مولانا کے لئے اُٹھا نہیں رہا تھا خود مسلمانوں کے ہاتھوں۔

آپ نے میری صحت کے متعلق ۲ر اگست کو لکھا تھا کہ "میری دعاؤں سے خدا
خدا کر کے آپ کے افاقہ کی خبر سنائی دی"۔ یقیناً میری بیماری میں افاقہ ہوا تھا۔
مگر نہ اس قدر جتنا کہ عام طور پر سمجھ لیا گیا۔ اور حقیقتاً افاقہ کا زائد حصہ خود شملہ
کی بلندی سے نزول تھا۔ سولن پہنچتے ہی جبکہ ہوا اس قدر رقیق نہ رہی۔ اس سے
زائد افاقہ ہو گیا اور پہلی بار اتنی بھوک لگی کہ میں نے دوسروں کو چائے پیتے دیکھ کر
خود بھی ایک پیالی چائے مانگی۔ باقی افاقہ پلنگ پر پڑے رہنے سے ہوا۔
شاید کسی قدر دواؤں سے بھی ہوا ہو گا۔ رہا دعاؤں کا معاملہ میں کب آپکی دعاؤں
کی تاثیر کا قائل نہ تھا۔ البتہ اگر اب بھی صاحبِ فراش ہوں تو ممکن ہے۔ کہ
دیوبند تو نہیں مگر شاید تھانہ بھون کی مقدس ہستیوں کی آپ کی دعاؤں میں شرکت
کا اثر ہو۔ اگر آپ کو افاقے کے متعلق غلط فہمی نہ ہوئی ہوتی تو آپ ہرگز مجھ سے
نہ پوچھتے کہ میں ۱۵ر اگست کو لکھنؤ آرہا ہوں یا نہیں[۱]۔ "شتدر حال" اب تو
میرے مذہب میں گول میز کانفرنس[۲] میں بھی کی شرکت کے لئے جائز رہ گیا ہے۔
جس کے متعلق ابھی عرض کروں گا۔ میں آج ہی مع اپنی اہلیہ کے دہلی جانا چاہتا
تھا تاکہ رختِ سفر باندھ سکوں۔ لیکن گذشتہ دو ہفتوں میں خون کا دباؤ کسی قدر بڑھا
رہا اور ضیق النفس بھی کسی قدر رہا۔ اس کے باعث ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے پھر حکم
امتناعی جاری کر دیا اور اب صرف میری اہلیہ دو ایک دن میں چلی جائیں گی۔
ارادہ تھا کہ رام پور جاتے وقت آپ کو تار دے کر کم از کم دو میں ملاؤں اور نہ
معلوم دوا یسی ہو یا نہ ہو[۳] چلتے وقت آپ سے مل لوں۔ لیکن آپ سے اتنا قرب بھی

---

[۱] یعنی مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسہ میں خلافت کمیٹی کا جو دو اب تک باقی تھا سکتا ہوا ابھی
[۲] پہلی گول میز کانفرنس جو لندن میں منعقد ہو رہی تھی۔
[۳] مولانا کو اس درجہ اپنے قربِ وفات کا یقین ہو گیا تھا۔

اس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ بھوپال تشریف لائیں اور خلافت کمیٹی کے جلسے میں جو ۲۲ر اور ۳ر اکتوبر کو ہونے والا ہے۔ بمبئی جاکر شریک ہوں۔ میں انشاء اللہ ۲۹ر ۳۰ر تک بمبئی چلا جاؤں گا۔ بشرطیکہ گول میز کانفرنس کے التوا کا حکم نہ آیا۔ براہِ کرم ضرور آکر مل لیجئے۔ گو اب میں بزدل اور غدار ہوں اور آپ کے پیر و مرشد کی طرح ایسا ہند و پرست نہیں رہا جیسا کہ وہ دو تین سال پہلے مجھ کو کہتے تھے۔ تاہم چونکہ آپ کو نہ صرف دیوبند سے بلکہ تھانہ بھون سے بھی عقیدت ہے اس لئے بزدلوں اور غداروں سے ملنا بھی آپ کے مذہب میں ناجائز نہ ہوگا۔ پانیر میں جو مضمون نکلا تھا[1]۔ وہ خود لغو تھا۔ اس کا لکھنے والا بھی لغو۔ یہ ایک متعصب ہندو کا لکھا ہوا ہے جو ان بزرگوں کی طرح سے خوب جانتا ہے۔ کہ جناح اور سر محمد شفیع بھی خریدے جا سکتے ہیں۔ مگر محمد علی انمول ہے۔

(۳۰)

آپ جس طرح مذہب میں اب تک صراطِ مستقیم پر نہ پڑ سکے اور آپ کی زندگی اس کے پہلے حصہ کی فلسفیت کے خلاف ابھی تک ردِ عمل جاری ہے آپ سائنس کو ضلالت سمجھتے ہیں اسی طرح آپ اب تک سیاست میں بھی صراطِ مستقیم پر نہ پڑ سکے۔ تہذیب مغرب کی بیہودگیوں اور مغربی کی بیہودگیوں اور مغربی استعمار کے خلاف ابھی ردِ عمل جاری ہے اور وہ ہنود کی تنگ دلی و تعصب کو ایک بڑی حد تک آپ کی آنکھوں سے چھپائے ہوئے ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نہ پانیر کے مضمون نگار کی ...... کو پہچان سکے اور نہ بقیہ گرہی

[1] ۱۱ر جولائی کے پانیر میں مولانا پر ایک مفصل مضمون کسی کا نکلا تھا۔ عنوان تھا BRIBANT MAN WITHOUT A SUCCESS میں نے اپنے خط میں اسی مضمون کی تہی کی اور دی تھی۔

کی روزانہ دروغ بافی کو۔

میرے اسمبلی کے انتخاب کے متعلق آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ نہ صرف زمیندار اور اجمل وغیرہ پر اعتراض کر رہے ہیں بلکہ مجھ سے بھی استفسار کر رہے ہیں کہ کیا واقعی تم اسمبلی میں شریک ہو گئے یقیناً میرے قلب کی حالت نہ اس وقت ایسی تھی کہ میں سکون کے ساتھ ان چیزوں کے متعلق لکھ سکتا نہ اب پوری طرح اس قابل ہوا ہوں کہ سکون کے ساتھ ایکے متعلق کچھ لکھوا سکوں۔ آپ کو شاید یہ سن کر حیرت اور افسوس دونوں ہوں کہ میں نے اپنے دوستوں کو اس کی اجازت اسپتال ہی میں دے دی تھی۔ جہاں بستر مرض ذرا سی دیر میں بستر مرگ ہو سکتا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو مجھے اسمبلی کا ممبر منتخب کرا سکتے ہیں وہ قصہ یہ ہے کہ میں اب اس رائے پر پہنچا تھا کہ اگر نیا دستور اساسی ایسا بن گیا کہ اس میں اسمبلی کو حقیقی آزادی مل گئی تو میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں گا تو اس وقت تک میں مولانا حسین احمد صاحب کی طرح سے اس میں شرکت کو جائز سمجھتا۔

ایک زمانہ میں مولانا میرے ہم خیال تھے اور جمعیۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ میں میرے ہی کہنے سے انھوں نے ایک تحریک سوراجیوں کے نقطۂ نظر کے خلاف پیش کرنا چاہی تھی جس سے .... کفایت اللہ نے (آپ زمیندار اور اجمل کی دروغ بافیوں پر تو معترض ہیں کفایت اللہ صاحب اور الجمعیۃ کے افترا پردازیوں کے متعلق نہ آپ نے کبھی کچھ لکھا اور نہ مولانا حسین احمد صاحب) ٹال دینا چاہا تھا۔ وہ سال بعد .... صاحب اور ان کے رفیق جاہلیت احمد سعید صاحب نے مولانا حسین احمد ہی سے ایک رزولیوشن تیار کرا کے جمعیۃ العلماء کے جلسۂ انتظامیہ میں پاس کرا دینے کے چھوڑا جس میں سر کے گرد

گردہاتھ گھما کر ناک پکڑی گئی تھی اور اسمبلی اور کونسلوں میں شرکت کے جائز کا فتویٰ دارالافتراء
سے شایع کیا گیا تھا۔ خیر یہ پرانی بحث ہے۔ میں مسلمان ممبران اسمبلی کی بے اصولیوں اور
نفس پروریوں سے اتنا تنگ ہو گیا تھا کہ نواب اسمٰعیل خاں اور شفیع داؤدی صاحب
کے اصرار سے اور چند اور خلافت والوں کے کہنے سے میں نے اسے قبول کر لیا تھا
کہ اگر دستور اساسی کی بنیاد حقیقی آزادی قرار پائے تو میں شریک ہو کر ان کے
دوش بدوش تحفظ اسلامی اور اتحاد ہند کے لئے جدوجہد کروں گا میں خود رائے
کو رائے دے چکا تھا کہ انتخاب گول میز کانفرنس کے بعد کیا جائے لیکن شملہ میں
جب کہ میری حالت بہت خراب تھی مجھے اطلاع ملی کہ انتخاب ابھی ہوگا اس پر
میں نے فیصلہ کیا کہ اگر میرے دوست ضرورت سمجھیں تو میرا انتخاب کرا دیں لیکن چونکہ
پہلا اجلاس گول میز کانفرنس کے بعد ہوگا میری شرکت اس پر منحصر ہوگی کہ دستور
اساسی آزادی پر مبنی ہو۔

یہ تھی حقیقت لیکن آپ کے ستیہ گرہوں نے اس پر اسپیکری وغیرہ کا قصہ تیار
کر دیا۔ چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ بلکہ واقع تو یہ ہے کہ حقیقت کو
دیکھتے ہوئے بھی مفتری افترا پردازیوں سے باز نہیں آتے اور افسانہ گوئی کے
بغیر نہیں رہ سکتے۔

انقلاب میں جو مکتوب شائع ہوا تھا وہ میری درخواست کے ایک ماہ سے
زائد کے بعد شائع ہوا تھا میں تو ہمدرد کو بند کر کے مہر سکوت اپنے ہونٹوں پر لگا
چکا تھا لیکن اس ملت مرحومہ کی مردم شناسی کو کیا کہا جائے۔ الجمعیت اور
زمیندار وغیرہ کے افترا پردازیوں کے بعد مجبور ہو کر یہ خط سالک صاحب کو لکھنا
پڑا اور ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اس میں فراہم کردہ مواد کو اپنے ایک دو
مضمون میں شایع کر دیں جو انھوں نے نہیں کیا۔ اب شرکت کانفرنس کے متعلق کچھ

سواد ان کو بھیج رہا ہوں کہ آپ اسے اپنے کسی مضمون میں شائع کرا دیں۔ میں نہیں چاہتا
کہ میرا اصلی خط واتسرائے کے نام کا شائع کیا جائے تاآنکہ اشد ضرورت نہ
ہو مگر اس کا سارا سواد حرف بحرف آپ شائع کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ
ان خیالات کا اظہار میں نے ان حلقوں میں کر دیا ہے جہاں سے دعوت آئی تھی
میرے پاؤں میں پہلے ہی سے حس نہ تھا اب حالت کچھ بدتر ہے اور سردی میں ہر
وقت گنگرین اور پاؤں کی قطع وبرید اور اسی طرح کی موت کا اندیشہ رہے گا
جس سے ڈاکٹر انصاری کے مرحوم مغفور منجھلے بھائی صاحب کو دوچار ہونا پڑا
تھا اب تک صاحب فراش ہوں کانفرنس کے روزانہ اجلاس اور نہ صرف ہندوؤں
اور انگریزوں بلکہ سب سے زیادہ خود مسلمان بھائیوں سے ایک ایک نقطہ پر جنگ
کرنا پڑے گی ان تین محاذوں پر جنگ کرنے میں ہر وقت دل کی حرکت یکایک بند
ہو جانے اور موت کا اندیشہ ہے۔ سب سے زائد یہ کہ اب لکھ پڑھ نہیں سکتا
کامل نابینائی کا ماہر علاج چشم نے پورا یقین دلا دیا ہے کہ اگر میں سب کام چھوڑ کر
کسی ایسے ملک کو نہ چلا جاؤں جہاں دنیا کی کوئی خبر نہ ملے لیکن اس پر بھی سمجھتا
ہوں کہ میرا ادنیٰ فرض ہے کہ اس کانفرنس میں شریک ہوں اور وہاں جا کر سلطان
جائر اور رعایائے جائر دونوں کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر سب سے افضل جہاد کروں
تاآنکہ اسی کام میں مرجاؤں اس لئے قرض دام لے کر بھیک مانگ کر اور جس
طرح بھی ہو سکے گا تین چار ہزار روپیہ فراہم کر کے اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے
چلوں گا اس لئے کہ وہ زندگی کے سارے منازل اور مراحل میں میری رفیق سفر
رہی، جب منزل مقصود کے لئے احرام سفر باندھوں تو چاہتا ہوں کہ وہ موجود ہو ورنہ
لندن کا یہ موسم بدترین ہے اور ہر متمول انگریز اور میم انگلستان تک کو چھوڑ کر دوسرے
ملکوں کو بھاگ جاتے ہیں۔ بہرحال واتسرائے کا دعوت نامہ اور میرا جواب ملفوف

ہے۔ میرے خط بنام وائسرائے کو بطور خط کے نہ چھاپیے اپنے مضمون میں آپ اس کے خیالات کو میرے ہی الفاظ میں شامل کر سکتے ہیں۔ انقلاب ہی اس کے لئے بہتر اخبار ہوگا۔

جب آپ یہاں آئیں گے تو آپ کو وہ خطوط دکھاؤں گا جو مسلمانوں کی نمائندگی کے متعلق میں نے بستر مرض پر سے بھی وائسرائے کو لکھے تھے۔ اب رخصت ہوتا ہوں۔ میری گستاخیوں کو معاف کیجئے اور میری کامیابی کے لئے دعا کیجیے اور جلد آکر مجھ سے مل جائیے۔ میری اہلیہ کا بھی سلام قبول کیجیئے اور اپنے گھر میں ہمارا اسلام شوق کہئے اور بچیوں کو خوب سا پیار کیجیے۔

آپ کا گستاخ بھائی

محمد علی

نسیم بکڈپو لکھنؤ کی شائع کردہ چند ادبی کتب۔

نیرنگ خیال اول	مرتبہ شمیم انہونوی	1/50
نصاب اردو اول نثر	کانپور یونیورسٹی	2/50
نصاب اردو اول نظم	"	2/50
نصاب اردو دوم نثر	" "	2/50
نصاب اردو دوم نظم	" "	2/50
افسانوی ادب کا ارتقا۔	سید صفی مرتضیٰ	1/75
چند ممتاز شعراء	"	1/75
ہمارے نثر نگار	"	1/75
اردو انشائیہ	"	3/50
اسلامی سوانح عمری	عبدالحلیم شرر	3/-
تاریخ عصر قدیم	"	5/-
اردو غزل کے پچاس سال	ڈاکٹر عبدالاحد خاں خلیل	7/50
نصاب فارسی	"	2/-
انشائے ماجد اول	عبدالماجد دریابادی	5/-
انشائے ماجد دوم	" "	5/50
سفر حجاز	" "	6/-
تصوف اسلام	" "	3/50
نشریات ماجد	" "	3/50
اردو نثر میں ادب لطیف	ڈاکٹر عبدالودود	8/-
غالبیات	عبدالقوی دسنوی	6/-

رزم نامۂ دبیر

مرتبہ

جناب خبیر

خدائے سخن مرزا دبیر مرحوم کے مرثیوں

سے ماخوذ ایک مسلسل رزم نامہ جس میں

حضرت سید الشہداؑ کے ابتدائی حالات، مدینے

سے روانگی، راستے کے واقعات، کربلا

پہنچنا، عزیزان و اصحاب و امام عالی مقام

کا جہاد و شہادت، تاراجی خیام، اسیری

اہل بیتؑ، کوفہ و شام کے واقعات،

واپسی کا سفر، مدینے میں آمد تفصیل سے درج ہے۔

قیمت :۔ چار روپے آٹھ آنے

ناشر

نسیم بکڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ